آسان فقہ

حصہ دوم

فقہی احکام و مسائل کا مستند اور عام فہم مجموعہ

مولانا محمد یوسف اصلاحی

—— کتابُ الزکوٰۃ

—— کتابُ الصوم

—— کتابُ الحج

کلمہ شکر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ ط

اللہ عزوجل کا بے پایاں فضل واحسان ہے کہ اس نے اپنے ایک کمزور اور کم علم بندے کی حقیر خدمت کو شرف قبول بخشا، اور یہ کتاب ''آسان فقہ'' اس قدر مقبول ہوئی جس کا تصور بھی نہ تھا، تھوڑے ہی عرصہ میں اس کے کتنے ہی ایڈیشن شائع ہوئے، اور قدردانوں نے زبردست پذیرائی فرمائی، ادھر کئی سال سے کتاب نایاب تھی، شائقین کے پیہم تقاضوں کے علاوہ اپنی بھی شدید خواہش تھی کہ کتاب جلد از جلد زیور طبع سے آراستہ ہو لیکن بوجوہ تاخیر ہوتی گئی — خواہش یہ تھی کہ کتاب فوٹو آفسیٹ کے ذریعے نہایت عمدہ گٹ اپ کے ساتھ شائع کی جائے پھر نظر ثانی اور کچھ مفید اضافوں کی بھی ضرورت محسوس ہو رہی تھی، اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے نظر ثانی اور پیش نظر اضافوں کی توفیق اور موقع بھی عطا فرمایا اور کتاب کی اشاعت کے وسائل بھی مہیا فرمائے اور اب یہ کتاب ڈیمائی سائز میں فوٹو آفسٹ سے لائق شان آب وتاب کے ساتھ آپ کی خدمت میں پیش ہے۔

اس وقت کتاب کے صرف دو۲ حصے پیش کئے جا رہے ہیں، ان دو حصوں میں طہارت، عقائد اور ارکان دین کے مسائل مکمل ہو جاتے ہیں، معاشرت، معاملات اور وراثت وغیرہ کے مسائل زیر ترتیب ہیں دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ جلد ترتیب وتدوین کی توفیق اور موقع عطا فرمائے۔ آمین۔ اَلسَّعۡیُ مِنِّیۡ وَالۡاِتۡمَامُ مِنَ اللّٰہِ

محمد یوسف اصلاحی

آسان فقہ — دوم

کتاب الزکوٰۃ

کتابُ الصّوم

کتاب الحج

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف

عرصے سے ایک ایسے مختصر فقہی مجموعے کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی، جو عام فہم انداز بیان، آسان زبان اور جدید تصنیفی انداز میں ترتیب دیا گیا ہو، تاکہ آسانی کے ساتھ زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق وہ شرعی احکام و مسائل معلوم کئے جاسکیں جن کی عام طور پر ہر مسلمان کو روزمرّہ کی عملی زندگی میں ضرورت ہوتی ہے۔

پچھلے دس سال میں مختلف اطراف سے اس ضرورت کی اہمیت محسوس کرائی گئی، احباب نے بار بار تقاضا کیا اور اصرار کے ساتھ متوجہ کیا۔ اور خود مرتب بھی اس ضرورت کو شدت سے محسوس کرتا رہا یہاں تک کہ ۱۹۶۰ء میں اس کا مفصل نقشہ کار بھی مرتب کرلیا، لیکن کام کا آغاز کیا ہی تھا کہ اپنی ہیچ مدانی اور بے ماءگی کا شدید احساس ہوا۔ محترم انور شاہ کاشمیریؒ نے کسی موقع پر فرمایا تھا کہ میں ہر فن پر مجتہدانہ گفتگو کرسکتا ہوں لیکن فقہ پر مبتدیانہ گفتگو بھی نہیں کرسکتا، چنانچہ اختلافات کی اس آماجگاہ میں اقوال و آراء کی بہتات دیکھ کر ہمت جواب دینے لگی اور بجا طور پر یہ فیصلہ کیا کہ کوئی ایسے صاحب استعداد اس ضرورت کو پورا کریں جو فقہ سے طبعی مناسبت بھی رکھتے ہوں اور وسیع تر علم و مطالعہ بھی، لیکن انتظار کا دور طویل سے طویل تر ہوتا گیا اور امید کی کوئی کرن نظر نہ آتی۔

آخر کار پھر حوصلہ کیا اور اپنے محدود علم و مطالعے کے شدید احساس کے باوجود محض خدائے قادر و توانا کے بھروسے پر اس ارادے کے تحت کام شروع کیا کہ اس موضوع پر کوئی تحقیقی اور اجتہادی کاوش نہ سہی یہ سعادت بھی کچھ کم نہیں کہ فقہ حنفی کی کچھ مستند اور رائج کتابوں کو جن پر علماء اور عوام سب ہی اعتماد کرتے ہیں نیز ان مجموعوں کو جو وقت کے قابل اعتماد اصحابِ علم و بصیرت نے جدید پیدا شدہ مسائل اور جدید سائنسی آلات کے احکام سے متعلق مرتب کئے ہیں، سامنے رکھ کر سادہ،

آسان اور عام فہم انداز میں روز مرّہ کی ضرورت کے احکام ومسائل پر مشتمل ایک ایسا مجموعہ ترتیب دیا جائے جس سے ہر ایک سہولت واطمینان اور رغبت وشوق کے ساتھ استفادہ کر سکے۔ خدا کا شکر ہے کہ یہ دیرینہ آرزو پوری ہوئی اور زیر ترتیب مجموعہ اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس کی پہلی جلد جو تین ابواب کتاب العقائد، کتاب الطہارت اور کتاب الصلوٰۃ پر مشتمل ہے، اور یہ دوسری جلد کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم اور کتاب الحج کے احکام پر مشتمل ہے —— معاشرت، معاملات اور وراثت وغیرہ کے احکام ومسائل زیر ترتیب ہیں، قارئین خصوصی دُعا فرمائیں کہ رب العزّۃ جلد اس کی ترتیب وتدوین کا موقع اور سہولت بھی عطا فرمائے اور یہ سلسلہ مکمل ہو۔

یہ تو خدا ہی جانتا ہے اور اسی کی توفیق پر منحصر ہے کہ یہ مجموعہ ناظرین کیلئے کس حد تک مفید ہو سکے گا۔ البتہ خود مرتب کو اس علمی خدمت کے دوران غیر معمولی فوائد کے حصول کا موقع میسر آیا۔ اسلاف کے عظیم تر کارناموں اور حیران کن محنت و کاوش کو قریب سے دیکھ کر ان کی قدر وعظمت کا احساس ہوا، عقیدت کو حقیقت کی بنیاد ملی، فکر ونظر کو وسعت اور جلا نصیب ہوئی اور یہ یقین پختہ تر ہو گیا کہ ان ائمہ دین نے زندگیاں کھپا کر جو عظیم علمی احسانات کئے ہیں ان سے امت نہ کبھی سبکدوش ہو سکتی ہے اور نہ کبھی بے نیاز۔

اس وقت عالمِ اسلام میں چار فقہیں رائج ہیں، فقہ حنفیؒ، فقہ مالکیؒ، فقہ شافعیؒ اور فقہ حنبلیؒ، نیز ایک گروہ اور ہے جو ان فقہا کی تقلید کا قائل نہیں ہے اور وہ براہ راست کتاب وسنت سے مسائل و احکام معلوم کرنے کی تاکید کرتا ہے یہ لوگ سلفی یا اہل حدیث کہلاتے ہیں، یہ سارے ہی مسلک برحق ہیں، سب کی بنیاد کتاب وسنت پر ہے، ہر مکتبِ فکر نے زیادہ سے زیادہ کتاب وسنت کی روح اور منشاء کو پانے کی کوشش کی ہے اور ہر ایک کا اصل محرک یہ پاکیزہ جذبہ ہے کہ کتاب وسنت کی پیروی کا حق ادا ہو سکے۔

ان میں سے کسی مکتب فکر کی تنقیص وتحقیر کرنا، کسی پر طنز وتعریض کرنا اور فقہی اور فروعی اختلافات کی بنیاد پر ملت کو پارہ پارہ کرنا اور گروہ بندیوں کی لعنت میں گرفتار ہو کر باہم دست و

گریباں ہونا اہل حق اور اہل اخلاص کا شیوہ ہرگز نہیں، افہام وتفہیم، ترجیح وانتخاب اور اظہار رائے تو ایک علمی ضرورت ہے جس کی حوصلہ افزائی ہونی چاہئے، لیکن معمولی فقہی اختلافات کی بنیاد پر الگ الگ فرقے بنالینا اور اختلافِ رائے رکھنے والے کو گمراہ اور خارج از دین قرار دے کر اس کے خلاف محاذ قائم کرنا فہم دین سے محرومی بھی ہے اور اسلاف کی سنت سے انحراف بھی۔

برِ صغیر میں اگرچہ ہر مسلک کے پیرو موجود ہیں لیکن ان میں عظیم اکثریت حنفی مسلک کے ماننے والوں کی ہے، یہ کتاب ''آسان فقہ'' خاص طور پر انہی کے لئے مرتب کی گئی ہے۔اس میں باہمی اختلافات سے صرفِ نظر کرتے ہوئے صرف وہی متفقہ عملی مسائل بیان کئے گئے ہیں، جن پر احناف کا عمل ہے اور جو عام طور پر پیش آتے ہیں، تاکہ عام مسلمان ذہنی خلفشار سے محفوظ رہتے ہوئے یکسوئی اور اطمینان کے ساتھ اپنے مسلک کے مطابق عمل کرسکیں۔

فقہ کی متداول کتابوں کے بعض مسائل پر وقت کے بعض قابل اعتماد علماء نے مزید غور وفکر کیا ہے اور عقلی اور نقلی دلائل کی روشنی میں اختلافِ رائے کا اظہار کیا ہے یا کسی تجویز کی سفارش کی ہے، اس طرح کی جس رائے یا تجویز مرتب نے صحیح اور وقیع سمجھا ہے حاشیہ میں اس کو نقل کر دیا ہے تاکہ جن لوگوں کو اس پر شرح صدر ہو وہ کسی تنگی کے بغیر اطمینان کے ساتھ اس پر عمل کرسکیں۔

مسائل واحکام بیان کرنے کے ساتھ ساتھ عبادات واعمال کی فضیلت واہمیت پر بھی قرآن وسنت کی روشنی میں گفتگو کی گئی ہے تاکہ احکام معلوم ہونے سے پہلے احکام کی پیروی کے لئے ذہن وجذبات تیار ہوسکیں۔

حسب ضرورت جگہ جگہ فقہی اصطلاحات بھی استعمال کی گئی ہیں، اور ان کا استعمال ناگزیر ہے اس لئے بھی کہ مسلمان کیلئے ان سے واقف ہونا ضروری ہے اور اسلئے بھی کہ اصطلاح کے بجائے بار بار اس کے مفہوم ومراد کی تشریح باعث طوالت بھی ہے، اور ذوق پر گراں بھی۔ البتہ کتاب کے آخر میں ان اصطلاحات کی ایک مستقل فہرست حروفِ تہجی کی ترتیب کے مطابق دے کر ہر اصطلاح کے مفہوم اور مراد کی وضاحت کردی گئی ہے، تاکہ بیک نظر تمام اصطلاحات کو یکجا دیکھا

اور سمجھا جاسکے، اور یاد کرنے والوں کو بھی سہولت ہو اور ضرورت کے وقت آسانی کے ساتھ ہر اصطلاح کا مفہوم معلوم کیا جاسکے۔

رہا یہ مسئلہ کہ ہر دور کے تقاضوں کے پیشِ نظر تسلسل کے ساتھ فقہ اسلامی میں اجتہادی اور تحقیقی پیش رفت ہونی چاہئے تو یہ حیات ملی کے لئے ایک ناگزیر ضرورت ہے، دراصل فقہ ایک ایسا ترقی پذیر موضوع ہے جو نہ صرف ترقی پذیر زندگی کے ساتھ ارتقائی منزلیں طے کرتا ہے بلکہ صحیح تو یہ ہے کہ راہ ہموار کر کے زندگی کے نوک پلک دُرست کرنا فقہ ہی کا کام ہے۔ فکر و اجتہاد کی قوتوں کو معطل اور بے دم کر کے وقت کے تقاضوں سے ناآشنا اور بے تعلق رہنا اور کتاب و سنت کی روشنی میں تعمیر حیات کا حق ادا نہ کرنا ملت کو زندگی کی رعنائیوں سے محروم رکھنے کی کھلی ہوئی علامت بھی ہے اور اس کا بنیادی سبب بھی، دراصل اسلام کو ایک برتر اور ابدی نظام کی حیثیت سے غالب اور نافذ دیکھنے کی آرزو رکھنے والے اسلام پسندوں کا فطری اور منصبی فریضہ ہے کہ وہ وقت کے تقاضوں پر گہری نظر رکھیں، انھیں سمجھنے کی حکیمانہ کوشش کریں اور آگے بڑھ کر علم و عمل کے ہر میدان میں اسلامی قانون کی برتری ثابت کریں اور نہ صرف ارتقاپذیر زندگی کا ساتھ دیں، بلکہ اظہارِ دین اور غلبۂ دین کے لئے ہمہ جہتی جدوجہد کر کے اپنے نصب العین کے مطابق اس کی تاریخ سازی کا حق ادا کریں۔

دین و ملت کی ایک ناگزیر ضرورت ہے کہ ہر دَور میں اربابِ علم و فکر کا ایک ایسا گروہ موجود رہے جس کے افراد نہ صرف یہ کہ دین کے علوم میں گہری بصیرت رکھتے ہوں بلکہ عملاً بھی ان کو دین سے حقیقی شغف ہو اور ان کی زندگیاں دین کی آئینہ دار ہوں۔ پھر وہ دَورِ حاضر کے نئے پیدا شدہ مسائل اور نت نئے حالات سے باخبر ہوں اور حکمت و فراست، ترجیح و تمیز، انتخاب و اختیار اور حُسنِ فیصلہ کی اجتہادی قوّتوں سے بھی بہرہ ور ہوں اور زندگی کے گوناگوں مسائل کو کتاب و سنت کی روح و منشا کے مطابق حل کرنے کا ملکہ بھی رکھتے ہوں اور بحیثیتِ مجموعی اسلامی اقدار کے احیاء و نفاذ کی غیر معمولی تڑپ اور حکمتِ کار کے جوہروں سے بھی آراستہ ہوں۔

یہ گروہ ملت کا سرمایۂ حیات ہے اور اس کے ساتھ بھرپور تعاون کرنا ملت کا اہم ترین فریضہ اور دین کا عین منشا ہے، اصلاً تو اس گروہ کی سرپرستی اور کفالت اسلامی نظام حکومت کا منصب ہے لیکن جب اور جہاں مسلمان اپنی مجرمانہ غفلت کے نتیجہ میں اس نعمتِ عظمیٰ سے محروم ہوں وہاں بحیثیتِ مجموعی تمام مسلمانوں کا دینی اور ملی فرض ہے کہ وہ اس گروہ کی سرپرستی کریں اور اس کی ضرورتوں کو اپنی ضرورتوں پر مقدم رکھنے کی عادت ڈالیں، اس لئے کہ اس گروہ کا وجود نہ صرف ملت کے تحفظ و بقا کا ذریعہ ہے بلکہ اسلامی نظام کا تعارف اور قیام بھی اس کے بغیر ممکن نہیں، کوئی بھی انسانی کوشش ہو وہ خطا سے محفوظ نہیں ہو سکتی۔ اہل علم سے مخلصانہ گزارش ہے کہ وہ جو غلطی اور کوتاہی محسوس کریں ضرور مطلع فرمائیں۔ یہ ان کا فرض بھی ہے اور میرا حق بھی۔

خدا سے دعا ہے کہ وہ اس خدمت کو شرف قبول بخشے اور مسلمانوں کے لئے اس کو نافع ثابت فرمائے، اور مرتب کے حق میں اس کو ذخیرۂ آخرت اور بہانۂ مغفرت بنائے۔ آمین۔

محمد یوسف اصلاحی

عرض ناشر

اس حقیقت سے انکار ہرگز نہیں کیا جاسکتا کہ اللہ تعالیٰ نے 'آسان فقہ' کو غیر معمولی مقبولیت عطا فرمائی، اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اس کتاب کی بے پناہ پذیرائی اور خاص و عام میں اس کی یہ مقبولیت اس بات کی دلیل ہے کہ اس کتاب کی تمام تر خصوصیات کے ساتھ ساتھ مصنف کی آسان زبان بھی ہے کہ ہر قاری اپنی زندگی کے کسی بھی گوشے سے متعلق اپنی فقہی پریشانیوں یا سوالات کا حل بہت آسانی کے ساتھ اس کتاب سے خود ہی تلاش کر لیتا ہے۔۔ شکر الحمد للہ۔

پچھلے چالیس سالوں میں اس کتاب کے بے شمار ایڈیشن شائع ہوئے اور انتہائی مقبول ہوئے۔ عرصہ دراز سے، ہم کوشاں تھے کہ 'آسان فقہ' کو اس کے شایانِ شان ڈیمائی سائز اور جدید اندازِ طباعت پر تیار کیا جائے ——— اللہ تعالیٰ نے توفیق بخشی، مگر ہر کام کا وقت مقرر ہے۔ کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ میں کافی وقت لگ گیا۔ بہر حال اب یہ کتاب اپنے موضوع کے شایانِ شان اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ اپنی تمام تر رعنائیاں سمیٹے آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

کتاب کی پروف ریڈنگ اور حوالہ جات کی صحیح کے لئے غیر معمولی احتیاط برتی گئی ہے لیکن پھر بھی قاری حضرات سے گذارش ہے کہ اگر تصحیح میں سہواً کوئی غلطی رہ گئی ہو تو ہمیں صفحہ نمبر کے حوالے کے ساتھ مطلع ضرور کریں تاکہ اگلے ایڈیشن میں اِس کو دُرست کیا جاسکے۔

ہمارے لئے دُعا ضرور کریں کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح ہم سے اپنا کام لیتا رہے اور ہماری اس کوشش کو شرف قبول بخشے۔ آمین۔ شکریہ

سعید اختر خاں یوسفی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتابُ الزّکوٰۃ

زکوٰۃ کا بیان

نماز اور زکوٰۃ، دراصل پورے دین کی ترجمانی کرنے والی دو اہم عبادتیں ہیں۔ بدنی عبادات میں نماز پورے دین کی نمائندگی کرتی ہے اور مالی عبادات میں زکوٰۃ پورے دین کی نمائندگی کرتی ہے، بندے پر دین کی طرف سے جو حقوق عائد ہوتے ہیں ان کی دو ہی قسمیں ہیں، خدا کے حقوق اور بندوں کے حقوق، نماز بندے کو خدا کے حقوق ادا کرنے کے لئے تیار کرتی ہے اور زکوٰۃ بندگانِ خدا کے حقوق ادا کرنے کا گہرا شعور پیدا کرتی ہے، اور ان دونوں حقوق کو ٹھیک ٹھیک ادا کرنے ہی کا نام اسلام ہے۔

زکوٰۃ کی حیثیت اور مرتبہ

زکوٰۃ اسلام کا تیسرا عظیم رُکن ہے، دین میں نماز کے بعد زکوٰۃ ہی کا مرتبہ ہے، چنانچہ قرآن پاک میں جگہ جگہ ایمان کے بعد نماز کا اور نماز کے بعد زکوٰۃ کا ذکر کیا گیا ہے جس سے ایک طرف تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ دین میں نماز اور زکوٰۃ کی حیثیت اور مقام کیا ہے۔ دوسری طرف یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ نماز کے بعد زکوٰۃ ہی کا مرتبہ ہے، اور یہی حقیقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے بھی واضح ہوتی ہے :-

''حضرتؒ عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذؓ بن جبلؓ کو یمن کی جانب رُخصت کرتے ہوئے وصیت فرمائی کہ تم وہاں اُن لوگوں میں پہنچ رہے ہو، جن کو کتاب دی گئی تھی، تم ان کو سب سے پہلے شہادتِ ایمان کی دعوت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود

نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسولؐ ہیں، جب وہ اس حقیقت کا اعتراف کرلیں تو ان کو بتاؤ کہ اللہ نے اُن پر شب وروز میں پانچ وقت کی نمازیں فرض کی ہیں، جب وہ اس کو بھی مان لیں تو انھیں بتاؤ کہ اللہ نے ان پر صدقہ (زکوٰۃ) فرض فرمایا ہے جو اُن کے خوش حال افراد سے وصول کیا جائے گا اور ان کے نادار اور حاجت مند افراد میں تقسیم کیا جائے گا۔ جب وہ اس بات کو بھی تسلیم کرلیں تو زکوٰۃ وصول کرنے میں ان کے اچھے اچھے مال چھانٹ کر نہ لینا اور مظلوم کی بددُعا سے بچے رہنا، کیونکہ خدا اور مظلوم کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا۔'' [۱]

زکوٰۃ کے معنیٰ

زکوٰۃ کے لغوی معنیٰ ہیں پاک ہونا، بڑھنا، نشو ونما پانا اور ''اصطلاحِ فقہ'' میں زکوٰۃ سے مراد یہ مالی عبادت ہے کہ ہر صاحبِ نصاب مسلمان اپنے مال میں سے شریعت کی مقرر کی ہوئی مقدار ان لوگوں کے لئے نکالے جو شریعت کی نظر میں زکوٰۃ لینے کے مستحق ہیں۔

زکوٰۃ ادا کرنے سے مال پاک وطاہر ہو جاتا ہے اور اللہ اپنے فضل سے اس میں خیر و برکت عطا فرماتا ہے، اور آخرت میں بھی اتنا اجر وانعام دیتا ہے جس کا انسان تصوّر نہیں کرسکتا، اسی لئے اس عبادت کو زکوٰۃ یعنی پاک کرنے اور بڑھانے والا عمل کہتے ہیں۔

زکوٰۃ کی حقیقت

خدا کی خوشنودی کے لئے جب مومن اپنا محبوب اور دل پسند مال خدا کی راہ میں خوشی خوشی خرچ کرتا ہے تو اس سے مومن کے دل میں ایک نور اور جِلا پیدا ہوتی ہے، مادّی کثافتیں اور دُنیوی محبتیں ختم ہوتی ہیں، اور قلب ورُوح میں ایک تازگی، لطافت، پاکیزگی اور محبتِ الٰہی کے جذبات پیدا ہوتے اور بڑھتے ہیں زکوٰۃ ادا کرنا خود محبتِ الٰہی کا ثبوت بھی ہے اور محبتِ الٰہی کے پروان

---

[۱] مسلم

چڑھانے کا مؤثّر اور مستند ذریعہ بھی۔

زکوٰۃ کی حقیقت محض یہی نہیں ہے کہ وہ ناداروں کی کفالت اور دولت کی صحیح تقسیم کی ایک تدبیر ہے بلکہ وہ خدا کی فرض کی ہوئی ایک اہم عبادت ہے جس کے بغیر نہ آدمی کے قلب و رُوح کا تزکیہ ممکن ہے اور نہ وہ خدا کا مخلص اور محسن بندہ ہی بن سکتا ہے، زکوٰۃ دراصل خدا کی بے پایاں نعمتوں پر شکر کا اظہار ہے، قانونی زکوٰۃ تو بلاشبہ یہی ہے کہ جب خوش حال آدمی کے مال پر ایک سال گزر جائے تو وہ اپنے مال میں سے ایک مقرر حصہ مستحقین کے لئے نکال لے، لیکن زکوٰۃ کی حقیقت محض یہی نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ اس عمل کے ذریعے مومن کے دل سے دُنیا کی تمام مادّی محبتیں نکال کر اپنی محبت بٹھانا چاہتا ہے، اور یہ تربیت دینا چاہتا ہے کہ مومن خدا کی راہ میں اپنا مال، اپنی جان اور اپنی تمام قوتیں اور صلاحیتیں، قربان کر کے رُوحانی سُرور محسوس کرے، اور سب کچھ خدا کی راہ میں دے کر شکر کے جذبات سے سرشار ہو، کہ خدا نے اپنے فضل و کرم سے اپنی راہ میں جان و مال قربان کرنے کی توفیق دی۔ اسی لئے شریعت نے زکوٰۃ کی ایک قانونی حد مقرر کر کے بتا دیا کہ اتنا خرچ کرنا تو ہر مسلمان کے لئے ناگزیر ہے، اتنا خرچ کئے بغیر تو ایمان ہی مشتبہ ہے، لیکن ساتھ ہی پوری قوت کے ساتھ یہ ترغیب بھی دی کہ مومن اسی کم سے کم مقدار پر اکتفا نہ کرے بلکہ زیادہ سے زیادہ خدا کی راہ میں صرف کرنے کی عادت ڈالے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام ؓ کی زندگیوں سے بھی یہی حقیقت سامنے آتی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُس نے آپ ؐ سے سوال کیا۔ اس وقت آپ ؐ کے پاس اتنی بکریاں تھیں کہ دو پہاڑوں کے درمیان کی پوری وادی ان سے بھری ہوئی تھی۔ آپ ؐ نے وہ ساری بکریاں اس سائل کے حوالے کر دیں۔ جب وہ شخص اپنے لوگوں میں واپس پہنچا تو اس نے اپنی قوم کے لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا: ''لوگو! مسلمان ہو جاؤ! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو اتنا دیتے ہیں کہ انہیں اپنے مفلس ہونے کا ذرا خوف نہیں ہوتا''[1]

---

[1] کشف المحجوب چھٹا کشف الحجاب

ایک بار حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے دروازے پر ایک سائل آیا اور بولا:-

اے پیغمبر کے بیٹے! مجھے چار سو درہم کی ضرورت ہے، آپ نے اسی وقت گھر سے چار سو درہم منگوائے اور سائل کے حوالے کر دئے اور رونے لگے۔ لوگوں نے رونے کی وجہ دریافت کی تو فرمایا۔ ''روتا اس لئے ہوں کہ میں نے اس شخص کے سوال کرنے سے پہلے ہی اس کو یہ رقم کیوں نہ دے دی کہ اس کو سوال کرنا پڑا۔ یہ نوبت ہی کیوں آئی کہ یہ شخص میرے پاس آئے اور دستِ سوال دراز کرے۔''[1]

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ ایک بار بکری ذبح ہوئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو پوچھا کہ بکری کے گوشت میں سے کچھ باقی رہ گیا۔ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا صرف اس کی ایک دست باقی رہ گئی ہے۔ (باقی سب تقسیم کر دیا گیا) ارشاد فرمایا نہیں بلکہ اس دست کے علاوہ جو کچھ تقسیم کر دیا گیا ہے وہی درحقیقت باقی رہا ہے۔[2] (اور آخرت میں اسی کا اجر متوقع ہے)

حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا ''خدا کے بھروسے پر فراخ دستی سے اس کی راہ میں خرچ کرتی رہو اور گنتی شمار کے چکر میں مت پڑو۔ اگر تم اُس کی راہ میں گِن گِن کر دوگی تو پھر وہ بھی تمہیں گِن گِن کر ہی دے گا۔ اور دولت کو سینت سینت کر نہ رکھو ورنہ خدا بھی تمہارے ساتھ یہی معاملہ کرے گا (اور تم پر بے حساب دولت نہیں انڈیلے گا) لہٰذا جہاں تک ہمت باندھ سکو، کشادہ دستی کے ساتھ خدا کی راہ میں خرچ کرو۔''[3]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''خدا تعالیٰ اپنے ہر بندے سے کہتا ہے۔'' ''اے آدمؑ کے فرزند! میری راہ میں خرچ کئے جا، میں تجھے (اپنے اتھاہ خزانے میں سے) دیتا رہوں گا۔''[4]

حضرت ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر

---

[1] کشف المحجوب [2] جامع ترمذی [3] صحیح بخاری، صحیح مسلم، [4] صحیح بخاری، صحیح مسلم

ہوا، آپؐ اس وقت کعبے کے زیرِ سایہ آرام فرما تھے، مجھے دیکھا تو فرمایا ربِّ کعبہ کی قسم وہی لوگ بڑے گھاٹے میں ہیں، میں نے پوچھا، میرے ماں باپ آپ پر قربان بتائیے وہ کون لوگ ہیں، جو زبردست گھاٹے میں ہیں؟ ارشاد فرمایا۔ وہ لوگ جو بڑے سرمایہ دار اور خوش حال ہیں، ہاں ان میں سے وہی گھاٹے اور خسارے سے محفوظ ہیں جو کشادہ دلی کے ساتھ آگے پیچھے، دائیں بائیں اپنی دولت راہِ خدا میں صرف کر رہے ہیں مگر دولت مندوں میں ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں''۔ [1]

نظامِ زکوٰۃ کا مقصد

زکوٰۃ کا نظام دراصل مومن کے دل سے حُبِ دُنیا اور اس جڑ سے پیدا ہونے والے سارے جھاڑ جھنکاڑ صاف کر کے خالص خدا کی محبت پیدا کرنا چاہتا ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب بندۂ مومن محض زکوٰۃ ادا کرنے ہی پر قناعت نہ کرے بلکہ زکوٰۃ کی اس رُوح کو جذب کرنے کی کوشش کرے، کہ ہمارے پاس جو کچھ ہے، خدا ہی کا ہے، اور اس کو اسی کی راہ میں قربان کر کے ہم اس کی خوشنودی حاصل کر سکتے ہیں، زکوٰۃ کی اس رُوح اور مقصد کو جذب کئے بغیر نہ تو کوئی بندہ خدا کے بندوں سے محض خدا کے لئے محبت کر سکتا ہے اور نہ خدا کے حقوق پہچاننے اور ادا کرنے میں اتنا حساس اور فراخ دست ہو سکتا ہے۔

زکوٰۃ کا نظام دراصل پورے اسلامی سماج کو بخل، تنگ دلی، خود غرضی، بغض، حسد، سنگ دلی، اور استحصال جیسے رکیک جذبات سے پاک کر کے اس میں محبت، ہمدردی، ایثار، احسان، خلوص، خیر خواہی، تعاون، مواسات اور رفاقت کے اعلیٰ اور پاکیزہ جذبات پیدا کرتا اور پروان چڑھاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ زکوٰۃ ہمیشہ ہر نبی کی اُمت پر فرض رہی ہے، اس کی مقدار، نصاب اور فقہی احکام میں ضرور فرق رہا ہے لیکن زکوٰۃ کا حکم بہر حال ہر شریعت میں موجود رہا ہے۔

---

[1] صحیح بخاری، صحیح مسلم

زکوٰۃ پچھلی شریعتوں میں

زکوٰۃ کی اس حقیقت اور رُوح پر غور کیجئے تو معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ مومن کے لئے ایک ناگزیر عمل ہے، ایک لازمی صفت ہے، اور یہی وجہ ہے کہ ہر نبی کی شریعت میں یہ حکم موجود رہا ہے۔

قرآن کی شہادت ہے کہ زکوٰۃ تمام انبیاء کی اُمتوں پر اسی طرح فرض رہی ہے جس طرح نماز فرض رہی ہے، سورۂ انبیاء میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کا واقعہ بیان کرنے کہ بعد تفصیل کے ساتھ وہ فکر انگیز مکالمہ نقل کیا گیا ہے جو حضرت ابراہیمؑ اور ان کی قوم کے درمیان ہوا تھا۔ پھر اسی ضمن میں حضرت لوطؑ، حضرت اسحٰقؑ اور حضرت یعقوب علیہم السّلام کا ذکر کیا گیا ہے اور اس کے بعد فرمایا گیا ہے:

وَجَعَلْنَاهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ وَكَانُوْا لَنَا عَابِدِيْنَ ۝ (انبیاء آیت ۷۳)

اور ہم نے ان سب کو پیشوا بنایا جو ہماری ہدایت کے تحت رہنمائی کا فرض انجام دیتے تھے۔ اور ہم نے اُن کو وحی کے ذریعے نیک کام کرنے، نماز کا اہتمام کرنے اور زکوٰۃ دینے کی ہدایت کی اور یہ سب ہمارے عبادت گزار بندے تھے۔

قرآن میں متعدّد مقامات پر اُس عہد و میثاق کا ذکر کیا گیا ہے جو یہود سے لیا گیا تھا، اسکی اہم دفعات میں سے ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ وہ نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْ اِسْرَآئِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ۔۔ (سورہ بقرہ آیت ۸۳)

اور یاد کرو! بنی اسرائیل سے ہم نے پختہ عہد لیا تھا کہ اللہ کے سوا تم کسی کی بندگی نہ کرنا، اور ماں

باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا اور رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ بھی نیک سلوک کرنا اور لوگوں سے بھلی بات کہنا اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا۔

ایک دوسرے مقام پر بنی اسرائیل ہی سے اللہ تعالیٰ نے کہا ہے:

وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّیۡ مَعَكُمۡ لَئِنۡ اَقَمۡتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيۡتُمُ الزَّكٰوةَ۔ (المائدہ آیت ۱۲)

''اور اللہ نے (بنی اسرائیل سے) کہا، میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز قائم کرتے رہے اور زکوٰۃ دیتے رہے۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِّ امجد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی تعریف کرتے ہوئے قرآنِ حکیم نے صراحت کی ہے کہ وہ اپنے متعلقین کو تاکید کیا کرتے تھے کہ نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔

وَكَانَ يَاۡمُرُ اَهۡلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنۡدَ رَبِّهٖ مَرۡضِيًّا ○ (سورۃ مریم آیت ۵۵)

''اور اسمٰعیلؑ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کی تاکید کیا کرتے تھے اور وہ اپنے رب کے نزدیک بڑے ہی پسندیدہ انسان تھے''۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنا تعارف کراتے ہوئے منصبِ نبوت پر اپنے مامور ہونے کا مقصد ہی یہ بتایا ہے کہ خدا نے مجھے، تا زیست نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کی ہدایت اور وصیت کی ہے۔

وَاَوۡصٰنِیۡ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمۡتُ حَيًّا۔ (سورہ مریم آیت ۳۱)

''اور اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ نماز قائم کروں اور زکوٰۃ ادا کرتا رہوں جب تک زندہ رہوں''

زکوٰۃ کی عظمت واہمیت

اسلام میں زکوٰۃ کی غیر معمولی عظمت واہمیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ قرآن پاک میں کم از کم بتیس[۳۲] مقامات پر نماز اور زکوٰۃ کا ساتھ ساتھ ذکر کیا گیا ہے، اور ایمان کے بعد اولین مطالبہ نماز اور زکوٰۃ ہی کا ہے، درحقیقت اِن دو عبادتوں پر کاربند ہونا، پورے دین پر کاربند ہونا ہے،

جو بندہ خدا کے حضور مسجد میں بندگی کے انتہائی گہرے جذبات کے ساتھ اپنے جسم و رُوح کو خدا کے حضور ڈال دے وہ مسجد کے باہر خدا کے حقوق سے کیوں کر غفلت برت سکتا ہے اسی طرح جو شخص اپنا محبوب مال ومتاع خدا کی رضا کے لئے خدا کی راہ میں خوشی خوشی لٹا کر سکون وطمانیت محسوس کرے وہ بندوں کے دوسرے حقوق کیوں کر پامال کرسکتا ہے، اور اسلام دراصل خدا اور بندوں کے حقوق ہی سے عبارت ہے، اسی لئے قرآن نے نماز اور زکوٰۃ کو اسلام کی پہچان اور دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کی شہادت قرار دیا ہے، سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین سے برأت اور بیزاری کا اظہار فرمانے کے بعد مسلمانوں کو یہ ہدایت بھی دی ہے کہ اگر یہ کفر وشرک سے توبہ کر کے نماز اور زکوٰۃ پر کاربند ہو جائیں تو یہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور اسلامی سوسائٹی میں ان کا وہی مقام ہے جو دوسرے مسلمانوں کا ہے۔

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ فَاِخْوَانُکُمْ فِی الدِّیْنِ ط (سورہ توبہ آیت ۱۱)

پھر اگر یہ (کفر وشرک) سے توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو یہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔

یہ آیت بتاتی ہے کہ نماز اور زکوٰۃ ایمان واسلام کی واضح علامت اور قطعی شہادت ہے اور اسی لئے قرآن نے زکوٰۃ نہ دینا مشرکوں کا وصف اور عمل قرار دیا ہے اور ایسے لوگوں کو آخرت کا منکر اور ایمان سے محروم بتایا ہے۔

وَوَیْلٌ لِّلْمُشْرِکِیْنَ ۙ الَّذِیْنَ لَا یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ کٰفِرُوْنَ ۝ (الم سجدہ۔ ۶، ۷)

اور تباہی ہے اُن مشرکوں کے لئے جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور یہی لوگ ہیں جو آخرت کے منکر ہیں۔

خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں جب کچھ لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا، تو آپ نے اُن کو اسلام سے خروج اور ارتداد کے ہم معنی سمجھا اور اعلان فرمایا، کہ یہ لوگ دورِ رسالت میں جو زکوٰۃ دیتے تھے اگر اس میں سے بکری کا ایک بچہ بھی روکیں گے تو میں ان کے خلاف جہاد کروں گا۔ حضرت عمرؓ نے صدیقِ اکبرؓ کو ٹوکا اور فرمایا۔ آپ ان لوگوں

سے بھلا کیوں کر جہاد کر سکتے ہیں جو کلمہ کے قائل ہیں، حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''جو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہہ دے، تو اس کا جان و مال میری طرف سے محفوظ و مامون ہو گیا۔''

حضرت صدیقِ اکبرؓ نے یہ سن کر اپنے آہنی عزم کا اظہار اِن الفاظ میں فرمایا:

وَاللّٰہِ لَأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَیْنَ الصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ [1]

خدا کی قسم جو لوگ نماز اور زکوٰۃ کے درمیان تفریق کریں گے میں اُن لوگوں کے خلاف لازماً جہاد کروں گا''۔

نماز اور زکوٰۃ دین کے دو بنیادی ارکان ہیں، ان کا انکار یا ان میں تفریق کرنا دراصل خدا کے دین سے انحراف وارتداد ہے، اور مومن کا کام یہی ہے کہ وہ مرتد کے خلاف جہاد کرے۔

''حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا ارشاد ہے ''ہم کو نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم دیا گیا ہے اور جو شخص زکوٰۃ نہ دے، اس کی نماز بھی نہیں ہے۔'' [2]

قرآن پاک میں ان لوگوں کو ہدایت سے محروم قرار دیا گیا ہے جو زکوٰۃ سے غافل ہیں۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ (البقرہ آیت ۲،۳)

''ہدایت ہے اُن متقیوں کے لئے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔''

یعنی قرآن انہی لوگوں کے لئے ہدایت بنتا ہے جو ان اعمال پر کاربند ہوتے ہیں اور جو ان اعمال سے محروم ہوتے ہیں وہ کتابِ الٰہی سے ہدایت نہیں پاتے۔ اور قرآن کی نظر میں فی الواقع سچے مومن وہی ہیں جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا (سورۃ الانفال ۳،۴)

---

[1] طبرانی [2] طبرانی

وہ جو نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں حقیقت میں یہی سچے مومن ہیں۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کی عظمت واہمیت بتاتے ہوئے فرمایا ہے:

''سخی آدمی خدا سے قریب ہے، جنت سے قریب ہے، بندگانِ خدا سے قریب ہے، اور جہنم سے دُور ہے، اور بخیل آدمی خدا سے دُور ہے، جنت سے دُور ہے، بندگانِ خدا سے دُور ہے اور جہنم سے قریب ہے، اور یہ حقیقت ہے کہ ایک جاہل سخی، ایک عابد بخیل کے مقابلے میں خدا کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔''[1]

زکوٰۃ سے غفلت کا ہولناک انجام

زکوٰۃ کی اس غیر معمولی اہمیت کی وجہ سے قرآنِ حکیم نے زکوٰۃ نہ دینے والوں کو انتہائی دردناک سزاؤں اور لرزہ خیز عذابوں کی خبر دے کر متنبہ کیا ہے کہ وہ فنا ہونے والے مال ومتاع کی بے جا محبت میں گرفتار ہو کر اپنی عاقبت خراب نہ کریں، اور اس عذاب سے بچیں جس کے تصور سے ہی رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔

وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْ ھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ o یَوْمَ یُحْمٰی عَلَیْھَا فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ فَتُکْوٰی بِھَا جِبَا ھُھُمْ وَجُنُوْبُھُمْ وَظُھُوْرُھُمْ ھٰذَا مَا کَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ فَذُوْقُوْا مَا کُنْتُمْ تَکْنِزُوْنَ o (سورۂ توبہ آیت ۳۴، ۳۵)

اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور خدا کی راہ میں اس کو خرچ نہیں کرتے، تو انہیں دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دو۔ ایک دن آئے گا کہ اسی سونا اور چاندی پر جہنم کی آگ دہکائی جائے گی اور پھر اسی سے ان لوگوں کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا (اور کہا جائے گا) یہ ہے وہ

[1] جامع ترمذی

خزانہ جو تم نے اپنے لئے جمع کر رکھا تھا، لو اب اپنی سمیٹی ہوئی دولت کا مزہ چکھو۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے دریافت کیا گیا کہ اس آیت میں ''کنز،، کا جو لفظ استعمال ہوا ہے اس سے کیا مُراد ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا ''کنز،، سے مُراد وہ مال ہے جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی گئی ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ نہ دینے والوں کو متنبہ کرنے کے لئے آخرت کے لرزہ خیز عذاب کی تصویر اس طرح کھینچی ہے:

''جس آدمی کو خدا نے مال و دولت سے نوزا، پھر اُس شخص نے اُس مال کی زکوٰۃ نہیں دی، تو اس مال کو قیامت کے روز انتہائی زہریلے ناگ کی شکل دیدی جائے گی۔ زہر کی شدت کے باعث اس کا سر گنجا ہوگا اور اس کی آنکھوں پر دو سیاہ نقطے ہوں گے۔ قیامت کے روز وہ ناگ اس (زر پرست بخیل) کے گلے میں لپٹ جائے گا اور اس کے دونوں جبڑوں میں اپنے زہریلے دانت گاڑ کر کہے گا، میں تیرا مال ہوں، میں تیرا جمع کیا ہوا خزانہ ہوں ——— اور پھر آپؐ نے قرآن پاک کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَیْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ (سورہ آل عمران ۱۸۰)

جن لوگوں کو اللہ نے اپنے فضل سے مال و دولت سے نوازا ہے اور وہ بخل سے کام لیتے ہیں، اس خیال میں نہ رہیں کہ یہ بخل اور زر پرستی ان کے حق میں بہتر ہے، یہ زر پرستی ان کے لئے نہایت ہی بری ہے۔ وہ اپنی کنجوسی سے جو کچھ جمع کر رہے ہیں وہی قیامت کے روز ان کے گلے میں طوق بنا کر پہنایا جائے گا۔

نیز آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو خطاب کرتے ہوئے زکوٰۃ سے غفلت کے عبرتناک انجام سے بچنے کی تلقین فرمائی:

''تم میں سے کوئی شخص قیامت کے روز اس حال میں میرے پاس نہ آئے کہ اس کی بکری اس کی گردن پر لدی ہوئی ہو، اور وہ مجھے حمایت کے لئے پکارے اور میں اس سے کہوں کہ

میں آج تمہارے لئے کچھ نہیں کرسکتا، میں نے تم کو خدا کے احکام پہنچا دیئے تھے۔ اور دیکھو اُس روز کوئی اپنا اونٹ اپنی گردن پر لادے ہوئے میرے پاس نہ آئے، وہ مجھے مدد کے لئے پکارے اور میں کہوں کہ میں تمہارے لئے کچھ بھی نہیں کرسکتا، میں نے تو خدا کے احکام تم کو پہنچا دیئے تھے،،[1]

ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو خواتین کو دیکھا کہ وہ اپنے ہاتھوں میں سونے کے کنگن پہنے ہوئے ہیں۔ آپؐ نے دریافت فرمایا تم ان کی زکوٰۃ بھی ادا کرتی ہو یا نہیں، خواتین نے کہا نہیں، آپؐ نے فرمایا ''تو کیا تمہیں یہ منظور ہے کہ اس کے بدلے تم کو آگ کے کنگن پہنائے جائیں۔'' خواتین نے کہا ''ہرگز نہیں'' تو آپؐ نے ہدایت فرمائی کہ ''ان کی زکوٰۃ دیا کرو،،[2]

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور فرمایا:

''لوگو! حرص اور لالچ سے دُور رہو، تم سے پہلے جو لوگ تباہ و برباد ہوئے اسی حرص اور لالچ کی بدولت ہوئے۔ حرص نے ان میں بخل اور تنگ دلی پیدا کی، اور بخیل اور زر پرست ہوگئے اور اسی نے ان کو قطعِ رحم پر اُبھارا اور انہوں نے قطعِ رحم کا جرم کیا اور اسی نے ان کو بدکاریوں پر آمادہ کیا اور وہ بدکاری پر اُتر آئے۔،،[3]

قرآن وسنت کی ان تنبیہات ہی کا اثر تھا کہ صحابۂ کرامؓ زکوٰۃ وصدقات کا انتہائی اہتمام فرماتے، اور بعض کے احساسات تو اس معاملے میں اتنے شدید تھے کہ وہ ضرورت سے زائد ایک پیسہ بھی اپنے پاس رکھنا حرام سمجھتے تھے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تو یہ مستقل عادت ہوگئی تھی کہ جہاں کچھ لوگوں کو دیکھتے، ان کو زکوٰۃ کی طرف ضرور متوجہ کرتے۔

زکوٰۃ کی تاکید وترغیب

زکوٰۃ کی غیر معمولی اہمیت وعظمت کے پیشِ نظر قرآنِ پاک میں بیاسی ۸۲ مقامات پر اس

---

[1] بخاری　[2] جامع ترمذی　[3] ابوداؤد

کا تاکیدی حکم دیا گیا ہے اور بالعموم نماز اور زکوٰۃ کا حکم ساتھ ساتھ دیا گیا ہے۔

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکوٰۃَ — اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔

نیز قرآن وسنت میں اس کے زبردست دینی اور دُنیاوی فوائد بتا کر طرح طرح سے ترغیب دی گئی ہے، قرآن میں زکوٰۃ کا عظیم اجر وثواب ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کَمَثَلِ حَبَّۃٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ کُلِّ سُنْبُلَۃٍ مِّائَۃُ حَبَّۃٍ ط وَاللّٰہُ یُضَاعِفُ لِمَنْ یَّشَاءُ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ o

(سورۃ البقرہ آیت ۲۶۱)

”جو لوگ اپنے اموال خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کے خرچ کرنے کی مثال ایسی ہے، کہ جیسے ایک دانہ بویا جائے، اور اس سے سات بالیاں نکلیں اور ہر ہر بالی میں سو سو دانے ہوں، اسی طرح اللہ جس عمل کو چاہتا ہے بڑھاتا ہے وہ فراخ دست اور علیم ہے،،

کسان اپنی جھولی کے دانے خدا کی زمین کے حوالے کر کے اُس سے آس لگاتا ہے اور بارانِ رحمت کے لئے دُعائیں کرتا ہے تو پروردگار اُس کو ایک ایک دانے کے بدلے سیکڑوں دانے عطا فرما کر اس کا کھلیان بھر دیتا ہے۔ اس ایمان افروز تجربے کو تمثیل بنا کر خدا یہ ذہن نشین کراتا ہے کہ بندہ خدا کی خوشنودی کے لئے خدا کی راہ میں جو کچھ بھی خرچ کرے گا، خدا اس کو اتنا بڑھائے گا کہ ایک ایک دانے کے عوض سات سو دانے عنایت فرمائے گا، بلکہ وہ تو بڑا ہی فراخ دست اور علیم ہے اس کی نگاہِ قدر شناس بندے کے گہرے خلوص اور جذبے پر رہتی ہے اور وہ اتنا کچھ عطا فرماتا ہے، جس کا بندہ تصور بھی نہیں کر سکتا ہے، پھر یہ انعام واکرام آخرت ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ دُنیا میں بھی خدا ایسی سوسائٹی کو خیر وبرکت، خوش حالی اور ترقی سے مالا مال کر دیتا ہے:

وَمَا اٰتَیْتُمْ مِنْ زَکوٰۃٍ تُرِیْدُوْنَ وَجْہَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُضْعِفُوْنَ o

(سورۃ الروم آیت ۳۹)

اور جو زکوٰۃ تم خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے دیتے ہو اسی کے دینے والے درحقیقت

اپنے مال بڑھاتے ہیں۔

دراصل زکوٰۃ وصدقہ وہی لوگ ادا کرتے ہیں جو عالی ظرف، فراخ حوصلہ، فیاض، ایک دوسرے کے ہمدرد اور خیر خواہ ہوں اور زکوٰۃ وصدقہ ہی ان صفات کو بڑھانے اور پروان چڑھانے کا بھی ذریعہ ہے، دُنیا میں خیر و برکت، سکون واطمینان، خوشحالی، اور ترقی اسی معاشرے کا حصہ ہے جس کے افراد میں یہ اخلاقی اوصاف عام ہوں اور دولت چند خود غرض، سنگ دل بخیلوں میں ٹھٹھری ہوئی نہ ہو بلکہ پورے معاشرے میں اس کی مناسب تقسیم ہو، اور سب کو اپنی ہمت کے مطابق کمانے اور خرچ کرنے کی آزادی اور مواقع یکساں طور پر حاصل ہوں۔

حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''جو شخص پاک کمائی میں سے ایک کھجور بھی صدقہ کرتا ہے، اللہ اُس کو اپنے ہاتھ میں لے کر بڑھاتا ہے جس طرح تم اپنے بچے کی پرورش کرتے ہو یہاں تک کہ وہ ایک پہاڑ کی برابر ہو جاتا ہے۔ [1]

''اور آپ ہی کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدقہ دینے سے مال میں کمی نہیں آتی (بلکہ اضافہ ہوتا ہے) اور کسی کو معاف کر دینے سے آدمی سر بلند ہی ہوتا ہے (نیچا نہیں ہوتا) اور جو شخص محض اللہ کے لئے عاجزی اور فروتنی اختیار کرتا ہے، اللہ اس کو اونچا اٹھا دیتا ہے۔'' [2]

قرآن کی صراحت ہے کہ قلوب کو پاک کرنے، نیکیوں کی راہ پر بڑھنے، حکمت کی دولت سے مالا مال ہونے، خدا کی خوشنودی، مغفرت اور رحمت حاصل کرنے، آخرت میں ابدی سکون اور خدا کا قرب پانے والے وہی لوگ ہیں جو خوش دلی اور پابندی کے ساتھ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔

خُذْمِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا [3]

''اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے کر اُنہیں پاک کیجئے اور نیکی کی راہ میں اُنہیں آگے بڑھائیے۔''

اَلشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَغْفِرَةً

---

[1] صحیح بخاری [2] صحیح مسلم [3] سورۃ التوبہ آیت ۱۰۳

مِّنْهُ وَ فَضْلًا ط وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ o يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا o [1]

شیطان تمہیں فقر اور ناداری سے ڈراتا ہے اور شرمناک طرزِ عمل اختیار کرنیکی ترغیب دیتا ہے مگر اللہ تمہیں اپنی مغفرت اور فضل کی امید دلاتا ہے اللہ بڑا ہی فراخ دست اور علم والا ہے، جس کو چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے اور جس کو حکمت مل گئی درحقیقت اُس کو بہت بڑی دولت مل گئی۔

وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ط اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ o [2]

"اور وہ جو کچھ خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اُسے خدا کا تقرّب حاصل کرنے اور رسولؐ کی طرف سے رحمت کی دُعائیں لینے کا ذریعہ بناتے ہیں، سن رکھو! یہ ضرور ان کے لئے خدا کے تقرّب کا ذریعہ ہے اور خدا اُن کو ضرور اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا۔ بلاشبہ وہ بڑا ہی بخشنے والا اور بڑا ہی رحم فرمانے والا ہے۔

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى۔ (سورۂ لیل آیت ۱۷،۱۸)

اور جہنم کی آگ سے وہ شخص دُور رکھا جائے گا جو اللہ سے بہت زیادہ ڈرنے والا ہے جو دوسروں کو محض اس لئے اپنا مال دیتا ہے کہ اس کا دل بخل و حرص اور حبِ دُنیا سے پاک ہو جائے۔"

حضرت عدی بن حاتمؓ کہتے ہیں، میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے "لوگو! جہنم کی آگ سے بچو اگرچہ چھوہارے کا ایک ٹکڑا دے کر ہی سہی" [3]

حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قیامت کے روز جب عرشِ الٰہی کے سوا کہیں سایہ نہ ہوگا۔ سات قسم کے لوگ عرشِ الٰہی کے زیرِ سایہ ہوں گے ان میں سے ایک وہ شخص ہوگا، جو اس قدر راز داری کے ساتھ خدا کی راہ میں

---

[1] سورۃ البقرہ ۲۶۸، ۲۶۹ [2] سورۃ التوبہ آیت ۹۹ [3] صحیح بخاری

خرچ کرے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی معلوم نہ ہو کہ داہنا ہاتھ کیا خرچ کر رہا ہے،،[1]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب کوئی شخص صدقہ کا مال لے کر حاضر ہوا اور تو۔ انتہائی خوشی کا اظہار فرماتے اور لانے والے کے لئے رحمت کی دعا مانگتے۔ چنانچہ حضرت ابواوفیؓ اپنا صدقہ لئے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے ان کے حق میں یہ دعاء فرمائی : اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی اٰلِ اَبِیْ اَوْفٰی ،،[2]

یعنی اے اللہ! ابواوفٰی کے خاندان پر اپنی رحمت نازل فرما۔

ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز پڑھتے ہی گھر میں تشریف لے گئے اور کچھ دیر کے بعد باہر نکلے۔ صحابہ نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا:

سونے کی ایک ڈلی گھر میں رہ گئی تھی، میں نے مناسب نہ سمجھا کہ رات آجائے اور وہ گھر ہی میں رہے اس لئے میں اس کو مستحقین میں تقسیم کر آیا۔[3]

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''صدقہ اور خیرات کرنے سے خدا کا غضب ٹھنڈا ہوتا ہے اور بُری موت سے آدمی محفوظ رہتا ہے،، اور ظاہر ہے خدا کے غضب سے حفاظت اور خاتمہ بالخیر کے سوا مومن کا منتہائے آرزو کیا ہو سکتا ہے۔

زکوٰۃ کا حکم

ہر صاحبِ نصاب خوش حال مسلمان پر قطعی فرض ہے کہ اگر اس کے پاس بقدرِ نصاب مال سال بھر تک موجود رہے تو سال پورا ہونے پر وہ اس کی زکوٰۃ ادا کرے۔ زکوٰۃ فرضِ قطعی ہے، جو شخص اس کی فرضیت کا انکار کرے وہ کافر ہے اور جو شخص فرض ہونے کا انکار تو نہ کرے لیکن ادا نہ کرے تو وہ فاسق اور سخت گناہ گار ہے۔

---

[1] صحیح بخاری [2] صحیح بخاری [3] صحیح بخاری

زکوٰۃ اور ٹیکس میں بنیادی فرق

زکوٰۃ اس طرح کا کوئی ٹیکس نہیں ہے جو حکومتیں اپنی پبلک پر مقرر کرتی ہیں بلکہ یہ ایک مالی عبادت اور رُکنِ اسلام ہے۔ جس طرح نماز، روزہ اور حج اسلام کے رُکن ہیں، قرآن نے نماز کے ساتھ ساتھ بالعموم زکوٰۃ کا ذکر کیا ہے اور اسے اس خدائی دین کا اہم رُکن قرار دیا ہے جو ہر زمانے میں انبیاء کرامؑ کا دین رہا ہے۔

زکوٰۃ کے نظام سے نفسِ انسانی اور اسلامی سوسائٹی کو جو عظیم اخلاقی اور رُوحانی فوائد حاصل ہوتے ہیں وہ اسی صورت میں ممکن ہیں جب عبادت اور ٹیکس کے بنیادی فرق کو ذہن میں رکھا جائے، اور زکوٰۃ کو خدا کی عبادت سمجھ کر ادا کیا جائے۔

بے شک زکوٰۃ کی تحصیل اور تقسیم کا نظم شریعت نے اسلامی حکومت کے سپرد کیا ہے اور یہ نظم اس کے فرائض میں سے ہے لیکن اس لئے نہیں کہ یہ کوئی ٹیکس ہے بلکہ اسلام کے تمام اجتماعی عبادات میں نظم پیدا کرنا اسلامی حکومت کا فریضہ ہے۔

زکوٰۃ واجب ہونے کی شرطیں

زکوٰۃ واجب ہونے کے لئے سات شرطیں[1] ہیں

(۱) مسلمان ہونا (۲) مالکِ نصاب ہونا (۳) نصاب کا ضرورتِ اصلیہ سے زائد ہونا (۴) مقروض نہ ہونا (۵) مال پر پورا سال گزرنا (۶) عاقل ہونا (۷) بالغ ہونا۔

---

[1] علماء اہل حدیث کے نزدیک صرف پہلی پانچ شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے، اُن کے نزدیک، عاقل، بالغ ہونا، وجوب زکوۃ کے لئے ضروری نہیں اور ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن کا حکم "وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ" "اور زکوۃ ادا کرو" ہر مسلمان مرد اور عورت کے لئے عام ہے، نیز خدا کا ارشاد ہے۔ "خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا" اے نبیؐ! ان کے مالوں میں سے صدقہ وصول کر کے ان کو پاک کیجئے اور ان کا تزکیہ کیجئے"، تطہیر اور تزکیہ ہر مسلمان کی ضرورت ہے، لہذا ہر مسلمان مرد اور عورت پر زکوٰۃ فرض ہے چاہے وہ عاقل و بالغ ہو یا نہ ہو، علماء اہل حدیث کے علاوہ بعض دوسرے علماء بھی بعد کی دو شرطوں کو تسلیم نہیں کرتے یعنی زکوۃ واجب ہونے کے لئے عقل و بلوغ کو شرط قرار نہیں دیتے۔

شرائطِ وجوبِ زکوٰۃ کی وضاحت

(۱) مسلمان ہونا:- غیر مسلم پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، لہٰذا جو شخص اسلام قبول کرے۔ اس پر یہ واجب نہیں ہے کہ وہ اسلام سے پہلے کے ایام کی بھی زکوٰۃ ادا کرے۔

(۲) مالکِ نصاب ہونا:- یعنی اتنے مال و متاع کا مالک ہونا، جس پر شریعت نے زکوٰۃ واجب قرار دی ہے۔

(۳) بقدرِ نصاب ضرورتِ اصلیّہ سے زائد ہونا:- ضرورت اصلیّہ سے مُراد وہ بنیادی ضرورتیں ہیں، جن پر آدمی کی حیات اور عزت و آبرو کا دارومدار ہو، جیسے کھانا، پینا، لباس، رہنے کا مکان، پیشہ ور آدمی کے اوزار اور مشین وغیرہ، سواری کا گھوڑا، سائیکل، موٹر وغیرہ، گھرداری کا سامان، کتابیں جو مطالعے کے لئے ہوں، کاروبار کی غرض سے نہ ہوں یہ ساری ہی چیزیں ضرورتِ اصلیّہ میں شمار ہوں گی ان پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی ہاں ان سے زائد مال نصاب کے بقدر ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی جب کہ دوسری شرطیں بھی موجود ہوں۔

(۴) مقروض نہ ہونا:- کسی شخص کے پاس بقدرِ نصاب مال و متاع تو ہے لیکن اس پر دوسروں کا قرضہ بھی ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ ہاں اگر مال اتنا ہو کہ قرضہ ادا کرنے کے بعد بھی مال بقدرِ نصاب بچ جائے تو ایسے شخص پر زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔

(۵) مال پر پورا سال گزرنا:- بقدر نصاب مال و متاع ہو جانے ہی سے زکوۃ واجب نہیں ہو جاتی بلکہ اس پر پورا ایک سال گزرنے کے بعد زکوۃ واجب ہوتی ہے حضرت ابن عمرؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

"کسی شخص کو کسی بھی ذریعے سے مال حاصل ہو اس پر زکوٰۃ اسی وقت واجب ہوگی جب اس پر پورا سال گزر جائے"[1]

---

[1] جامع ترمذی

(۶) عاقل ہونا:۔ جو شخص عقل اور سمجھ سے محروم دیوانہ اور مجنون ہو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں۔

(۷) بالغ ہونا:۔ نابالغ بچے پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے چاہے اس کے پاس کتنا ہی مال ہو، نہ اس پر زکوٰۃ واجب ہے اور نہ اس کے ولی پر۔[1]

ادائے زکوٰۃ کے صحیح ہونے کی شرطیں

ادائے زکوٰۃ کے صحیح ہونے کی چھ شرطیں ہیں۔ یہ چھ شرطیں موجود ہوں تو زکوٰۃ ادا ہوگی ورنہ ادا نہ ہوگی۔

---

[1] نابالغ اور فاتر العقل کی زکوٰۃ پر گفتگو کرتے ہوئے علامہ مودودیؒ صاحب ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

"نابالغ بچوں کے بارے میں اختلاف ہے ایک مسلک یہ ہے کہ یتیم پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے دوسرا مسلک یہ ہے کہ یتیم کے سن رُشد کو پہنچنے پر اس کا ولی اس کا مال حوالے کرتے وقت اس کو زکوٰۃ کی تفصیل بتادے پھر یہ اس کا اپنا کام ہے کہ اپنے ایامِ یتیمی کی پوری زکوٰۃ ادا کرے تیسرا مسلک یہ ہے کہ یتیم کا مال اگر کسی کاروبار میں لگایا گیا ہے اور نفع دے رہا ہے تو اس کا ولی اس کی زکوٰۃ ادا کرے ورنہ نہیں، چوتھا مسلک یہ ہے کہ یتیم کے مال کی زکوٰۃ واجب ہے اور اس کا ادا کرنا اس کے ولی کے ذمے ہے، ہمارے نزدیک یہی چوتھا مسلک زیادہ صحیح ہے" حدیث میں آیا ہے:

اَلَا مَنْ وَلِیَ یَتِیمًا لَهُ مَالٌ فَلْیَتَّجِرْ لَهُ فِیهِ وَلَا یَتْرُكْهُ فَتَاْكُلَهُ الصَّدَقَةُ۔

(ترمذی، دار قطنی، بیہقی، کتاب الاموال لابی عبید)

خبردار! جو شخص کسی ایسے یتیم کا ولی ہو جو مال رکھتا ہو تو اسے چاہئے کہ اس کے مال سے کوئی کاروبار کرے اور اسے یونہی نہ رکھ چھوڑے کہ اس کا سارا مال زکوٰۃ کھا جائے۔

اس کے ہم معنیٰ ایک حدیث امام شافعیؒ نے مرسلاً اور ایک دوسری حدیث طبرانی اور ابوعبید سے مرفوعاً نقل کی ہے اور اس کی تائید صحابہ و تابعین کے متعدد آثار و اقوال سے ہوتی ہے جو حضرت عمر، حضرت عائشہ، حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت علی، حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے مجاہد، عطاء حسن بن یزید، مالک بن انس اور زہری رحمہم اللہ سے منقول ہیں۔

فاتر العقل لوگوں کے بارے میں بھی اسی نوعیت کا اختلاف ہے جو اوپر مذکور ہوا ہے اور اس میں بھی ہمارے نزدیک قولِ راجح یہی ہے کہ مجنون کے مال میں زکوٰۃ واجب ہے اور اس کا ادا کرنا مجنون کے ولی کے ذمے ہے امام مالکؒ اور ابن شہاب زہریؒ نے اسی رائے کی تصریح کی ہے۔ (رسائل مسائل حصہ دوم صفحہ ۱۲۱-۱۲۲)

(۱) مسلمان ہونا (۲) زکوٰۃ ادا کرنے کی نیت کرنا (۳) مالک بنانا
(۴) مقررہ مَدوں میں صرف کرنا (۵) عاقل ہونا (۶) بالغ ہونا۔

شرائط صحتِ زکوٰۃ کی وضاحت

(۱) مسلمان ہونا:- زکوٰۃ ادا ہونے کے لئے ضروری ہے کہ زکوٰۃ دینے والا مسلمان ہو، چونکہ غیر مسلم پر زکوٰۃ واجب ہی نہیں ہے اس لئے اگر کوئی غیر مسلم زکوٰۃ ادا کرے گا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ لہٰذا اسلام لانے سے پہلے اگر کسی نے آئندہ کی زکوٰۃ ادا کردی اور زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد اسلام قبول کیا تو اسلام لانے سے پہلے کی ادا کی ہوئی زکوٰۃ صحیح نہ ہوگی۔ مسلمان ہونے کے بعد دوبارہ زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔

(۲) زکوٰۃ ادا کرنے کی نیت کرنا:- زکوٰۃ نکالتے وقت یا مستحق کو دیتے وقت زکوٰۃ دینے کی نیت کرنا ضروری ہے اگر زکوٰۃ نکالتے وقت زکوٰۃ ادا کرنے کی نیت نہیں کی تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد اگر نیت کی تو زکوٰۃ ادا ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ مال مستحق کے پاس موجود ہو، اگر مستحق کے پاس سے مال صرف ہو چکا ہے تو اب نیت کا کوئی فائدہ نہ ہوگا اور زکوٰۃ دوبارہ ادا کرنا ہوگی۔

(۳) زکوٰۃ ادا کرتے وقت، زکوٰۃ لینے والے کو اس کا مالک بنانا:- چاہے کسی مستحقِ زکوٰۃ کو مالک بنائے یا زکوٰۃ کی تحصیل اور تقسیم کرنے والے ادارے کو مالک بنائے یا اسلامی حکومت کے قائم کردہ نظم کے حوالے کی جائے۔

(۴) مقررہ مَدوں میں صرف کرنا:- زکوٰۃ صَرف کرنے کی مَدیں قرآن نے بیان کردی ہیں ان کے علاوہ اگر کسی دوسری میں اگر زکوٰۃ کی رقم دی جائے گی تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

(۵) عاقل ہونا:- دیوانہ، مجنون اور فاتر العقل شخص زکوٰۃ ادا کرے تو زکوٰۃ صحیح نہ ہوگی۔

(۶) بالغ ہونا:- نابالغ بچہ زکوٰۃ ادا کرے تو زکوٰۃ صحیح نہ ہوگی۔

زکوٰۃ واجب ہونے کے چند مسائل

(۱) جو رقم ضرورتِ اصلیّہ کے لئے محفوظ رکھی گئی ہو، اگر یہ ضرورت اسی سال درپیش ہوتو اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، اور اگر یہ ضرورت آئندہ کبھی پیش آنے والی ہوتو زکوٰۃ واجب ہوگی۔[۱]

(۲) جس مال میں کوئی دوسرا حق، عشر، خراج وغیرہ واجب ہو اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ کیونکہ ایک مال پر دو حق واجب نہیں ہوتے۔[۲]

(۳) جو چیزیں کسی نے کسی کے پاس رہن رکھ دی ہوان پر بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہے نہ رہن کرنے والے پر اور نہ رہن رکھنے والے پر۔[۳]

(۴) کسی کا کوئی مال گم ہوگیا یا رقم کھوگئی پھر ایک مدت کے بعد خدا کے فضل سے وہ مال مل گیا، اور کھوئی ہوئی رقم دستیاب ہوگئی تو اس مدت کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، جس مدت میں مال کھویا ہوا تھا۔[۴]

(۵) کسی کے پاس سال کے شروع میں نصاب کے بقدر مال موجود تھا درمیان میں کچھ مدت کے لئے مال کم ہوگیا یا بالکل ہی نہیں رہا لیکن سال کے آخر میں پھر خدا کے فضل سے نصاب کے بقدر ہوگیا تو اس مال پر زکوٰۃ واجب ہوگی درمیان میں مال کم ہونے یا نہ ہونے کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔[۵]

(۶) گرفتار ہونے والے شخص کے مال پر بھی زکوٰۃ واجب ہے جو شخص بھی اس کے پیچھے اس کے کاروبار یا اس کے مال کا متولّی ہو وہ زکوٰۃ ادا کرے۔[۶]

(۷) مسافر کے مال پر بھی زکوٰۃ واجب ہے۔ اگر وہ صاحبِ نصاب ہو، بلاشبہ مسافر ہونے کی وجہ سے وہ زکوٰۃ لینے کا بھی مستحق ہے، لیکن چونکہ وہ غنی اور صاحبِ نصاب بھی ہے اس

---

۱ علم الفقہ چہارم ۲ علم الفقہ چہارم ۳ علم الفقہ چہارم ۴ اس لئے کہ زکوۃ کے وجوب کے لئے مال کا اپنے قبضہ اور اپنے ملک میں ہونا ضروری ہے ۵ علم الفقہ ۶ رسائل ومسائل حصہ دوم صفحہ ۱۲۲

لئے اس پر زکوٰۃ بھی واجب ہے اس کا سفر اسے زکوٰۃ کا مستحق بناتا ہے اور اس کا مالدار ہونا اس پر زکوٰۃ فرض کرتا ہے۔[1]

(۸) کسی نے کسی کو کوئی عطیہ دیا اگر بقدرِ نصاب ہو اور اُس پر سال گزر جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔[2]

(۹) گھر کا ساز و سامان، جیسے تانبے، پیتل، المونیم، اور اسٹیل وغیرہ کے برتن، پہننے اوڑھنے کے کپڑے، دری، فرش، فرنیچر وغیرہ سونے چاندی کے علاوہ کسی دوسری دھات کے زیور، سچے موتیوں کے ہار وغیرہ چاہے کتنے ہی قیمتی ہوں ان پر زکوٰۃ واجب نہیں۔[3]

(۱۰) کسی تقریب میں خرچ کرنے کے لئے کسی نے اچھی مقدار میں غلہ وغیرہ خرید لیا پھر نفع کی خاطر اس کو فروخت کر دیا تو اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی صرف اسی مال پر زکوٰۃ واجب ہوگی جو کاروبار کے ارادے سے خریدا ہو۔[4]

(۱۱) کسی کے پاس ہزار روپے نقد تھے، سال پورا ہونے پر اس میں سے پانچ سو روپے ضائع ہوگئے اور باقی رقم اس شخص نے خیرات کر دی تو صرف ضائع شدہ رقم کی زکوٰۃ واجب رہے گی۔ خیرات کردہ رقم کی زکوٰۃ ادا ہوگئی۔[5]

(۱۲) زکوٰۃ واجب ہونے کے بعد کسی کا مال و متاع ضائع ہوگیا۔ تو ایسے شخص پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔[6]

(۱۳) کسی کاروبار میں چند افراد شریک ہوں، اور سب کی رقم لگی ہوئی ہو اگر ہر شریک کا الگ الگ حصہ نصاب سے کم ہو تو کسی پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی چاہے ان سب کے حصوں کا مجموعہ بقدرِ نصاب یا اس سے زائد ہو۔[7]

(۱۴) کسی شخص نے رمضان میں =۲۰۰۰۰ بیس ہزار روپے کی زکوٰۃ ادا کی، اور باقی رقم اس کے

---

[1] [2] [3] [4] [5] [6] بہشتی زیور حصہ سوم [7] امام شافعیؒ اس صورت میں مجموعی رقم پر زکوٰۃ کے وجوب کے قائل ہیں۔ اگر کاروبار کی مجموعی رقم بقدر نصاب یا اس سے زائد ہے تو زکوٰۃ واجب ہوگی چاہے الگ الگ ہر شریک کا حصہ بقدر نصاب نہ ہو۔

پاس محفوظ ہے اب رجب کے مہینے میں اللہ کے فضل سے =/۲۰۰۰ دو ہزار اس کو مزید مل گئے تو اب سال پورا ہونے پر وہ اپنی ساری رقم کی زکوٰۃ ادا کرے، یہ نہ سوچے کہ =/۲۰۰۰ جو رجب میں ملے ہیں ان پر تو سال نہیں گزرا ہے، سال کے دوران جو رقم یا مال بھی بڑھے، چاہے کاروبار میں نفع کے ذریعے بڑھے یا چوپایوں کے بچے ہو جائیں یا کوئی مال عطیہ کر دے یا میراث میں مل جائے۔ غرض جس طرح بھی کوئی رقم یا مال ملے، سارے مال و متاع پر زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی، چاہے بعد میں ملنے والے مال پر ابھی پورا سال نہ گزرا ہو۔

زکوٰۃ ادا کرنے کے مسائل

(۱) زکوٰۃ ادا کرتے وقت یہ ضروری نہیں ہے کہ مستحق کو دیتے وقت جتایا جائے کہ یہ زکوٰۃ ہے، بلکہ انعام، یا بچوں کے لئے تحفہ اور عیدی کے طور پر دے دینا بھی جائز ہے، صرف یہ کافی ہے کہ زکوٰۃ دینے والا زکوٰۃ ادا کرنے کی نیت کر لے۔

(۲) مزدور کو کسی خدمت کے عوض میں یا ملازم اور خادم کو اُجرت میں زکوٰۃ دینا صحیح نہیں ہے البتہ بیت المال کی طرف سے جو لوگ زکوٰۃ وصول کرنے اور تقسیم کرنے پر مقرر ہوں ان کی تنخواہیں زکوٰۃ کے مال میں سے دی جا سکتی ہیں۔

(۳) سال پورا ہونے سے پہلے پیشگی زکوٰۃ ادا کر دینا جائز ہے۔ اور قسطوار ماہانہ ادا کرنا بھی جائز ہے، بشرطیکہ وہ شخص صاحبِ نصاب ہو۔

حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ حضرت عباسؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی زکوٰۃ پیشگی ادا کرنے کے بارے میں دریافت کیا تو آپؐ نے ان کو اجازت دے دی۔[1]

اور اگر کوئی اس توقع پر پیشگی زکوٰۃ دے رہا ہو، کہ آئندہ وہ صاحبِ نصاب ہونے والا ہے، تو ایسے شخص کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی جس وقت وہ صاحبِ نصاب ہوگا اور سال گزر جائے گا، اس کو پھر

---

[1] ابوداؤد، جامع ترمذی

زکوٰۃ دینا ہوگی۔[1]

(۴) زکوٰۃ میں درمیانی معیار کا مال ادا کرنا چاہئے نہ تو یہ صحیح ہے کہ زکوٰۃ دینے والا معمولی مال زکوٰۃ میں ادا کرے اور نہ یہ دُرست ہے کہ زکوٰۃ وصول کرنے والا اچھے سے اچھا مال وصول کرے، دینے والا بھی خدا کی راہ میں اچھا دینے کی کوشش کرے اور لینے والا بھی کسی پر زیادتی نہ کرے۔

(۵) زکوٰۃ ادا کرنے والے کو اختیار ہے چاہے وہ چیز ادا کرے جس پر زکوٰۃ واجب ہوئی ہے: مثلاً سونا، یا جانور یا اس کی قیمت ادا کرے ہر حال میں زکوٰۃ ادا ہوجائے گی ہاں یہ واضح رہے کہ قیمت ادا کرنے کی صورت میں اس وقت کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا جس وقت زکوٰۃ ادا کی جارہی ہے نہ کہ اس وقت کی قیمت جس وقت کہ زکوٰۃ واجب ہوئی ہے مثلاً ایک شخص کے یہاں بکریاں پلی ہوئی ہیں، سال گزرنے پر زکوٰۃ میں ایک بکری اس پر واجب ہوگئی جس کی قیمت زکوٰۃ واجب ہونے کے وقت (=/۵۰) پچاس روپے ہے، کسی وجہ سے اس وقت اس نے زکوٰۃ ادا نہیں کی چند ماہ بعد ادا کررہا ہے تو اس وقت بکری کی جو قیمت ہوگی وہی ادا کرنا ہوگی اگر قیمت بڑھ کر (=/۶۰) ساٹھ روپے ہوگئی ہے تو (=/۶۰) ساٹھ روپے ہی دینا ہوگی۔ اور اگر کم ہوکر (=/۴۰) چالیس روپے رہ گئی ہے تو چالیس روپے ہی دینا ہوں گے۔

(۶) زکوٰۃ اسلامی حکومت کے بیت المال میں جمع ہونی چاہئے۔ اور اسلامی حکومت کا یہ اہم فرض ہے کہ وہ زکوٰۃ کی تحصیل اور تقسیم کا انتظام کرے اور جہاں کہیں مسلمان اپنی شدید ترین غفلت کے باعث محکومی کی زندگی گزار رہے ہیں تو ایسی صورت میں ان کا فرض ہے کہ اپنے طور پر مسلمانوں کا بیت المال قائم کریں اور اس میں زکوٰۃ جمع کریں، اور بیت المال سے ہی زکوٰۃ اس کے متعین مصارف میں صرف کی جائے۔ اور جو اس اجتماعیت سے بھی محروم ہوں تو وہ اپنے طور پر مستحقین کو زکوٰۃ پہنچائیں اور مسلسل علمی اور عملی کوششیں کرتے رہیں کہ اسلامی نظام قائم ہو اس

---

[1] بہشتی زیور

لئے کہ اسلامی نظام کا قیام ملت کا فریضہ ہے، اور ساتھ ہی یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس کے بغیر اسلام کے بہت سے احکام وقوانین پر عمل ممکن بھی نہیں ہے۔

(۷) جو لوگ عارضی طور پر یا مستقل طور پر زکوٰۃ کے مستحق اور محتاج ہوں، مثلاً اپاہج، بیمار، ضعیف، نادار، مسکین، بیوائیں۔ ان کو وقتی طور پر بھی بیت المال سے مدد دی جاسکتی ہے اور مستقل طور بھی زکوٰۃ کی مدد سے ان کے گزارے اور وظیفے مقرر کئے جاسکتے ہیں۔

(۸) بیت المال سے زکوٰۃ منفرد مستحقین کو بھی دی جاسکتی ہے، اور اداروں کو بھی دی جاسکتی ہے اور خود بھی ایسے ادارے قائم کئے جاسکتے ہیں جو مصارفِ زکوٰۃ سے متعلق ہوں مثلاً، یتیم خانے محتاج خانے، اور ناداروں کے لئے تعلیمی ادارے اور شفاخانے وغیرہ۔

(۹) حاجت مند لوگوں کو زکوٰۃ کی مد سے قرضِ حسن دینا جائز ہے بلکہ ناداروں کو اونچا اُٹھانے اور ان کو اپنے پیروں پر کھڑا کرنے کی غرض سے قرضِ حسن دینا مستحسن ہے۔

(۱۰) جن رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، ان کو زکوٰۃ دینے کا دوگنا اجر ہے، ایک زکوٰۃ دینے کا اور دوسرے صلۂ رحمی کا۔ اور اگر یہ خیال ہو کہ عزیز اور رشتہ دار زکوٰۃ کی رقم لیتے ہوئے شرم محسوس کریں گے یا ضرورت مند ہونے کے باوجود بُرا مانیں گے اور نہ لیں گے، تو ان کو یہ نہ بتایا جائے کہ یہ زکوٰۃ کا مال ہے، اس لئے کہ زکوٰۃ ادا کرنے میں مستحق کو یہ بتانا شرط نہیں ہے کہ یہ زکوٰۃ ہے، بلکہ کسی تقریب میں تعاون کے طور پر، عیدی کے طور پر یا کسی اور طریقے سے ان کو وہ رقم پہنچادی جائے۔

(۱۱) بہتر یہ ہے کہ زکوٰۃ قمری مہینوں کے حساب سے ادا کی جائے لیکن یہ ضروری نہیں ہے، شمسی حساب سے بھی زکوٰۃ ادا کی جاسکتی ہے، قمری حساب سے زکوٰۃ کا وجوب کسی نص سے ثابت نہیں ہے۔ اور نہ یہ ضروری ہے کہ کسی خاص مہینے میں زکوٰۃ ادا کی جائے۔ البتہ رمضان المبارک چونکہ نیکیوں کی بہار کا مہینہ ہے، اور اس میں ہر عبادت کا اجر بہت زیادہ ہے، اس لئے اس ماہ میں دینا بہتر ہے، لیکن ایسا کرنا واجب نہیں ہے اور نہ یہ ادائے زکوٰۃ کی صحت کے لئے کوئی شرط ہے۔

(۱۲) عام حالات میں مناسب ہے کہ ایک علاقے کی زکوٰۃ اسی علاقے میں صرف کی جائے، البتہ دوسرے علاقوں میں کوئی شدید ضرورت پیش آجائے، یا زکوٰۃ دینے والے کے عزیز و اقارب دوسری جگہ رہتے ہوں اور حاجت مند ہوں، یا دوسرے مقام پر کوئی ناگہانی یا سماوی آفت نازل ہوگئی ہو تو ایسی صورت میں دوسرے علاقوں میں بھی زکوٰۃ کی رقم بھیجی جاسکتی ہے، البتہ یہ خیال رہے کہ اپنی بستی اور علاقے کے حاجت مند لوگ محروم نہ رہ جائیں۔

(۱۳) زکوٰۃ ادا ہونے کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ جس کو زکوٰۃ دی جائے اُس کو مالک اور قابض بنا دیا جائے۔ اگر کوئی شخص کھانا پکوا کر مستحقین کو گھر میں کھلا دے تو یہ زکوٰۃ صحیح نہ ہوگی۔ ہاں کھانا اُن کے حوالے کر کے اُن کو اختیار دے دیں کہ وہ خود کھائیں یا کسی کو کھلائیں یا جو چاہیں کریں تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، کسی ادارے یا بیت المال کو دے دینے سے بھی مالک بنانے کا تقاضا پورا ہو جاتا ہے، اسی طرح زکوٰۃ وصول کرنے والے کو زکوٰۃ دینے سے بھی تملیک کا تقاضا پورا ہو جاتا ہے، اس کے بعد پھر بیت المال یا زکوٰۃ وصول کرنے والا ادارہ ذمہ دار ہے، زکوٰۃ دینے والے کی یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ اب مستحقین کو پھر مالک بنائے۔

(۱۴) اگر کوئی شخص اپنے کسی رشتہ دار، دوست یا کسی کی طرف سے بھی بطورِ خود زکوٰۃ ادا کردے تو اس شخص کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی مثلاً شوہر اپنی بیوی کے زیور وغیرہ کی زکوٰۃ اپنے پاس سے ادا کردے تو بیوی کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ ایک موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ نے آپ کے مقرر کئے ہوئے محصّل حضرت عمرؓ کو زکوٰۃ نہیں دی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”ان کی زکوٰۃ میرے ذمہ ہے بلکہ اس سے زیادہ، عمر! تم سمجھتے نہیں کہ آدمی کا چچا اس کے لئے باپ کے برابر ہے۔“ (مسلم)

مسئلۂ تملیک

حنفی علماء کے نزدیک زکوٰۃ کی ادائیگی صحیح ہونے کے لئے تملیک ایک لازمی شرط ہے

دوسرے کو مالک بنائے بغیر زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، اس مسئلہ پر علامہ مودودی صاحبؒ نے ایک اہم وضاحتی نوٹ لکھا ہے، جو مسئلۂ تملیک کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے انتہائی مفید ہے، ذیل میں یہ بصیرت افروز نوٹ درج کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہ:

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ ....الخ

صدقات تو فقراء کے لئے ہیں اور مساکین کے لئے، اور ان لوگوں کے لئے جو ان پر کام کرنے والے ہیں اور ان کے لئے جن کی تالیفِ قلب مقصود ہو......الخ

دیکھئے یہاں لام کا عمل صرف فقراء ہی پر نہیں ہو رہا ہے بلکہ مساکین عاملین علیہا اور مؤلفۃ قلوبہم پر بھی ہو رہا ہے یہ لام تملیک کے لئے ہے تو اور استحقاق یا اختصاص یا کسی اور معنٰی کے لئے ہے، تو بہر صورت جس معنٰی میں بھی یہ فقراء سے متعلق ہوگا اسی معنٰی میں باقی تینوں سے بھی متعلق ہوگا۔ اب اگر حنفی تاویل کے لحاظ سے وہ تملیک کا مقتضی ہے تو زکوٰۃ اور صدقاتِ واجبہ کا مال ان چاروں میں سے جس کے حوالے بھی کر دیا جائے گا، تملیک کا تقاضا پورا ہو جائے گا۔ آگے تملیک در تملیک کا حکم کہاں سے نکالا جاتا ہے؟ کیا فقیر یا مسکین کی ملک میں زکوٰۃ کا مال پہنچ جانے کے بعد اس کے تصرفات پر کوئی پابندی ہے؟ اگر نہیں تو ''عَامِلِينَ عَلَيْهَا'' کے ہاتھ میں پہنچ جانے کے بعد جبکہ لام تملیک کا تقاضا پورا ہو چکا۔ پھر مزید تملیک کی پابندی لگانے کی کیا دلیل ہے؟ لام کو اگر تملیک ہی کے معنٰی میں لیا جائے۔ تو ایک شخص جب زکوٰۃ و صدقات واجبہ کے اموال ''عَامِلِينَ عَلَيْهَا'' کے سپرد کر دیتا ہے تو گویا وہ انہیں اس کا مالک بنا دیتا ہے، اور یہ اسی طرح ان کی ملک بن جاتے ہیں، جس طرح فے اور غنیمت کے اموال حکومت کی ملک بن جاتے ہیں، پھر ان پر یہ لازم نہیں رہتا کہ وہ ان اموال کو آگے جن مستحقین پر بھی صرف کریں، بصورت تملیک ہی کریں، بلکہ انہیں یہ حق حاصل ہے، کہ باقی ماندہ سات مصارفِ زکوٰۃ میں اس کو جس

طرح مناسب اور ضروری سمجھیں صرف کریں، لام تملیک کی رُو سے ان پر کوئی قید نہیں لگائی جاسکتی۔ البتہ جو قید لگائی جاسکتی ہے، وہ صرف یہ کہ جو شخص بھی زکوٰۃ کی تحصیل وصرف کے سلسلے میں کوئی عمل کرے وہ بس اس عمل کی اُجرت لے۔ باقی مال اسے دوسرے مستحقینِ زکوٰۃ پر صرف کرنا ہوگا۔ اس لئے کہ یہ لوگ ''عَامِلِینَ عَلَیھَا'' ہونے کی حیثیت سے ان اموال کے مالک بنائے جاتے ہیں نہ کہ بجائے خود مستحق ہونے کی حیثیت سے ''عَامِلِینَ عَلَیھَا'' کا لفظ خود اس وجہ کو ظاہر کردیتا ہے، جس کے لئے زکوٰۃ ان کے حوالے کی جاتی ہے، اور پھر یہی لفظ یہ بھی طے کردیتا ہے کہ وہ عامل ہونے کی حیثیت سے اس مال کا کتنا حصہ جائز طور پر اپنے ذاتی تصرف میں لانے کا حق رکھتے ہیں۔

اس تشریح کے بعد اس حدیث پر نگاہ ڈالئے جو امام احمدؒ نے حضرت انس ابن مالکؓ سے روایت کی ہے۔ اس میں حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا، کہ اِذَا اَدَّیتُ الزَّکوٰۃَ اِلٰی رَسُولِكَ فَقَدْ بَرِئتُ مِنھَا اِلَی اللّٰہِ وَرَسُولِہٖ، جب میں نے آپؐ کے بھیجے ہوئے عامل کو زکوٰۃ ادا کردی تو میں اللہ اور اس کے رسول کے سامنے اپنے فرض سے بری الذّمہ ہوگیا نا؟ حضور صلی اللہ وعلیہ وسلم نے جواب دیا نَعَمْ اِذَا اَدَّیتَھَا اِلیٰ رَسُولِیْ فَقَدْ بَرِئتَ منھَا اِلَی اللّٰہِ وَرَسُولِہٖ فَلَكَ اَجرُھَا، وَاِثْمُھَا عَلٰی مَنْ بَدَّلَھَا، ہاں جب تو نے اسے میرے فرستادہ عامل کے حوالے کردیا تو اللہ اور اس کے رسول کے آگے تو اپنے فرض سے بری ہوگیا۔ اس کا اجر تیرے لئے ہے اور جو اس میں ناجائز تصرف کرے اس کا گناہ اسی پر ہے۔

اس سے یہ بات صاف ہوجاتی ہے کہ زکوٰۃ دینے والا اپنی زکوٰۃ ''عَامِلِینَ عَلَیھَا'' کے سپرد کرکے بری الذمہ ہوجاتا ہے بالفاظ دیگر لامِ تملیک کا تقاضا جس طرح کسی فقیر یا مسکین کو زکوٰۃ دے دینے سے پورا ہوتا ہے، اسی طرح ''عَامِلِینَ عَلَیھَا'' کو دے دینے سے بھی پورا ہوجاتا ہے، اب یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ ''عَامِلِینَ عَلَیھَا'' کے الفاظ جو قرآن میں

ارشاد فرمائے گئے ہیں ان کا اطلاق کن لوگوں پر ہوتا ہے۔ لوگ اسے صرف ان کارندوں تک محدود سمجھتے ہیں جن کو حکومت اسلامی اس کام کے لئے مقرر کرے۔ لیکن قرآن پاک کے الفاظ عام ہیں جن کا اطلاق ہر اس شخص پر ہوسکتا ہے جو زکوٰۃ کی تحصیل و تقسیم کے سلسلے میں ''عمل'' کرے اس عام کو خاص کرنے والی کوئی دلیل میرے علم میں نہیں ہے اگر حکومتِ اسلامی موجود نہ ہو یا ہو مگر اس فرض سے غافل ہو اور مسلمانوں میں کوئی گروہ یہ ''عمل'' کرنے کے لئے اُٹھ کھڑا ہو تو آخر کس دلیل سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ نہیں تم ''عَامِلِيْنَ عَلَيْهَا'' نہیں ہو؟ میرے نزدیک تو یہ اللہ کی رحمتوں میں سے ایک رحمت ہے کہ اس نے عاملین حکومت کے لئے خاص کرنے کے بجائے اپنا حکم ایسے عام الفاظ میں دیا ہے جن میں یہ گنجائش پائی جاتی ہے کہ اسلامی حکومت کی غیر موجودگی، یا غافل حکمرانوں کی موجودگی میں مسلمان بطور خود بھی زکوٰۃ کی تحصیل و تقسیم کے لئے مختلف انتظامات کر سکیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کے اس عام حکم کو عام ہی رہنے دیا جائے تو غریب طلباء کی تعلیم، یتیموں کی پرورش، بوڑھوں اور معذوروں اور اپاہجوں کی نگہداشت، نادار مریضوں کے علاج اور ایسے ہی دوسرے کاموں کے لئے جو ادارے قائم ہوں ان سب کے منتظمین بالکل بجا طور پر ''عَامِلِيْنَ عَلَيْهَا'' کی تعریف میں آئیں گے اور ان کو زکوٰۃ لینے اور حسبِ ضرورت صرف کرنے کے اختیارات حاصل ہو جائیں گے۔ اسی طرح ایسے ادارے قائم کرنے کی بھی گنجائش نکل آئے گی جو خاص طور پر تحصیل و صرف زکوٰۃ ہی کے لئے قائم ہوں، ان کے منتظمین بھی ''عَامِلِيْنَ عَلَيْهَا'' قرار پائیں گے اور صرف زکوٰۃ کے معاملے میں ان کے ہاتھ بھی تملیک کے فتوے سے باندھنے کی ضرورت نہ رہے گی۔

میرے نزدیک اگر قرآن کے الفاظ کی عمومیت نگاہ میں رکھی جائے تو صرف مذکورہ بالا عاملین ہی پر ان کا اطلاق نہیں ہوتا۔ بلکہ دوسرے بہت سے کارکن بھی اس تعریف میں آتے ہیں۔ مثلاً ایک یتیم کا ولی، ایک بیمار یا اپاہج کی خبر گیری کرنے والا۔ اور ایک بے کس بوڑھے کا نگہبان بھی ''عامل،، ہے اسے زکوٰۃ وصول کر کے ان لوگوں کی ضروریات پر خرچ کرنے کا حق ہے اور

اس میں سے معروف طریقے پر اپنے عمل کی اُجرت بھی وہ چاہے تو لے جاسکتا ہے۔

زکوٰۃ کی رقم اگر ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجنے کی ضرورت پیش آئے تو اس میں سے ڈاک خانے یا بنک کی اُجرت دی جاسکتی ہے۔ کیونکہ اس خدمت کو انجام دینے کی حد تک وہ بھی ''عَامِلِیْنَ عَلَیْهَا'' ہوں گے۔

زکوٰۃ وصول کرنے ،زکوٰۃ کے اموال ایک جگہ سے دوسری جگہ حسبِ ضرورت لے جانے یا مستحقین زکوٰۃ کی مختلف ضروریات پوری کرنے کے لئے ریل، ہوائی جہاز ،بس ،ٹرک ،تانگے ، ٹھیلے وغیرہ جو استعمال کئے جائیں ان کے کرائے مالِ زکوٰۃ سے دیئے جاسکتے ہیں کیونکہ یہ خدمت انجام دیتے وقت یہ سب ''عَامِلِیْنَ عَلَیْهَا'' میں ہی شمار ہوں گے۔

مستحقینِ زکوٰۃ کی خدمت کے لئے جس قدر بھی ملازم اور مزدور استعمال کئے جائیں گے۔ ان سب کی تنخواہیں اور اُجرتیں زکوٰۃ کی مد سے دی جاسکتی ہیں کیونکہ وہ ''عَامِلِیْنَ عَلَیْهَا'' میں داخل ہوں گے۔ قطع نظر اِس سے کہ کوئی ریلوے اسٹیشن پر زکوٰۃ کے غلے کی بوریاں ڈھوئے یا کوئی غریب مریضوں کی خدمت کے لئے گاڑی چلائے یا کوئی یتیم بچوں کی نگہداشت کرے۔

اب رہ جاتا ہے یہ سوال کہ آیا ''عَامِلِیْنَ عَلَیْهَا'' کے تصرفات پر کوئی ایسی پابندی ہے کہ وہ مستحقینِ زکوٰۃ کی خدمت کے لئے عمارات نہ بنواسکیں اور اشیائے ضرورت مثلاً گاڑیاں ، دوائیں، آلات، کپڑے وغیرہ نہ خرید سکیں؟ میں کہتا ہوں حنفی تاویل آیت کے لحاظ سے یہ پابندی صرف زکوٰۃ ادا کرنے والے پر عائد ہوتی ہے وہ خود بلاشبہ ان تصرفات میں سے کوئی تصرف نہیں کرسکتا اس کا کام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کی رُو سے زکوٰۃ ''جن کے لئے'' ہے ان کی یا ان میں سے کسی ایک کی ملک میں دے دے، رہے ''عَامِلِیْنَ عَلَیْهَا'' تو ان پر اس طرح کی کوئی پابندی عائد نہیں ہوتی ۔ وہ تمام مستحقینِ زکوٰۃ کے لئے بمنزلہ ولی یا وکیل ہیں ،اور اصل مستحقین اس مال میں جتنے تصرفات کرسکتا ہے وہ سب تصرفات اسکے ولی یا وکیل ہونے کی حیثیت سے یہ بھی کرسکتے ہیں وہ جب فقراء اور مساکین کی ضروریات کے لئے کوئی عمارت بنائیں یا کوئی

گاڑی خریدیں تو یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے بہت سے فقیروں اور مسکینوں نے، جن کو فرداً فرداً زکوٰۃ ملی تھی باہم مل کر ایک عمارت بنوائی یا ایک سواری خرید لی۔ جس طرح ان کے تصرف پر کوئی پابندی نہیں ہے "عَامِلِیْنَ عَلَیْهَا" کو زکوٰۃ دینے کا طریقہ اللہ تعالیٰ نے اسی لئے مقرر کیا ہے اور اللہ کے رسولؐ نے اسی لئے ان کے ہاتھ میں زکوٰۃ دے دینے والے کو فرض سے سبکدوش قرار دیا ہے کہ انہیں یہ مال دیدینا گویا تمام مستحقین کو دے دینا ہے وہ انہی کی طرف سے اسے وصول کرتے ہیں اور انہی کے نائب و سرپرست بن کر اسے صرف کرتے ہیں آپ ان کے تصرفات پر اس حیثیت سے ضرور اعتراض کر سکتے ہیں کہ تم نے فلاں خرچ بلاضرورت کیا یا فلاں چیز پر ضرورت سے زیادہ خرچ کر دیا یا اپنے عمل کی اُجرت معقول حد سے زیادہ لے لی یا کسی عامل کو معقول شرح سے زیادہ اُجرت دے دی، لیکن کوئی قاعدۂ شرعی میرے علم میں ایسا نہیں ہے جس کی بنا پر ان کو اس بات کا پابند کیا جاسکے کہ فلاں فلاں قسم کے تصرفات تم کر سکتے ہو اور فلاں فلاں قسم کے نہیں کر سکتے۔ قواعد شریعت انہیں ہر اس کام کی اجازت دیتے ہیں جس کی مستحقینِ زکوٰۃ کے لئے ضرورت ہو۔[1]

نصابِ زکوٰۃ

نصابِ زکوٰۃ سے مُراد سرمایے کی وہ کم سے کم مقدار ہے جس پر شریعت نے زکوٰۃ واجب کی ہے، اور جس شخص کے پاس بقدرِ نصاب سرمایہ ہو اس کو صاحبِ نصاب کہتے ہیں۔

معاشی توازن

زکوٰۃ کا ایک بنیادی مقصد معاشی توازن پیدا کرنا بھی ہے، دولت کو گردش میں رکھنے اور سوسائٹی کے ہر طبقے کو مستفید کرنے کے لئے زکوٰۃ سرمایہ داروں سے لی جاتی ہے اور ناداروں میں

---

[1] ترجمان القرآن دسمبر ۱۹۵۴ء

تقسیم کی جاتی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰہَ قَدْ فَرَضَ عَلَیْھِمْ صَدَقَۃً تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِیَاءِ ھِمْ فَتُرَدُّ عَلٰی فُقَرَاءِ ھِمْ۔

''اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر صدقہ فرض کیا ہے جو ان کے دولت مندوں سے لیا جائے گا اور ان کے ناداروں کو لوٹایا جائے گا۔'' (متفق علیہ)

شریعت کی نظر میں دولت منداور خوش حال لوگ وہ ہیں، جن کے پاس بقدرِ نصاب مال موجود ہو اور سال گزرنے کے بعد بھی موجود رہے دورِ نبوت میں وہ لوگ خوش حال اور دولت مند تھے، جن کے پاس کھجور کے باغ ہوں، چاندی سونا ہو یا مویشی ہوں اور شریعت نے ان چیزوں میں ایک خاص مقدار متعین فرما کر بتادیا کہ کم از کم اتنی مقدار جس کے پاس ہو وہ شریعت کی نظر میں خوش حال ہے اور اس کے مال میں سے صدقہ وصول کر کے سوسائٹی کے ناداروں کو دیا جائے گا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''پانچ وسق[1] سے کم کھجوروں میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ پانچ اوقیہ[2] سے کم چاندی میں زکوٰۃ نہیں ہے اور پانچ اونٹوں سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے''۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ وضاحت فرماتے ہیں کہ اس دَور میں پانچ وسق یعنی ۳۰ من کھجوریں ایک مختصر گھرانے کے سال بھر کے گزارے کے لئے کافی ہوجاتی تھیں اور یہی قیمت اور حیثیت پانچ اوقیہ چاندی یعنی دوسودرھم اور پانچ اونٹوں کی تھی، اس لئے اس مقدار کے مالک کو شریعت نے خوش حال اور دولت مند قرار دے کر اس پر زکوٰۃ واجب کردی۔

نصاب میں تبدیلی کا مسئلہ

دورِ حاضر میں چونکہ روپے کی قیمت غیر معمولی حد تک کم ہوگئی ہے اور پھر چاندی سونے اور مویشی کا جو نصاب دورِ نبوت میں مقرر کیا گیا تھا، ان میں بھی قیمت کے لحاظ سے باہم غیر معمولی

---

[1] دیکھئے اصطلاحات ۳۵۶ پر [2] بخاری، مسلم

تفاوت ہے اس لئے بعض ذہن یہ مطالبہ کرتے ہیں[1] کہ نصابِ زکوٰۃ پر حالات کے پیشِ نظر علماء غور کریں اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودیؒ لکھتے ہیں:

''خلفائے راشدین کے زمانے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کئے ہوئے نصاب اور شرحِ زکوٰۃ میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی ہے، نہ اب اسکی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور ہمارا خیال یہ ہے — کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی آپؐ کی مقرر کردہ مقادیر میں ترمیم کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ البتہ سونے کے نصاب میں تبدیلی ممکن ہے کیونکہ اس کا نصاب بیس مثقال جس روایت میں آیا ہے اس کی سند بہت ضعیف ہے،، (رسائل ومسائل حصہ دوم صفحہ ۱۳۴، ۱۳۵)

ایک دوسرے سوال کے جواب میں، نصاب اور شرحِ زکوٰۃ میں تبدیلی نہ کرنے کی حکمتوں پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''شارع کے مقرر کردہ حدود اور مقادیر میں ردّ و بدل کرنے کے ہم مجاز نہیں ہیں یہ دروازہ اگر کھل جائے تو پھر ایک زکوٰۃ ہی کے نصاب اور شرح پر زد نہیں پڑتی بلکہ نماز، روزہ، حج، نکاح، طلاق، وراثت وغیرہ کے بہت سے معاملات ایسے ہیں جن میں ترمیم و تنسیخ شروع ہو جائے گی اور یہ سلسلہ کہیں جا کر ختم نہ ہو سکے گا۔ نیز یہ کہ اس دروازے کے کھلنے سے وہ توازن و اعتدال ختم ہو جائے گا جو شارع نے فرد اور جماعت کے درمیان انصاف کے لئے قائم کر دیا ہے اس کے بعد پھر افراد اور جماعت کے درمیان کھینچ تان شروع ہو جائے گی افراد چاہیں گے کہ نصاب اور شرح میں تبدیلی ان کے مفاد کے مطابق ہو اور جماعت چاہے گی کہ اس کے مفاد کے مطابق ہو، انتخابات میں یہ چیز ایک مسئلہ بن جائے گی، نصاب گھٹا کر اور شرح بڑھا کر اگر کوئی قانون بنایا گیا تو جن افراد کے مفاد پر اس کی زد پڑے گی وہ اسے خوش دلی کے ساتھ نہ دیں گے جو عبادت کی اصل رُوح ہے بلکہ ٹیکس کی طرح چٹی سمجھ کر دیں گے اور حیلہ سازی اور گریز (Evasion)

---

[1] حضرت علماء کرام کے لئے یہ بات قابل غور ہے کہ اب جب کہ روپے کی قیمت اور حیثیت زمانۂ نبوت کے درہم کے مقابلے میں بہت کم ہوگئی ہے بلکہ ہمارے ہی ملک میں اب سے پچیس سال پہلے روپے کی جو قیمت اور مالیت تھی اب اس کا بھی آٹھواں حصہ یا اس سے بھی کم رہ گئی ہے تو اس صورت میں زکوٰۃ کا کم سے کم نصاب کیا ہوگا۔ (معارف الحدیث جلد چہارم صفحہ ۳۶)

دونوں ہی کا سلسلہ شروع ہوجائیگا یہ بات جو،اب ہے کہ حکمِ خدا اور رسول سمجھ کر ہر شخص سر جھکا دیتا ہے اور عبادت کے جذبے سے بخوشی رقم نکالتا ہے اس صورت میں کبھی باقی نہیں رہ سکتی جب کہ پارلیمنٹ کی اکثریت اپنے حسبِ منشا کوئی نصاب اور کوئی شرح دوسروں پر مسلط کرتی رہے۔[۱]　　(رسائل ومسائل دوم صفحہ ۱۴۷)

سونے اور چاندی کا نصاب

چاندی کا نصاب دوسو درہم ہے، جس کا وزن چھتیس تولے ساڑھے پانچ ماشے چاندی بنتا ہے، جس شخص کے پاس اتنے وزن کی چاندی ہو اور اس پر پورا سال گزر جائے تو اس پر اس کی زکوٰۃ نکالنا واجب ہے، اس سے کم وزن کی چاندی پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔[۲]

سونے کا نصاب بیس طلائی مثقال ہے جس کا وزن پانچ تولے ڈھائی ماشے سونے کے برابر ہے[۳] جس شخص کے پاس اتنے وزن کا سونا ہو اور اس پر سال بھر گزر جائے زکوٰۃ واجب ہے، اس سے کم وزن کا سونا ہو تو زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

سکوں اور نوٹوں کی زکوٰۃ

حکومت کے سکے چاہے وہ کسی دھات کے ہوں اور کاغذی سکے یعنی نوٹ، ڈالر، ریال وغیرہ کی زکوٰۃ واجب ہے، کیونکہ ان کی قیمت ان کی دھات یا ان کے کاغذ کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس قوتِ خرید کی بنا پر ہے جو قانوناً ان کے اندر پیدا کر دی گئی ہے، جس کی وجہ سے وہ چاندی

---

[۱] مزید وضاحت کے لئے ترجمان القرآن ۱۹۴۶ء دیکھئے۔

[۲] یہ نصاب مولانا عبدالشکور صاحب کی تحقیق کے مطابق ہے (علم الفقہ ج ۴ صفحہ ۲۶) مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی کی تحقیق بھی یہی ہے، البتہ بعض علماء کے نزدیک چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولے ہے اور یہ زیادہ مشہور ہے۔
(بہشتی زیور حصہ سوم صفحہ ۲۱)

[۳] یہ نصاب مولانا عبدالشکور صاحب کی تحقیق کے مطابق ہے، علم الفقہ ج ۴ صفحہ ۲۷) یہی تحقیق مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی کی ہے البتہ عام طور پر سونے کا نصاب ۷ $\frac{1}{2}$ ساڑھے سات تولے مشہور ہے۔　(بہشتی زیور حصہ سوم صفحہ ۲۱)

اور سونے کے قائم مقام ہیں لہٰذا جس شخص کے پاس چھتیس تولے ساڑھے پانچ ماشے چاندی کی قیمت کے نوٹ یا سکے موجود ہوں اُس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

جو سکے رائج نہیں ہیں یا جو خراب ہیں یا جو حکومت نے واپس لے لئے ہیں ان میں اگر سونا چاندی کسی مقدار میں موجود ہے تو ان پر چاندی یا سونے کی اس مقدار کے لحاظ سے زکوٰۃ واجب ہوگی جو ان میں موجود ہے۔ غیر ممالک کے سکے اگر بآسانی اپنے ملک کے سکوں سے تبدیل کئے جاسکتے ہوں تو ان کا حکم نقدی کا ہے اور اگر تبدیل نہ کئے جاسکتے ہوں تو ان پر زکوٰۃ صرف اس صورت میں واجب ہوگی جب کہ ان کے بقدر نصاب سونا یا چاندی موجود ہو، اگر سونا چاندی بالکل نہ ہو تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

درہم کے وزن کی تحقیق

زکوٰۃ کے باب میں درہم سے مُراد وہ درہم ہے جس کا وزن دو ماشے اور ڈیڑھ رتی ہوتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبرؓ کے دور میں درہم مختلف وزنوں کے ہوتے تھے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ درہم کے اوزان میں اختلاف کے باعث لوگوں میں باہم کش مکش ہوتی ہے اور زکوٰۃ کے معاملے میں اُلجھن پیدا ہوتی ہے تو آپ نے ہر ہر وزن کا ایک ایک درہم لیا اور اس کو گلوایا۔ اور پھر اس کے تین ہم وزن درہم بنوائے۔ پھر اس درہم کا وزن کیا گیا تو وہ چودہ قیراط کا بیٹھا پس اس درہم کے وزن پر صحابہؓ کرام کا اجماع ہوگیا۔ اور سارے عرب میں یہی درہم رائج ہوگیا اور اسی کے مطابق تمام شرعی فرائض مثلاً زکوٰۃ اور حد سرقہ وغیرہ مقرر ہوگئے۔ (بحرالرائق وغیرہ)

البتہ طہارت اور نجاست کے باب میں درہم سے مُراد وہ درہم ہوتا ہے جو ایک مثقال یعنی دینار کے برابر ہوتا ہے علامہ ابن عابد شامی کی تحقیق یہ ہے کہ ایک دینار ۱۰۰ جو کے برابر ہوتا ہے اور چار جو کی ایک رَتی ہوتی ہے اور آٹھ رتی کا ایک ماشہ ہوتا ہے اس حساب سے ایک دینار کا وزن تین ماشہ اور ایک رَتی قرار پاتا ہے، اسی تحقیق کے مطابق ہم نے آسان فقہ اول میں درہم کا وزن ۳ ماشہ اور ایک رَتی لکھا ہے۔

اموالِ تجارت کی زکوٰۃ

مالِ تجارت ہو، یا نوٹ اور سکے وغیرہ ان سب کا نصاب بھی وہی ہے جو سونے اور چاندی کا نصاب ہے یعنی سونے یا چاندی کے نصاب کو بنیاد بنا کر زکوٰۃ ادا کی جائے۔ مثلاً آپ کے پاس مبلغ =/۴۰۰ موجود ہیں، اس رقم میں سونے کا نصاب تو نہیں بنتا لیکن چاندی کا نصاب بن جاتا ہے، تو اسی نصاب کے حساب سے زکوٰۃ ادا کرنا چاہئے۔

اموالِ تجارت میں زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ کاروبار شروع کرنے کی تاریخ پر جب ایک سال گزر جائے تو تجارتی مال (Stock in Trade) کی مالیت کا حساب لگایا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ نقد رقم (Cash in Hand) کتنا ہے دونوں کے مجموعے پر زکوٰۃ نکالی جائے۔

اگر مالِ تجارت اور نقد رقم نصاب سے کم ہے اور پھر یکا یک قیمتیں چڑھنے سے مال تجارت کی قیمت بقدرِ نصاب یا اس سے زائد ہوگئی۔ تو جس تاریخ سے قیمتیں بڑھی ہیں اُسی تاریخ سے زکوٰۃ کے سال کی ابتدا کی جائے گی۔

اگر کسی کاروبار میں کئی افراد شریک ہیں، تو کاروبار کے مجموعی اسٹاک اور کیش رقم پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی بلکہ ہر شریک کے حصے اور منافع کی رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی اگر یہ حصہ اور اس کا منافع بقدرِ نصاب ہے تو زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں۔

اسی طرح اگر کچھ مال چند لوگوں کی شرکت میں ہو تو اس پر زکوٰۃ اسی صورت میں واجب ہوگی جب ہر شریک کا حصہ بقدرِ نصاب ہو مثلاً چالیس بکریاں دو آدمیوں کی شرکت میں ہیں یا ساٹھ تولے چاندی دو افراد کی ملکیت میں ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

کاروبار میں کام آنے والے اوزار اور آلات، فرنیچر، اسٹیشنری کا سامان عمارت یعنی عواملِ پیدائش پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی صرف مالِ تجارت اور کیش[1] رقم کی واقعی مالیت پر زکوٰۃ واجب

---

[1] امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ کاروبار کے مجموعی اسٹاک اور کیش رقم بقدر نصاب ہے تو زکوۃ وصول۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ہوگی، زکوٰۃ دیتے وقت ان قرضوں کی رقم بھی محسوب کرنا چاہیئے، جو کاروبار کے دوران دیئے جاتے رہتے ہیں اور وصول ہوتے رہتے ہیں، حضرت سمرہ ابن جندبؓ کا بیان ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمارے لئے یہ حکم تھا کہ ہم اموالِ تجارت کی زکوٰۃ نکالا کریں۔'' (ابوداؤد)

زیور کی زکوٰۃ

سونا، چاندی کسی شکل میں بھی ہو اس کی زکوٰۃ واجب ہے، چاہے وہ سکے ہوں، ڈلی ہو، تار ہو، گوٹا لچکا ہو، یا کپڑے پر زرکاری کا کام ہو یا کپڑے کی بُنائی میں سونے یا چاندی کا تار شامل ہو یا عورت کے استعمال کا زیور ہو، ہر ایک پر زکوٰۃ واجب ہے۔

یمن کی ایک خاتون نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اس کے ہمراہ اس کی لڑکی تھی جس کے ہاتھوں میں سونے کے دو وزنی کنگن تھے۔ آپؐ نے دریافت فرمایا، تم اس کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ خاتون نے کہا، جی نہیں، زکوٰۃ تو نہیں دیتی ہوں۔ آپ نے فرمایا، کیا تمہیں یہ گوارا ہے کہ قیامت کے روز خدا اس کی پاداش میں تمہیں آگ کے دو کنگن پہنائے۔ (یہ سن کر) خاتون نے وہ دونوں کنگن اُتارے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے کہا یہ اللہ اور رسولؐ کی رضا کے لئے پیشِ خدمت ہیں۔'' (نسائی)

حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں میں کنگن پہنا کرتی تھی تو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یارسول اللہ! کیا یہ بھی کنز ہے تو آپ نے فرمایا جو مال زکوٰۃ دینے کی مقدار کو پہنچ جائے اور پھر اسکی زکوٰۃ دے دی جائے تو وہ کنز نہیں ہے۔'' (ابوداؤد)

زیور کی زکوٰۃ، علامہ مودودی صاحبؒ نے ایک سوال کے جواب میں بڑا ہی بصیرت افروز

(پچھلے صفحہ کا بقیہ) کرلی جائے گی چاہے ہر حصے دار کا حصہ بقدر نصاب نہ ہو، امام مالکؒ کے نزدیک بھی زکوٰۃ مجموعے سے حاصل کی جائے البتہ ان شرکاء کو مستثنیٰ کردیا جائے گا جو صاحبِ نصاب نہ ہوں یا جو ایک سال سے کم مدت تک اپنے حصے کے مالک رہے ہوں اور یہی رائے زیادہ مناسب اور قابلِ عمل ہے۔

نوٹ لکھا ہے۔ ذیل میں ہم اس نوٹ کو بعینہٖ درج کرتے ہیں:

''زیور کی زکوٰۃ کے بارے میں کئی مسلک ہیں ایک مسلک یہ ہے کہ اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے اسے عاریتاً دینا ہی اس کی زکوٰۃ ہے۔ یہ انس بن مالکؓ، سعید بن مسیبؒ، قتادہؒ اور شعبیؒ کا قول ہے دوسرا مسلک یہ ہے کہ عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ زیور پر زکوٰۃ دے دینا کافی ہے۔ تیسرا مسلک یہ ہے کہ جو زیور عورت ہر وقت پہنے رہتی ہو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے اور جو زیادہ تر رکھا جاتا ہے اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ چوتھا مسلک یہ ہے کہ ہر قسم کے زیور پر زکوٰۃ ہے۔ ہمارے نزدیک یہی آخری قول صحیح ہے، اول تو جن احادیث میں چاندی سونے پر زکوٰۃ کے وجوب کا حکم بیان ہوا ہے ان کے الفاظ عام ہیں مثلاً یہ کہ فِی الرِّقَّةِ رُبُعُ الْعَشْرِ وَلَیْسَ دُوْنَ خَمْسِ اَوَاقٍ صَدَقَةٌ (چاندی میں $2\frac{1}{2}$ ڈھائی فیصد پر زکوٰۃ ہے اور پانچ اوقیہ سے کم پر زکوٰۃ نہیں ہے) پھر متعدد احادیث و آثار میں تصریح مذکور ہے کہ زیور پر زکوٰۃ واجب ہے، چنانچہ ابوداؤد، ترمذی اور نسائی میں قوی سند کے ساتھ یہ روایت آئی ہے کہ ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس کے ساتھ اس کی لڑکی تھی، جس کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن تھے۔ آپؐ نے پوچھا تم اسکی زکوٰۃ دیتی ہو؟ اُس نے کہا نہیں، اس پر آپؐ نے فرمایا، اَیَسُرُّكَ اَنْ یُّسَوِّرَكَ اللّٰهُ بِهِمَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ سَوَادَیْنِ مِنَ النَّارِ (کیا تجھے پسند ہے کہ خدا قیامت کے روز تجھے ان کے بدلے آگ کے کنگن پہنائے؟) نیز مؤطا، ابوداؤد اور دارِ قطنی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے مَا اَدَّیْتَ زَكٰوتَهٗ فَلَیْسَ بِكَنْزٍ (جس زیور کی زکوٰۃ تو نے ادا کر دی وہ کنز نہیں ہے) ابن حزم نے محلی میں بیان کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے (اپنے گورنر حضرت ابوموسیٰ اشعری کو جو فرمان بھیجا تھا، اس میں یہ ہدایت بھی تھی) مُرْ نِسَاءَ الْمُسْلِمِیْنَ یُزَكِّیْنَ عَنْ حُلِیِّهِنَّ (مسلمان عورتوں کو حکم دو کہ اپنے زیوروں کی زکوٰۃ ادا کریں) حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے فتویٰ پوچھا گیا کہ زیور کا کیا حکم ہے تو انہوں نے جواب دیا۔ اِذَا بَلَغَ مِائَتَیْنِ فَفِیْهِ الزَّكٰوةُ (جب وہ دوسو درہم کی مقدار کو پہنچ جائے تو اس میں

زکوٰۃ ہے) اسی مضمون کے اقوال صحابہ میں سے ابن عباسؓ عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ اور حضرت عائشہ سے تابعین میں سعید بن میتبؒ، سعید بن جبیرؒ، عطارؒ، مجاہدؒ، ابن سیرینؒ اور زہریؒ سے اور ائمہ فقہ میں سفیان ثوریؒ، ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحابؒ سے منقول ہیں۔

(رسائل ومسائل دوم صفحہ ۱۲۳-۱۲۵)

شرحِ زکوٰۃ

(۱) سونا، چاندی، زیور، تجارتی اموال، دھات کے سکے، نوٹ، ڈالر، پونڈ، ریال وغیرہ سب پر چالیسواں حصہ یعنی $2\frac{1}{2}$ ڈھائی فی صد کی شرح سے زکوٰۃ واجب ہوگی۔

(۲) سونا، چاندی، یا زیور میں چالیسواں حصہ سونا یا چاندی زکوٰۃ میں دینا واجب ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ سونا چاندی ہی دی جائے اسکی قیمت کا حساب لگا کر نقد رقم بھی دی جاسکتی ہے، کپڑے بھی دیئے جاسکتے ہیں اور دوسری چیزیں بھی دی جاسکتی ہیں۔ نقدی یا تجارتی مال کی قیمت اگر سونے یا چاندی میں سے کسی کے نصاب کے بقدر ہو، تو اس کا ڈھائی فی صد زکوٰۃ میں دینا ہوگا۔

(۳) سونے یا چاندی کا جو نصاب بیان کیا گیا ہے، اگر کسی کے پاس اس نصاب سے کچھ زیادہ چاندی سونا، یا تجارتی مال ہے تو اس پر زکوٰۃ اسی صورت میں واجب ہوگی جب وہ اس نصاب کے پانچویں حصے کے بقدر ہو اس سے کم ہو تو معاف ہے۔[1]

(۴) اگر کسی زیور، یا ڈلی یا کپڑے میں سونا، چاندی دونوں ملے ہوئے ہوں، تو یہ دیکھنا چاہئے کہ کیا زیادہ ہے، جو چیز زیادہ ہو اسی کا اعتبار کیا جائے گا۔ سونا زیادہ ہے تو سب کو سونا تصور کیا جائے گا اور سونے کے نصاب سے اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔ اور اگر چاندی زیادہ ہے تو سب کو چاندی تصور کر کے چاندی کے نصاب سے اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

(۵) سونے یا چاندی کے زیور وغیرہ میں اگر کسی دوسری دھات کا میل ہو، اور اس کی

---

[1] علم الفقہ ج ۴ ص ۲۷

مقدار سونے یا چاندی سے کم ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہ ہوگا اور اس عدد کو سونے یا چاندی کا تصور کر کے زکوٰۃ دی جائے گی۔ اور اگر اس میں سونا یا چاندی کم ہے تو صرف اس سونے اور چاندی کا حساب لگایا جائے گا اگر وہ بقدرِ نصاب ہوگی تو زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں۔

(۶) ایک شخص کے پاس کچھ سونا ہے اور کچھ چاندی ہے ان میں سے جس چیز کا نصاب پورا ہو اس کے ساتھ دوسری جنس کی قیمت کا بھی حساب لگا کر ۲½ ڈھائی فی صد کے حساب سے سب کی زکوٰۃ دی جائے گی۔

(۷) اگر کسی کے پاس سونا بھی نصاب سے کم ہے اور چاندی بھی نصاب سے کم ہے تو چاندی کو سونے سے ملا کر یا سونے کو چاندی سے ملا کر جو نصاب بھی پورا ہوتا ہو اس پر ۲½ ڈھائی فی صد کے حساب سے زکوٰۃ دی جائے، اسی طرح کچھ نقد رقم ہے، کچھ چاندی ہے کچھ تجارتی مال ہے تو سب کو ملا کر اگر چاندی یا سونے کا نصاب پورا ہو تب بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

(۸) زیوروں میں جو جواہر اور موتی وغیرہ ہوں ان پر زکوٰۃ نہیں ہے ان کا وزن منہا کرنے کے بعد باقی سونے یا چاندی کے وزن پر ۲½ ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوٰۃ نکالی جائے گی۔

وہ چیزیں جن پر زکوٰۃ نہیں ہے

(۱) رہنے بسنے کے مکان پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ چاہے وہ کتنی ہی مالیت کا ہو۔

(۲) موتی، یاقوت، اور دوسرے تمام جواہر پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

(۳) آب پاشی اور کھیتی باڑی کے لئے جو اونٹ، بیل، بھینسے پالے گئے ہوں ان پر زکوٰۃ نہیں ہے، اس معاملے میں اصول یہ ہے کہ ایک شخص اپنے کاروبار میں جن عوامل پیداوار سے کام لے رہا ہو وہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہیں۔ حدیث میں ہے لَیسَ فِی الْاِبِلِ الْعَوَامِلِ صَدَقَةٌ، یعنی جن اونٹوں سے کھیتی باڑی میں کام لیا جاتا ہو ان پر زکوٰۃ نہیں ہے کیونکہ ان کی زکوٰۃ زمین کی

پیداوار سے حاصل ہو جاتی ہے اسی طرح تمام آلاتِ پیداوار پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

(۴) کارخانے کی مشینوں اور آلات پر زکوٰۃ نہیں ہے، نیز کارخانے کی عمارت، کاروبار میں کام آنے والے فرنیچر، اسٹیشنری کے سامان، دُکان کی عمارت پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

(۵) شِیر خانہ (Dairy Farm) کے مویشیوں پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ بھی عوامل کی تعریف میں آتے ہیں، البتہ ڈیری فارم کی مصنوعات پر زکوٰۃ واجب ہے۔

(۶) بیش قیمت نادر چیزیں اگر کسی نے یادگار کے طور پر شوقیہ گھر میں رکھ چھوڑی ہوں تو ان پر زکوٰۃ نہیں ہے، البتہ اگر ان کی تجارت کر رہا ہو تو ان پر وہی زکوٰۃ عائد ہوگی جو اموالِ تجارت پر ہوتی ہے۔

(۷) کسی نے حوض یا تالاب وغیرہ میں شوقیہ مچھلیاں پال رکھی ہیں تو ان پر زکوٰۃ عائد نہ ہوگی۔ ہاں اگر ان کی تجارت کر رہا ہو تو تجارتی زکوٰۃ واجب ہے۔

(۸) مویشی جو ذاتی ضرورت کے لئے پالے گئے ہو مثلاً دودھ پینے کے لئے چند گائیں یا بھینسیں پال لی ہیں یا نقل وحمل کے لئے بیل، اونٹ یا سواری کے لئے چند گھوڑے پال لئے ہیں تو ان کی تعداد خواہ کتنی ہی ہو ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

(۹) سواری کے لئے موٹر سائیکل، کار، بس ہے تو اس پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے۔

(۱۰) مرغی خانہ: جو انڈوں کی فروخت کے لئے قائم کیا گیا ہو اس کی مرغیوں پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے، البتہ فروخت ہونے والے انڈوں پر وہی زکوٰۃ واجب ہوگی جو دوسرے تجارتی اموال پر واجب ہے۔

(۱۱) شوقیہ طور پر جو مرغیاں یا اس قسم کے دوسرے جانور پالے جائیں ان پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے۔

(۱۲) کرائے پر چلائی جانے والی چیزیں مثلاً سائیکل، رکشا، ٹیکسی، بس، ٹرک، فرنیچر اور کراکری کا سامان وغیرہ پر زکوٰۃ نہیں ہے، ہاں ان سے حاصل ہونے والا منافع اگر بقدرِ نصاب

ہو اور اس پر سال گزر جائے تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔ ان کی قیمتوں پر کوئی زکوٰۃ نہیں ہے۔

(۱۳) دکان اور مکان جن سے کرایہ وصول ہوتا ہو ان پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے خواہ ان کی تعداد کتنی ہی ہو، اور کسی مالیت کے ہوں۔

(۱۴) پہننے کے کپڑے، کوٹ، چادر، کمبل وغیرہ، ٹوپی، جوتے، گھڑی، گھر کا سامان، بستر، ریفریجٹر، پین، وغیرہ پر زکوٰۃ نہیں خواہ یہ چیزیں کتنی ہی بیش قیمت ہوں۔

(۱۵) گدھا، خچر اور گھوڑے پر زکوٰۃ نہیں ہے بشرطیکہ یہ تجارت کے لئے نہ ہوں۔

(۱۶) وقف کے جانوروں پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے اور جو گھوڑے جہاد کے لئے پالے گئے ہوں، اور جو اسلحہ اور سامانِ جہاد اور خدمتِ دین کے لئے ہوں اس پر بھی زکوٰۃ نہیں۔

جانوروں کی زکوٰۃ

● عام میدانوں میں چرنے والے پالتو جانور جو افزائشِ نسل اور دودھ کے لئے پالے جاتے ہیں ان کو اصطلاح میں سائمہ کہتے ہیں ان میں زکوٰۃ واجب ہے، جو جانور سواری یا گوشت کے لئے پالے گئے ہوں، جنگلی جانور، مثلاً ہرن، پاڑہ، نیل گائے، چیتا وغیرہ کی زکوٰۃ نہیں ہاں اگر یہ جنگلی جانور تجارت کے لئے پالے ہوں تو ان پر وہی زکوٰۃ واجب ہوگی جو دوسرے تجارتی اموال پر واجب ہوتی ہے، یعنی تجارتی سرمایہ اگر سال کے آغاز اور اختتام پر دوسو درہم یعنی $52\frac{1}{2}$ ساڑھے باون تولے چاندی کے بقدر یا اس سے زائد ہو تو زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں۔

● جو جانور، جنگلی اور پالتو جانور کے اختلاط سے پیدا ہوں ان میں زکوٰۃ واجب ہونے کی شرط یہ ہے کہ اختلاط کرنے والے جانوروں میں مادہ پالتو ہو اور نر جنگلی ہو مثلاً بکری اور نر ہرن کے اختلاط سے جو جانور پیدا ہوں گے ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

● جو سائمہ جانور وقف ہوں ان میں زکوٰۃ نہیں ہے اسی طرح جو گھوڑے وقف ہوں یا جہاد کی غرض سے پالے گئے ہوں ان پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے۔

● سائمہ جانور اگر زکوٰۃ کے لئے پالے گئے ہوں تو ان پر بھی وہی زکوٰۃ واجب ہوگی جو دوسرے تجارتی اموال پر واجب ہوتی ہے۔

● اگر کسی نے افزائشِ نسل ہی کے لئے سائمہ جانور پالے لیکن دورانِ سال تجارت کا ارادہ ہوگیا تو اس سال کی زکوٰۃ اس پر واجب نہ ہوگی بلکہ جس دن سے اس نے تجارت کا ارادہ کیا ہے اسی دن سے اس کا تجارتی سال شروع ہوگا اور سال پورا ہونے پر تجارتی زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔

بھیڑ بکری کا نصاب اور شرحِ زکوٰۃ

زکوٰۃ کے معاملے میں بھیڑ، بکری، دُنبہ سب کا ایک ہی حکم ہے، سب کا ایک ہی نصاب اور شرحِ زکوٰۃ ہے، اگر کسی کے پاس دُنبے بھی ہیں اور بکریاں بھی اور دونوں کا نصاب پورا ہے تو دونوں کی زکوٰۃ الگ الگ دے اور اگر دونوں کے ملانے سے نصاب پورا ہوا ہے تو جس کی تعداد زیادہ ہو زکوٰۃ میں وہی جانور دینا ہوگا اور دونوں کی تعداد برابر ہے تو اختیار ہے کہ جو جانور چاہے دے دے۔

نصاب اور شرحِ زکوٰۃ کی تفصیل یہ ہے:۔

چالیس (۴۰) بھیڑ بکریوں میں زکوٰۃ ایک بھیڑ یا بکری۔

اکتالیس (۴۱) سے ایک سو بیس (۱۲۰) تک کچھ واجب نہیں۔

جب ایک سو اکیس (۱۲۱) ہو جائیں تو دو بکریاں واجب ہیں۔

ایک سو بائیس (۱۲۲) دو سو (۲۰۰) تک کچھ نہیں۔

جب دو سو (۲۰۰) سے ایک زائد ہو جائے تو تین بھیڑ بکریاں واجب ہوں گی۔

پھر دو سو دو (۲۰۲) سے تین سو ننانوے (۳۹۹) تک کچھ نہیں۔ چار سو (۴۰۰) پوری ہونے پر چار بھیڑیں یا بکریاں واجب ہوں گی۔

چارسو (۴۰۰) کے بعد ہر (۱۰۰) کی تعداد پوری ہونے پر ایک بھیڑ یا بکری کے حساب سے زکوٰۃ فرض ہوگی سو (۱۰۰) سے کم تعداد پر کچھ نہیں اور سو (۱۰۰) سے زائد تعداد پر بھی کچھ واجب نہیں۔

بکری اور بھیڑ کی زکوٰۃ میں ایک سال یا اس سے زائد کا بچہ دینا چاہیے۔

گائے بھینس کا نصاب اور شرح زکوٰۃ

زکوٰۃ کے معاملے میں گائے اور بھینس کا ایک حکم ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بھینس کو گائے پر قیاس کر کے اس پر بھی وہی زکوٰۃ عائد کی جو گائے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمائی تھی۔ دونوں کا نصاب بھی ایک ہے اور دونوں کی شرحِ زکوٰۃ بھی، کسی کے پاس دونوں قسم کے جانور ہوں تو دونوں کو ملا کر نصاب پورا ہونے پر زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔ البتہ زکوٰۃ میں وہی جانور دیا جائے گا، جس کی تعداد زیادہ ہو، اور اگر گائے اور بھینس دونوں کی تعداد برابر ہو تو اختیار ہے کہ چاہے زکوٰۃ میں گائے دے یا بھینس دے۔

نصاب اور شرحِ زکوٰۃ کی تفصیل یہ ہے:

جو شخص تیس (۳۰) گائے بھینسوں کا مالک ہو جائے اس پر زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے۔ اس سے کم پر زکوٰۃ فرض نہیں۔

تیس (۳۰) گائے بھینسوں میں گائے یا بھینس کا ایک بچہ جو پورے ایک سال کا ہو دینا ہوگا۔

اکتیس (۳۱) سے انتالیس (۳۹) تک کچھ واجب نہیں۔ چالیس (۴۰) گائے بھینسوں میں ایک ایسا بچہ واجب ہے جو پورے دو سال کا ہو۔

اکتالیس (۴۱) سے انسٹھ (۵۹) تک کچھ واجب نہیں۔ ساٹھ گائے بھینسوں میں ایک ایک سال کے دو بچے واجب ہیں۔ ساٹھ سے زائد میں ہر تیس (۳۰) گائے بھینسوں پر ایک سال کا بچہ اور ہر چالیس (۴۰) گایوں پر دو سال کا بچہ دینا ہوگا۔

مثلاً کسی کے پاس ستر (۷۰) گائے بھینس ہیں تو ستر (۷۰) میں دو نصاب ہیں ایک چالیس

(۴۰) کا اور دوسرا تیس (۳۰) کا اور اگر اسّی (۸۰) گائیں ہو جائیں تو چالیس، چالیس کے دو نصاب ہو جاتے ہیں لہٰذا دو دو سال کے دو بچے واجب ہوں گے۔ اور اگر نوے (۹۰) ہو جائیں تو تیس تیس کے تین نصاب ہو جائیں گے جس میں ہر تیس پر ایک سالہ بچے کی شرح سے زکوٰۃ دینا ہو گی۔

اونٹ کا نصاب اور شرحِ زکوٰۃ

جو شخص پانچ اونٹوں کا مالک ہو وہ صاحبِ نصاب ہے اور اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اس سے کم اونٹوں پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

نصاب اور شرحِ زکوٰۃ کی تفصیل یہ ہے:

پانچ اونٹوں پر ایک بکری واجب ہے، اور نو (۹) اونٹوں تک ایک ہی بکری واجب ہو گی۔

دس اونٹوں پر دو بکریاں دینا ہوں گی اور چودہ اونٹوں تک یہی شرح زکوٰۃ رہے گی۔

پندرہ اونٹوں پر تین بکریاں، اور انیس (۱۹) تک یہی زکوٰۃ واجب رہے گی۔ بیس اونٹ ہو جائیں تو چار بکریاں واجب ہوں گی اور چوبیس اونٹوں تک یہی شرح زکوٰۃ رہے گی۔

پچیس (۲۵) اونٹ ہو جائیں تو ایک ایسی اونٹنی واجب ہو گی جس کا دوسرا سال شروع ہو چکا ہو۔

چھبیس (۲۶) سے پینتیس (۳۵) اونٹوں تک کچھ واجب نہیں۔

چھتیس (۳۶) اونٹ ہو جائیں تو ایک ایسی اونٹنی واجب ہو گی جس کا تیسرا سال شروع ہو چکا ہو۔

سینتیس (۳۷) سے پینتالیس (۴۵) تک کچھ واجب نہیں۔

چھیالیس (۴۶) میں ایسی اونٹنی واجب ہے جس کا چوتھا سال شروع ہو چکا ہو۔

سینتالیس (۴۷) سے ساٹھ تک کچھ واجب نہیں۔

اکسٹھ (۶۱) اونٹوں میں ایک ایسی اونٹنی واجب ہے جس کا پانچواں سال شروع ہو چکا ہو۔

باسٹھ (۶۲) سے پچھتر (۷۵) تک کچھ واجب نہیں۔

چھیتر (۷۶) ہونے پر ایسی دو اونٹنیاں واجب ہوں گی جن کا تیسرا سال شروع ہو چکا ہو۔

ستتر (۷۷) سے نوے (۹۰) تک کچھ واجب نہیں۔

اکیانوے (۹۱) اونٹ ہو جائیں تو دو ایسی اونٹنیاں واجب ہوں گی جن کا چوتھا سال شروع ہو چکا ہو۔

پھر ایک سو بیس (۱۲۰) اونٹوں تک یہی دو اونٹنیاں واجب ہوں گی اِس کے بعد پھر وہی حساب دوبارہ شروع ہو جائے گا۔ پانچ پر ایک بکری اور دس پر دو بکریاں۔

ادائے زکوٰۃ کے لئے ایک ضروری وضاحت

سونا، چاندی، اور مویشی کی جوز کوٰۃ واجب ہو وہ سونا، چاندی اور جانور کی شکل میں بھی ادا کی جاسکتی ہے اور نقدی کی شکل میں بھی، اسی طرح زیور کی زکوٰۃ میں بھی سونا یا چاندی دینا ضروری نہیں۔ بازار کے رائج نرخ سے اس کی قیمت کا حساب کر کے نقدی بھی دی جا سکتی ہے۔

مصارفِ زکوٰۃ

قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے نہ صرف زکوٰۃ کی اہمیت وعظمت اور تاکید بیان فرمائی ہے بلکہ صراحت کے ساتھ اس کے مصارف بھی بیان فرما دیئے ہیں۔

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ٥ (سورۂ توبہ آیت ۶۰)

"یہ صدقات تو صرف فقیروں اور مسکینوں کے لئے ہیں اور ان لوگوں کے لئے ہیں، جو صدقات کے کام پر مامور ہوں اور ان کے لئے ہیں جن کی تالیفِ قلب مطلوب ہو، اور گردنوں کو چھڑانے اور قرض داروں کی مدد کرنے کے لئے ہیں، اور خدا کی راہ میں، اور مسافر نوازی میں صرف کرنے کے لئے ہیں۔ ایک فریضہ خدا کی طرف سے اور اللہ سب کچھ جاننے والا اور دانا و بینا ہے۔"

اس آیت میں زکوٰۃ کے آٹھ مصارف بیان کئے گئے ہیں:

(۱) فقراء (۲) مساکین (۳) عاملینِ زکوٰۃ (۴) مؤلفۃ القلوب (۵) رقاب (۶) غارمین (۷) فی سبیل اللہ (۸) ابن السبیل۔

زکوٰۃ کی رقم اِن آٹھ مدوں ہی میں صرف کی جاسکتی ہے ان کے سوا کسی اور مد میں صرف کرنا جائز نہیں۔

''حضرت زیاد بن الحارث الصدائی ایک واقعہ نقل کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ زکوٰۃ کے مال میں سے مجھے بھی عنایت فرمایئے! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا۔ اللہ نے زکوٰۃ کے مصارف کو نہ تو کسی نبی کی مرضی پر چھوڑا ہے اور نہ کسی غیر نبی کی بلکہ خود ہی اس کا فیصلہ فرمادیا ہے اور اس کی آٹھ مدیں مقرر فرمادی ہیں۔ تم اگر ان مدوں میں سے کسی مد میں آتے ہو تو میں تمہیں ضرور زکوٰۃ کی مد سے دے دوں گا۔''

مداتِ زکوٰۃ کی تفصیل

(۱) فقیر

فقیر سے مُراد ہر وہ عورت اور مرد ہے جو اپنی گزراوقات کے لئے دوسروں کی مدد اور تعاون کا محتاج ہو، اس میں وہ تمام نادار، محتاج، معذور داخل ہیں جو مستقل طور پر یا عارضی طور پر مالی تعاون کے مستحق ہوں، معذور، اپاہج، یتیم بچے، بیوائیں، ضعیف، بے روزگار اور وہ لوگ جو ناگہانی حادثے کا شکار ہوگئے ہوں، زکوٰۃ کی مد سے اِن کی وقتی اعانت بھی جائز ہے اور ان کے مستقل وظائف بھی مقرر کئے جاسکتے ہیں۔

(۲) مسکین

اس سے مُراد وہ شریف غرباء ہیں جو بے چارے نہایت ہی خستہ حال اور درماندہ ہوں، لیکن

اپنی عزتِ نفس اور شرم کی وجہ سے کسی کے آگے دستِ سوال بھی دراز نہ کرنا چاہتے ہوں، اپنی روزی روٹی کمانے کے لئے وہ ہاتھ پیر مارتے ہوں۔ لیکن دوڑ دھوپ کے باوجود اُنہیں ضرورت بھر نہ ملتا ہو، اور لوگوں پر اپنا حال کھلنے نہ دیتے ہوں۔ حدیث میں مسکین کی تشریح یہ ہے۔

اَلَّذِیْ لَا یَجِدُ غِنیً یُّغْنِیْهِ وَلَا یُفْطَنَ لَهٗ فَیَتَصَدَّقَ وَلَا یَقُوْمُ فَیَسْأَلُ النَّاسَ (بخاری ومسلم)

جو نہ اپنی ضرورت بھر مال پاتا ہے نہ (اپنی خودداری کی وجہ سے) پہچانا جاتا ہے کہ لوگ اس کی مالی امداد کریں۔ اور نہ کھڑے ہو کر لوگوں سے مانگتا ہے۔

(۳) عاملینِ زکوٰۃ

ان سے مُراد وہ لوگ ہیں جو زکوٰۃ اور عُشر کی تحصیل، حفاظت، تقسیم اور اس کے حساب کتاب کے ذمہ دار ہوں وہ صاحبِ نصاب ہوں یا نہ ہوں ہر حال میں ان کی تنخواہیں زکوٰۃ کی مد سے دی جاسکتی ہیں۔

(۴) مؤلّفۃ القلوب

اس سے مُراد وہ لوگ ہیں، جن کی تالیفِ قلب مطلوب ہو، اسلام اور اسلامی مملکت کے مفاد میں ان کو ہموار کرنا۔ اور مخالفت کے جوش کو ٹھنڈا کرنا پیش نظر ہو، کافر بھی ہو سکتے ہیں اور وہ مسلمان بھی جن کا اسلام ان کو اسلام اور اسلامی مملکت کے مفاد کی خدمت پر اُبھارنے کے لئے کافی نہ ہو، یہ لوگ اگر صاحبِ نصاب بھی ہوں تو بھی ان کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ اسلام کے آغاز میں اس طرح کے لوگوں کی تالیفِ قلب کے لئے زکوٰۃ میں سے دیا جاتا تھا لیکن حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں اس طرح کے لوگوں کو زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا[1] اور اب یہ مَد ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئی ہے۔ یہی مسلک امام مالکؒ کا بھی ہے البتہ بعض دوسرے فقہاء کی رائے یہ ہے کہ یہ مَد اب بھی باقی ہے اور

[1] اصل واقعہ یہ تھا، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد عیینہ بن حصن اور اقرع بن حابس (بقیہ اگلے صفحہ پر)

حسبِ ضرورت تالیفِ قلب کے لئے زکوٰۃ کا مال صرف کیا جا سکتا ہے۔[1]

(۵) غلام کو آزاد کرانا

یعنی جو غلام اپنے آقا سے یہ معاہدہ کر چکا ہو کہ اگر میں تمہیں اتنی رقم ادا کردوں تو تم مجھے

(پچھلے کا بقیہ) حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے اور انہوں نے ایک زمین آپ سے طلب کی آپ نے ان کو عطیہ کا فرمان لکھ دیا۔ انہوں نے چاہا کہ مزید پختگی کے لئے دوسرے اعیان صحابہ بھی اس فرمان پر گواہیاں ثبت کردیں۔ چنانچہ گواہیاں بھی ہوگئیں مگر جب یہ لوگ حضرت عمرؓ کے پاس گواہیاں لینے گئے تو انہوں نے فرمان کو پڑھ کر اُسے اُن کی آنکھوں کے سامنے چاک کردیا۔ اور ان سے کہا بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم لوگوں کی تالیفِ قلب کے لئے تمہیں دیا کرتے تھے مگر وہ اسلام کی کمزوری کا زمانہ تھا۔ اب اللہ نے اسلام کو تم جیسے لوگوں سے بے نیاز کردیا ہے اس پر وہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس شکایت لے کر آئے اور آپ کو طعنہ بھی دیا کہ خلیفہ آپ ہیں یا عمر؟ لیکن نہ تو حضرت ابوبکرؓ ہی نے اس پر کوئی نوٹس لیا اور نہ دوسرے صحابہؓ میں سے ہی کسی نے حضرت عمرؓ سے اختلاف کیا اس سے حنفیہ یہ استدلال کرتے ہیں کہ جب مسلمان کثیر التعداد ہوگئے اور ان کو یہ طاقت حاصل ہوگئی کہ اپنے بل بوتے پر کھڑے ہوسکیں تو وہ محرک باقی نہ رہا۔ جس کی وجہ سے ابتداءً مؤلفۃ القلوب کا حصہ رکھا گیا تھا۔ اس لئے باجماعِ صحابہ یہ حصہ ہمیشہ کے لئے ساقط ہوگیا (تفہیم القرآن ج دوم صفحہ ۲۰٦)

---

[1] مولانا مودودیؒ صاحب اس موضع پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

''ہمارے نزدیک حق یہ ہے کہ مؤلفۃ القلوب کا حصہ قیامت تک ساقط ہوجانے کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے بلاشبہ حضرت عمرؓ نے جو کچھ کہا وہ بالکل صحیح تھا۔ اگر اسلامی حکومت تالیفِ قلب کے لئے مال صرف کرنے کی ضرورت نہ سمجھتی ہو۔ تو کسی نے اس پر فرض نہیں کیا ہے کہ ضرور ہی اس مَد میں کچھ نہ کچھ صرف کرے لیکن اگر کسی وقت اس کی ضرورت محسوس ہو تو اللہ نے اس کے لئے جو گنجائش رکھی ہے اسے باقی رہنا چاہئے۔ حضرت عمرؓ اور صحابہ کرام کا اجماع جس امر پر ہوا تھا۔ وہ صرف یہ تھا کہ ان کے زمانے میں جو حالات تھے ان میں تالیفِ قلب کے لئے کسی کو کچھ دینے کی وہ حضرات ضرورت محسوس نہ کرتے تھے اس سے یہ نتیجہ نکالنے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے کہ صحابہؓ کے اجماع نے اس مد کو قیامت تک کے لئے ساقط کردیا جو قرآن میں بعض اہم مصالحِ دینی کے لئے رکھی گئی تھی۔'' (تفہیم القرآن ج دوم صفحہ ۲۰۷)

آزاد کردو۔ایسے غلام کو مکاتب کہتے ہیں ۔مکاتب کو آزادی کی قیمت ادا کرنے کے لئے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے عام غلاموں کو زکوٰۃ کی رقم سے خرید کر آزاد کرنا جائز نہیں۔[1] اگر کسی زمانے میں غلام موجود نہ ہوں تو یہ مد ساقط رہے گی۔

(۶) قرضدار

ایسے لوگ جو قرض کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہوں،اور اپنی ضرویات بچا کر قرض ادا نہ کر پا رہے ہوں،خواہ بے روزگار ہوں یا کمانے والے اور ان کے پاس اتنا نہ ہو کہ اگر اپنا قرض چکائیں تو ان کے پاس بقدرِ نصاب باقی رہے اور اس سے وہ لوگ بھی مراد ہیں جو کسی ناگہانی حادثے کا شکار ہو گئے ہوں،کوئی تاوان یا غیر معمولی جرمانہ دینا پڑا یا کاروبار فیل ہو گیا یا کوئی اور حادثہ پیش آیا اور سارا اثاثہ تباہ ہو گیا۔

(۷) فی سبیل اللہ

اس سے مراد راہِ خدا میں جہاد ہے، جہاد کا لفظ قتال کے مقابلے میں عام ہے اور جہاد فی سبیل اللہ میں وہ ساری کوششیں شامل ہیں جو مجاہدین نظامِ باطل کو مٹا کر نظام اسلامی کو قائم کرنے کے لئے کریں، چاہے وہ قلم وزبان سے ہوں، یا تلوار سے یا ہاتھ پاؤں کی محنت اور دوڑ دھوپ سے، اس کا دائرہ نہ تو اتنا محدود ہے کہ اس سے مراد محض قتال ہو اور نہ اتنا وسیع ہے کہ اس میں رفاہِ عام کے سارے کام شامل سمجھ لئے جائیں ۔ جہاد فی سبیل اللہ سے بالاتفاق! اسلاف نے صرف وہی کوششیں مراد لی ہیں جو دینِ حق کو قائم کرنے اس کی اشاعت وتبلیغ کرنے اور اسلامی مملکت کی حفاظت اور دفاع کے لئے کی جائیں،اس جدوجہد میں جو لوگ شریک ہوں ان کے مصارفِ سفر، ان کی سواری، آلات واسلحہ اور سروسامان کی فراہمی کے لئے زکوٰۃ کی رقم صرف کی جاسکتی ہے۔

---

[1] یہی مسلک امام شافعی کا بھی ہے۔

نیز اس سے مُراد وہ زائرین حرم ہیں جو حج کے ارادے سے روانہ ہوں اور راہ میں کسی حادثے کا شکار ہو کر مالی تعاون کے محتاج ہوں اور وہ طلبہ بھی مراد ہیں جو دین کا علم حاصل کرنے میں لگے ہوئے ہیں، اور حاجت مند ہیں۔

(۸) ابن السّبیل

یعنی مسافر:- مسافر خواہ اپنے گھر میں خوش حال اور دولت مند ہو، لیکن حالتِ سفر میں اگر وہ مالی مدد کا محتاج ہے تو زکوٰۃ کی مد سے اس کی مدد کی جاسکتی ہے۔

مصارفِ زکوٰۃ کے چند مسائل

(۱) ضروری نہیں کہ زکوٰۃ کی رقم ان سارے ہی مصارف میں تقسیم کی جائے جو قرآن میں بیان کئے گئے ہیں بلکہ حسبِ ضرورت اور موقع جن جن مصارف میں اور جس جس مقدار میں مناسب ہو خرچ کیا جاسکتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر ضرورت پڑ جائے تو کسی ایک ہی مصرف میں ساری زکوٰۃ خرچ کی جاسکتی ہے۔

(۲) زکوٰۃ کے جو مصارف ہیں وہی مصارفِ عُشر اور صدقۂ فطر کے بھی ہیں۔ البتہ نفلی صدقات میں اختیار ہے۔

(۳) بنی ہاشم کے لوگ اگر زکوٰۃ کی وصولیابی اور تقسیم وحفاظت کے کام پر مامور کئے جائیں تو ان کا معاوضہ مدِ زکوٰۃ سے دینا جائز نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات اور اپنے خاندان یعنی بنی ہاشم کے لوگوں پر زکوٰۃ کا مال حرام کر دیا ہے۔ البتہ بنی ہاشم کے لوگ معاوضہ لئے بغیر اگر یہ خدمت انجام دینا چاہیں تو انجام دے سکتے ہیں جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود صدقات کی تحصیل وتقسیم کا کام ہمیشہ معاوضہ لئے بغیر ہی کیا۔

(۴) عام حالات میں کسی بستی کی زکوٰۃ اسی بستی کے حاجت مندوں اور ناداروں پر صرف

کرنا چاہئے۔ یہ مناسب نہیں ہے کہ اس بستی کے لوگ محروم رہیں اور زکوٰۃ دوسرے مقامات پر بھیج دی جائے۔ ہاں اگر دوسرے مقامات پر ضرورت شدید ہو۔ یا دینی مصلحت کا تقاضا ہو، مثلاً کسی مقام پر زلزلہ آگیا، قحط پڑ گیا یا اور کوئی ناگہانی مصیبت آگئی یا کوئی تباہ کن فساد ہو گیا یا دوسرے مقامات پر کچھ دینی ادارے ہیں جو مالی تعاون کے محتاج ہیں یا رشتہ دار رہتے ہیں تو ان صورتوں میں دوسرے مقامات پر زکوٰۃ بھیجنا جائز ہے، لیکن یہ خیال رہے کہ اپنی بستی کے حاجت مند بالکل محروم نہ رہ جائیں۔

وہ لوگ جن کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں

سات قسم کے افراد کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں، اِن کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ اِن کی تفصیل اس طرح ہے۔

(۱) ماں باپ کو اُوپر تک:۔ یعنی دادا، دادی، نانا، نانی اور پھر ان کے ماں باپ کو اُوپر تک۔

(۲) اولاد کو نیچے تک:۔ یعنی بیٹا، بیٹی، ان کی اولاد، پوتا، پوتی، نواسا، نواسی اور پھر ان کی اولاد نیچے تک۔

(۳) اپنے شوہر کو۔

(۴) اپنی بیوی کو۔

ان رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینے کے معنٰی بالآخر یہ ہوتے ہیں گویا زکوٰۃ کے مال سے اپنی ہی ذات کو نفع پہنچایا۔ لیکن اس کے معنٰی یہ ہرگز نہیں ہیں کہ اپنے مال سے آدمی ان کا تعاون نہ کرے، بلکہ شریعت کی جانب سے اپنے ان رشتہ داروں کی کفالت اور مالی تعاون ہر مسلمان پر لازم ہے ان چار رشتوں کے علاوہ باقی سارے رشتہ داروں کو نہ صرف یہ کہ زکوٰۃ دینا جائز ہے بلکہ بہتر ہے اور زیادہ اجر و ثواب کا باعث ہے۔

(۵) صاحبِ نصاب خوش حال آدمی کو بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ اور نہ کسی فقیر اور نادار کو اتنا

دینا جائز ہے کہ وہ صاحبِ نصاب ہو جائے۔ ہاں اگر وہ مقروض ہو یا کثیر العیال ہو تو حسبِ ضرورت زیادہ سے زیادہ دے سکتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ صدقہ مال دار آدمی کے لئے جائز نہیں سوائے ان پانچ افراد کے (۱) راہِ خدا میں جہاد کرنے والا (۲) صدقہ کی تحصیل وغیرہ کا کام کرنے والا (۳) مقروض (۴) یا وہ شخص جو اپنی دولت سے صدقہ کا مال خریدے (۵) یا وہ شخص جس کا پڑوسی مسکین ہو پھر اس مسکین کو صدقہ ملے اور وہ مسکین اپنے دولت مند پڑوسی کو بطورِ ہدیہ پیش کر دے۔ (مؤطا امام مالک)

(۶) غیر مسلم کو بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

(۷) بنی ہاشم کی اولاد میں تین خاندانوں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

۱- حضرت عباسؓ کی اولاد کو۔

۲- حارث کی اولاد کو۔

۳- ابوطالب کی اولاد کو۔

سادات بنی فاطمہ اور ساداتِ علوی اس تیسرے خاندان میں داخل ہیں، کیونکہ وہ حضرت علیؓ کی اولاد ہیں۔

البتہ آج یہ تحقیق انتہائی دُشوار ہے کہ فی الواقع کون بنی ہاشم میں سے ہے اس لئے بیت المال سے تو ہر حاجت مند کی اعانت ہونی چاہیے، ہاں جس کو اپنے ہاشمی ہونے کا یقین ہو وہ زکوٰۃ نہ لے۔

"امام مالکؒ فرماتے ہیں مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدقہ کا مال آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے جائز نہیں اس لئے کہ صدقہ لوگوں کا میل ہی تو ہے

(مؤطا امام لک)

زکوٰۃ کے متفرق مسائل

(۱) کسی شخص پر آپ کی کچھ رقم قرض ہے، اور اس کے حالات تنگ ہیں — اگر آپ اپنی

زکوٰۃ میں وہ رقم اس کو معاف کر دیں تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی - البتہ قرض کے بقدر اس کو زکوٰۃ میں دے دینے کے بعد اگر وہ شخص وہی رقم آپ کو اپنے قرض میں دیدے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

(۲) گھر میں کام کاج کرنے والے نوکر چاکر، خادم، ماما، دائی وغیرہ کو زکوٰۃ دینا درست ہے۔ البتہ خدمت کے معاوضے اور تنخواہ میں ان کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

(۳) ناداروں کے کپڑے بنانے، سردی کے موسم میں کمبل لحاف بنوا دینے اور شادی وغیرہ کی ضروریات مہیا کر دینے میں زکوٰۃ کی رقم صرف کی جاسکتی ہے۔

(۴) جس خاتون نے کسی بچے کو دودھ پلایا ہے اگر وہ بچہ نادار اور حاجتمند ہو تو اس کو زکوٰۃ کا پیسہ دے سکتی ہے اور وہ بچہ بھی جوان ہونے کے بعد دودھ پلانے والی کو زکوٰۃ دے سکتا ہے۔ یعنی رضاعی ماں کو بھی زکوٰۃ دی جاسکتی ہے اور رضاعی بیٹے اور بیٹی کو بھی۔

(۵) ایک شخص کو مستحق سمجھ کر آپ نے زکوٰۃ دے دی پھر بعد میں معلوم ہوا کہ یہ تو صاحبِ نصاب ہے، یا ہاشمی سیّد ہے۔ یا تاریکی میں دی اور بعد میں معلوم ہوا کہ جس کو زکوٰۃ دی ہے وہ اپنی والدہ یا اپنی لڑکی تھی، یا اور کوئی ایسا رشتہ دار تھا، جس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں، تو ان تمام صورتوں میں زکوٰۃ ادا ہوگئی دوبارہ زکوٰۃ ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے، البتہ لینے والے کو معلوم ہو کہ میں مستحق نہیں ہوں تو نہ لے اور اگر بعد میں معلوم ہو تو واپس کر دے۔

(۶) آپ نے کسی کو حاجت مند سمجھ کر زکوٰۃ دے دی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ شخص غیر مُسلم تھا، تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی دوبارہ ادا کرنا ہوگی۔

(۷) نوٹ، سکے، اموالِ تجارت جو چیز بھی سونے یا چاندی کے نصاب کے بقدر ہو جائے، زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔ مثلاً کسی کے پاس کچھ نوٹ ہیں اور کچھ مختلف سکے ہیں اور سب ملا کر ۵۲$\frac{1}{2}$ (ساڑھے باون) تولے چاندی کے بقدر بنتے ہیں یا اتنے ہی کا مالِ تجارت ہے تو اگر سونے کا نصاب پورا نہیں ہوتا لیکن چاندی کا نصاب پورا ہو جاتا ہے، تو یہ شخص صاحبِ نصاب ہوگا اور اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی اس لئے کہ چاندی کا نصاب بن جاتا ہے۔

(۸) کسی شخص کو عطیے میں یا انعام میں کوئی مال ملا اگر وہ بقدرِ نصاب ہے تو سال گزرنے پر اس سے زکوٰۃ وصول کی جائے گی۔

(۹) بینکوں میں رکھی ہوئی امانتوں پر زکوٰۃ واجب ہے۔

(۱۰) ایک شخص سال بھر مختلف طریقوں سے صدقہ اور خیرات کرتا رہا لیکن اس نے زکوٰۃ کی نیت نہیں کی تھی، سال گزرنے پر وہ اس خیرات کئے ہوئے مال کو زکوٰۃ میں محسوب نہیں کرسکتا اس لئے کہ زکوٰۃ نکالنے کے لئے زکوٰۃ کی نیت کرنا شرط ہے۔ ہاں اگر زکوٰۃ کی نیت سے سال بھر تک حاجت مندوں کو دیتا رہا تو زکوٰۃ ادا ہوگئی۔

زکوٰۃ کی رقم منی آرڈر کے ذریعے بھیجی جاسکتی ہے۔[۱] اور زکوٰۃ کی مد سے ہی منی آرڈر کی فیس ادا کرنا بھی جائز ہے۔

عُشر کا بیان

عُشر کے معنیٰ

عُشر کے لغوی معنیٰ ہیں دسواں حصہ۔ لیکن اصطلاح میں عشر سے مُراد پیداوار کی زکوٰۃ ہے جو بعض زمینوں میں پیداوار کا دسواں حصہ ہوتا ہے اور بعض زمینوں میں پیداوار کا بیسواں حصہ۔

عُشر کا شرعی حکم

قرآنِ پاک کا ارشاد:

یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ۔ (سورہ البقرہ آیت ۲۶۷)

---

[۱] فتاویٰ دیوبند جلد سوم

اے ایمان والو! راہِ خدا میں بہتر حصہ خرچ کرو۔ اپنی کمائی میں سے اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہے:۔

وَاٰتُوْحَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ (الانعام:۱۴۱)

اور اللہ کا حق ادا کرو جس دن تم ان (باغوں، کھیتوں) کی فصل کاٹو۔

مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ اس سے مُراد پیداوار کی زکوٰۃ یعنی عُشر ہے۔

قرآنِ پاک کی ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ پیداوار میں عُشر فرض ہے اور حدیثِ رسولؐ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ آپؐ کا ارشاد ہے:۔

''جو زمین بارش یا چشمے کے پانی سے سیراب ہوتی ہے یا خود بخود (دریا کے قریب ہونے کی وجہ سے) سیراب ہو اس میں عُشر واجب ہے اور جو کنویں (وغیرہ) سے پانی کھینچ کر سیراب کی جاتی ہے اس میں نصف عُشر واجب ہے۔

عُشر کی شرح

● جس کھیت یا باغ کو بارش کا پانی، چشمے، دریا، ندی، اور قدرتی نالوں کا پانی سیراب کرتا ہو یا جو زمین دریا کے کنارے واقع ہونے کی وجہ سے قدرتی طور پر نرم اور سیراب رہتی ہو اس میں پیداوار کا دسواں حصہ عُشر میں نکالنا واجب ہے اور جو کھیت یا باغ آب پاشی کے مصنوعی ذرائع مثلاً ٹیوب ویل، رہٹ وغیرہ سے سیراب کئے جاتے ہوں ان میں پیداوار کا بیسواں حصہ یعنی نصف عُشر نکالنا واجب ہوتا ہے۔

● عُشر خدا کا حق ہے اور یہ کل پیداوار کا واقعی دسواں حصہ یا بیسواں حصہ ہوتا ہے، لہٰذا غلہ یا پھل جب قابلِ استعمال ہو جائیں تو پہلے عُشر نکال لیا جائے پھر وہ غلہ یا پھل استعمال کئے جائیں۔ عشر نکالے بغیر استعمال کرنا جائز نہیں ورنہ واقعی دسواں یا بیسواں حصہ خدا کی راہ میں نہ

جائے گا۔

کن چیزوں میں عُشر واجب ہے

● زمین کی ہر پیداوار میں عُشر واجب ہے۔اس پیداوار میں بھی جو ذخیرہ کر کے رکھی جاسکتی ہے،مثلاً غلہ،سرسوں،تلی،مونگ پھلی،گنا،کھجور،خشک میوے وغیرہ،اوراس پیداوار میں بھی جو ذخیرہ کر کے نہیں رکھے جاسکتے،مثلاً سبزی،ترکاری،ککڑی،کھیرا،گاجر،مولی شلجم،تربوزہ،خربوزہ،لیمو،سنگترہ،امرود،مالٹا،آم،جامن وغیرہ [1]

● شہد پر بھی عُشر واجب ہے،علماء اہل حدیث بھی شہد میں عُشر کے قائل ہیں۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اَدُّوْ الْعُشْرَ فِیْ الْعَسْلِ (البیہقی)

شہد میں عُشر ادا کرو۔

نیز شہد کی شرح عُشر واضح کرتے ہوئے فرمایا:۔

فِیْ کُلِّ عَشْرَۃِ اَزْقَاقٍ زِقٌّ (جامع ترمذی)

ہر دس مَشک شہد میں ایک مَشک عُشر واجب ہے۔

اور حضرت ابو سیادہؓ کا بیان ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا،یا رسول اللہؐ! میرے پاس شہد کی مکھیاں (پلی ہوئی) ہیں تو آپ نے حکم دیا پھر اس کا عُشر ادا کرو۔[2]

---

[1] بعض فقہا کے نزدیک سبزی،ترکاری،پھول پھل وغیرہ جو ذخیرہ کر کے نہیں رکھے جاتے ان پر عُشر واجب نہیں ہے،البتہ کاشتکار اگر انہیں مارکیٹ میں فروخت کرتا ہے تو اس پر تجارتی زکوٰۃ واجب ہوگی جب کہ وہ بقدرِ نصاب ہو یعنی کاروبار کا تجارتی سرمایہ سال کے آغاز اور اختتام پر دو سو درہم یا اس سے زائد ہو۔

[2] امام مالکؒ اور حضرت سفیانؒ کے نزدیک شہد میں عشر نہیں ہے،امام شافعیؒ کا مشہور قول بھی یہی ہے اور امام بخاریؒ فرماتے ہیں شہد کی زکوٰۃ کے معاملے میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے،بیہقی میں ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے شہد کا عُشر لایا اور درخواست کی کہ سبلہ جنگل کی حفاظت کا انتظام فرمادیجئے۔۔۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

انہی روایات کی بناپر حنفیہ اہل حدیث، احمد بن حنبلؒ عمر بن عبدالعزیزؒ وغیرہ شہد کو محل عُشر مانتے ہیں اور امام شافعیؒ کا ایک قول بھی اس کے حق میں ہے، صحابہ میں سے ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ بھی اسی کے قائل تھے۔

عُشر کے مسائل

(۱) عُشر کل پیداوار کا وصول کیا جائے گا اور عُشر ادا کرنے کے بعد باقی پیداوار سے ہل بیل اور سینچائی، نگرانی وغیرہ کے مصارف ادا کئے جائیں گے۔ مثلاً کسی کھیت میں بیس کوئنٹل غلہ پیدا ہوا ہے تو پہلے دو کوئنٹل غلہ عشر میں ادا کیا جائے پھر باقی ماندہ اٹھارہ کوئنٹل غلے سے کھیتی باڑی کے دوسرے مصارف ادا کئے جائیں گے۔

(۲) پیداوار جس وقت سے قابلِ استعمال ہو جائے اسی وقت اس پر عشر واجب ہو جاتا ہے، مثلاً چنا، مکئی اور آم وغیرہ پکنے سے پہلے ہی استعمال ہونے لگتے ہیں، لہٰذا اسی وقت جتنی پیداوار ہے اس کا عشر نکالنا ہوگا عشر نکالنے سے پہلے اس کو استعمال میں لانا درست نہیں۔

(۳) اگر کوئی شخص اپنی کھیتی یا باغ جس میں پھل آچکے ہیں فروخت کر ڈالے تو پکنے سے پہلے فروخت کرنے کی صورت میں عشر خریدار پر واجب ہوگا اور اگر پکنے کے بعد فروخت کیا ہے تو عشر بیچنے والے کے ذمے ہوگا۔

(۴) زمین میں جو شخص کاشت کر رہا ہے عشر اسی پر واجب ہوگا خواہ وہ کرایہ پر زمین لے کر

(پچھلے صفحہ کا بقیہ) آپ نے اس جنگل کی حفاظت کا انتظام فرما دیا۔ پھر جب حضرت عمرؓ کا دَورِ خلافت آیا تو سفیان بن وہب نے حضرت عمرؓ سے اس بارے میں تحقیق چاہی آپ نے لکھ بھیجا کہ وہ جو کچھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے۔ تمہیں بھی دیں تو لے لو اور سبلہ جنگل کی حفاظت کا بندوبست کر دو۔ ورنہ وہ تو مکھی (سے پیدا ہونے والی چیز) آسمانی بارش کے مانند ہے جو چاہے اسے استعمال کرے۔'' مولانا مودودی صاحبؒ کی رائے یہ ہے کہ شہد کی پیداوار پر تو زکوٰۃ نہ ہو، البتہ اس کی تجارت پر وہی زکوٰۃ عائد ہو جو دوسرے اموالِ تجارت پر عائد ہوتی ہے۔ یہی قول زیادہ قرینِ صواب معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم (مرتب)

کاشت کر رہا ہو یا عاریتاً زمین لے کر کاشت کر رہا ہو۔

(۵) اگر دو افراد شرکت میں کھیتی باڑی کر رہے ہوں تو عشر دونوں شرکاء پر ہوگا۔ خواہ بیج ایک ہی شریک کا ہو۔

(۶) عشر فرض ہونے کے لئے کسی نصاب کی شرط نہیں ہے۔[۱] پیداوار تھوڑی ہو یا کم عشر بہر حال فرض ہوگا۔ البتہ ایک صاع یعنی دو ڈھائی کلو سے کم پیداوار قابلِ لحاظ نہیں ہے۔

(۷) عشر میں سال گزرنے کی قید نہیں ہے بلکہ جن زمینوں میں سال کے اندر دو بار کاشت کی جاتی ہے ان میں ہر فصل پر عشر واجب ہے۔

(۸) نابالغ بچے اور کم عقل دیوانے کی پیداوار میں بھی عشر واجب ہے۔

(۹) وقف کی زمین اگر کوئی کاشت کرے تو اس کاشتکار پر بھی عشر واجب ہے۔

(۱۰) جو زمین بارانی ہو اس میں اگر مصنوعی ذرائع سے بھی آب پاشی کی جائے تو عشر نکالنے میں اس کا لحاظ ہوگا کہ وہ زمین قدرتی ذرائع سے زیادہ سیراب ہوئی ہے یا مصنوعی ذرائع سے۔

(۱۱) عشر ادا کرنے میں یہ اختیار ہے کہ چاہے وہی پیداوار عشر میں ادا کرے یا اس کی قیمت ادا کرے۔

---

[۱] یہ امام اعظم کا مسلک ہے صاحبین اور امام شافعیؒ کے نزدیک پانچ وسق سے کم میں عشر فرض نہیں ہوتا۔ اہل حدیث کے نزدیک بھی پانچ وسق سے کم میں عشر فرض نہیں ہے، اور عشر کی فرضیت کے لئے یہی ایک شرط ہے کہ پیداوار کم از کم پانچ وسق ہو۔ ان کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے۔

لَیْسَ فِیمَا دُوْنَ خَمْسَةَ اَوْسَقٍ صَدَقَةٌ۔ (بخاری)

پانچ وسق سے کم پیداوار میں صدقہ (عُشر) واجب نہیں۔

ہوسکتا ہے، امام صاحب کے سامنے یہ حدیث نہ رہی ہو یا پھر صدقہ اور خیرات کے جذبے کو اُبھارنے کی خاطر جو مطلوب ہے یہ رائے ظاہر کی ہو، لیکن ظاہر ہے اس صورت میں ترغیب تو دی جاسکتی ہے لیکن واجب و فرض نہیں کہا جاسکتا۔

(۱۲) ہندوستان میں جو زمینیں مسلمانوں کی ملکیت میں ہیں ان کو عشری سمجھنا چاہئے۔ اور مسلمانوں کو عشر ادا کرنا چاہئے۔[۱]

(۱۳) عُشر کی زمین کی مال گزاری دینے سے عُشر ساقط نہیں ہوتا۔[۲]

(۱۴) عُشر کے مصارف بھی وہی ہیں جو زکوٰۃ کے مصارف ہیں۔

رکاز کے مسائل

رکاز سے مُراد دفینہ اور معدنیات ہیں۔ زمین میں پوشیدہ ہونے کی وجہ سے ان کو رکاز کہتے ہیں۔

(۱) برآمد شدہ دفینے میں پانچواں حصہ بیت المال کا ہے حدیث میں ہے۔

فِی الرِّکَازِ الْخُمُس۔ یعنی دفینے میں پانچواں حصہ واجب ہے۔

(۱) کانوں سے نکلنے والی چیزوں میں خواہ وہ دھاتیں ہوں جیسے لوہا، چاندی، سونا، رانگا وغیرہ یا جامد چیزیں ہوں جیسے گندھک وغیرہ ان میں پانچواں حصہ بیت المال کا ہے۔ اور چار حصے کان والے کے۔

(۳) زمین سے نکلنے والی ان چیزوں میں بیت المال کا کوئی حصہ نہیں جو آگ میں ڈالنے سے نرم نہ ہوتی ہوں، جیسے جواہرات وغیرہ، اور رقیق چیزوں میں بھی بیت المال کا کچھ واجب نہیں جیسے تیل اور پٹرول وغیرہ[۳]

---

۱ ہندوستان میں جو اراضی مملوکہ مسلمین ہیں وہ عشری ہیں، کیونکہ اصل وظیفہ مسلمان کی زمین کا عشر ہے پس بحالتِ اشتباہ احوط عشر نکالنا ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم جلد سوم صفحہ ۱۸)

۲ فتاویٰ دار العلوم جلد سوم صفحہ ۱۸

۳ امام احمد بن حنبل کا مسلک یہ ہے کہ معدنیات خواہ وہ دھاتیں ہوں یا جوامد (گندھک وغیرہ) یا مائعات (پٹرول، پارہ وغیرہ) سب پر ڈھائی فی صد زکوٰۃ واجب ہوگی اگر ان کی قیمت بقدرِ نصاب ہو اور یہ پرائیویٹ ملکیت میں ہوں۔ حضرت عمر بن عبد العزیز کے دَور میں اس مسلک پر عمل بھی تھا۔ (المغنی جلد دوم صفحہ ۵۸)

صدقۂ فطر کا بیان

صدقۂ فطر کے معنیٰ

فطر کے لغوی معنیٰ ہیں روزہ کھولنا، اور صدقۂ فطر کے معنیٰ ہیں۔ روزہ کھولنے کا صدقہ۔ اصطلاح میں صدقۂ فطر سے مُراد وہ واجب صدقہ ہے جو رمضان ختم ہونے پر اور روزہ کھلنے پر دیا جاتا ہے۔

جس سال مسلمانوں پر رمضان کے روزے فرض ہوئے اسی سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۂ فطر ادا کرنے کا حکم بھی دیا۔

صدقۂ فطر کی حکمت اور فوائد

رمضان المبارک میں روزے رکھنے والے اپنی حد تک یہ کوشش کرتے ہیں کہ رمضان کا احترام کریں اور ان حدود اور آداب وشرائط کا پورا پورا لحاظ رکھیں، جن کے اہتمام کی شریعت نے تاکید کی ہے، تاہم انسان سے بہت سی شعوری اور غیر شعوری کوتاہیاں ہوجاتی ہیں۔ صدقۂ فطر کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ آدمی خدا کی راہ میں دل کی آمادگی سے اپنی کمائی خرچ کرے تاکہ ان کوتاہیوں کی تلافی ہوسکے اور خدا کے حضور روزہ شرفِ قبول پاسکے۔ اس کے علاوہ عید کے موقع پر صدقۂ فطر دینے کی ایک حکمت اور مصلحت یہ بھی ہے۔ کہ سوسائٹی کے نادار اور غریب افراد بھی اطمینان اور کشادگی کے ساتھ اپنے کھانے پینے اور پہننے اوڑھنے کی ضرورتیں پوری کرسکیں اور دوسرے مسلمانوں کے ساتھ عیدگاہ میں حاضر ہوسکیں، تاکہ عیدگاہ کا اجتماع بھی عظیم الشان ہو اور راستوں میں مسلمانوں کی کثرت سے اسلام کی شان وشوکت کا بھی اظہار ہوسکے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۂ فطر اس لئے مقرر فرمایا ہے کہ وہ روزے داروں کو بے ہودہ کاموں اور بے شرمی کی لغزشوں سے پاک کردے اور نادار

حاجت مندوں کے کھانے پینے کا نظم ہو جائے۔ پس جو شخص عید کی نماز سے پہلے صدقۂ فطر ادا کر دے گا۔ تو وہ صدقہ شرفِ قبول پائے گا، اور جو نماز کے بعد ادا کرے گا تو وہ عام صدقہ و خیرات کی طرح ایک صدقہ ہوگا۔'' (ابوداؤد، ابن ماجہ)

شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں ''عید کا دن، خوشی کا دن ہے، اور اس دن اسلام کی شان و شوکت کا اظہار مسلمانوں کی کثرت اور عظیم اجتماعیت کے ذریعے کیا جاتا ہے اور صدقۂ فطر اس مقصد کی تکمیل ہوتی ہے اس کے علاوہ صدقۂ فطر روزے کی تکمیل کا بھی سبب ہے۔''

(حجۃ البالغہ)

صدقۂ فطر کا حکم

● صدقۂ فطر ہر ایسے خوش حال مسلمان مرد اور عورت بالغ نابالغ پر واجب ہے[1] جس کے پاس اس کی اصلی ضرورتوں سے زیادہ اتنی قیمت کا مال ہو جس پر زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے، خواہ اس مال پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہو یا نہیں[2] مثلاً کسی کے پاس اپنی رہائش گاہ کے علاوہ بھی مکان ہے جو خالی پڑا ہے یا کرایہ پر اٹھا ہوا ہے، اگر اس مکان کی قیمت نصاب کے بقدر ہو تو اس مالک پر صدقۂ فطر واجب ہے اگر چہ اس مکان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے ہاں اگر اسی مکان کے کرائے پر اس کا

---

[1] اہل حدیث کے نزدیک صدقۂ فطر زکوٰۃ کی طرح فرض ہے۔ اور ہر امیر، غریب، مرد، عورت، آزاد، غلام اور چھوٹے بڑے پر فرض ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکے کے گلی کوچوں میں اپنا آدمی بھیج کر یہ اعلان کرایا تھا۔

''آگاہ رہو! صدقۂ فطر ہر مسلمان مرد، عورت آزاد غلام چھوٹے بڑے پر واجب ہے۔'' (ترمذی)

''نیز ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۂ فطر فرض فرمایا ہے ایک صاع کھجور، یا ایک صاع جو، ہر غلام، آزاد، مرد، عورت چھوٹے بڑے مسلمان پر واجب ہے ایک اور یہ حکم فرمایا ہے کہ عید گاہ جانے سے پہلے ادا کریں۔'' (بخاری)

[2] اہل حدیث کے نزدیک صدقۂ فطر کے لئے نصاب کے بقدر مال ہونا ضروری نہیں۔ جس شخص کے پاس بھی ایک روز کی خوراک سے زائد غلہ اور کھانے کا سامان ہو اس پر صدقۂ فطر فرض ہے۔ (اسلامی تعلیم پنجم ص ۱۵۳)

گزارہ ہے تو پھر یہ مکان ''اصلی ضرورت،، میں شمار ہوگا اور اس پر صدقۂ فطر واجب نہ ہوگا۔ یا کسی کے گھر میں استعمال ہونے والے سامان کے علاوہ کچھ سامان ہے، مثلاً تانبے کے برتن، یا قیمتی فرنیچر وغیرہ جس کی مالیت نصاب کے بقدر یا اس سے زائد ہے تو صدقۂ فطر واجب ہو جائے گا۔ اگرچہ اس مال پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

''آگاہ رہو! صدقۂ فطر ہر مسلمان پر واجب ہے وہ مرد ہو یا عورت آزاد ہو یا غلام، چھوٹا ہو یا بڑا۔'' (جامع ترمذی)

● صدقۂ فطر واجب ہونے کے لئے اوپر بیان کئے ہوئے نصاب کے علاوہ کوئی شرط نہیں ہے۔ نہ آزادی شرط ہے نہ بلوغ اور نہ ہوش وخرد۔ غلام پر بھی واجب ہے لیکن اس کا آقا ادا کرے گا۔ نابالغ اور دیوانے پر بھی واجب ہے لیکن اس کا باپ اور ولی ادا کرے گا۔

● صدقۂ فطر واجب ہونے کے لئے یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ مال پر سال گزر جائے بلکہ طلوعِ فجر سے چند لمحہ پہلے بھی اگر کسی کو خدا مال ودولت سے نواز دے تو اس پر صدقۂ فطر واجب ہو جائے گا۔

صدقۂ فطر واجب ہونے کا وقت

● صدقۂ فطر واجب ہونے کا وقت عید کے دن طلوعِ فجر[1] ہے۔ لہٰذا جو شخص طلوعِ فجر سے پہلے فوت ہو جائے یا دولت سے محروم ہو کر نادار ہو جائے تو اُس پر واجب نہ ہوگا اور اس بچے پر بھی واجب نہ ہوگا۔ جو طلوعِ فجر کے بعد پیدا ہو، ہاں جو بچہ طلوعِ فجر سے پہلے عید کی شب میں پیدا ہو، اس پر صدقۂ فطر واجب ہے، اسی طرح جو شخص طلوعِ فجر سے پہلے اسلام کی سعادت پالے یا دولت مند ہو جائے تو اس پر صدقۂ فطر واجب ہے۔

---

[1] اہل حدیث کے نزدیک صدقۂ فطر واجب ہونے کا وقت رمضان کے آخری دن غروب آفتاب سے شروع ہو کر عید کی نماز کے پہلے تک رہتا ہے اس کو فطر کا صدقہ کہتے ہیں۔ لہذا رمضان کا آخری روزہ افطار کرنے کے بعد سے ہی یہ واجب ہونا چاہئے اگرچہ اس کی ادائیگی پہلے بھی درست ہے۔

صدقۂ فطر ادا کرنے کا وقت

● صدقۂ فطر واجب ہونے کا وقت تو عید کے دن طلوعِ فجر ہے۔ لیکن اس کے وجوب کی حکمت اور مقصد کا تقاضا یہ ہے کہ یہ عید سے چند یوم پہلے ہی ضرورت مندوں کو پہنچا دیا جائے تاکہ غریب اور نادار لوگ بھی اپنے کھانے پینے اور پہننے کی ضرورت کا سامان اطمینان کے ساتھ فراہم کر کے سب کے ساتھ عید گاہ جاسکیں، بخاری میں ہے کہ صحابۂ کرامؓ عید الفطر سے ایک دو دن پہلے ہی صدقۂ فطر ادا کر دیا کرتے تھے۔ اگر کسی وجہ سے دو چار دن پہلے ادا نہ کر سکے تو عید کی نماز سے پہلے تو بہرحال ادا کر دینا چاہئے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

فَمَن اَدَّا ھَا قَبْلَ الصَّلوٰۃِ فَھِیَ زَکوٰۃٌ مَقْبُوْ لَۃٌ وَمَنْ اَدَّاھَا بَعْدَالصَّلوٰۃِ فَھِیَ صَدَقَۃٌ مِنَ الصَّدَقَاتِ۔

جس شخص نے صدقۂ فطر نماز سے پہلے ادا کر دیا تو وہ خدا کے حضور مقبول صدقہ ہے اور جو شخص نماز کے بعد ادا کرے گا تو وہ عام صدقہ وخیرات کی طرح ایک صدقہ ہے۔

عید گاہ جانے سے پہلے صدقۂ فطر ادا کرنا مستحب ہے، لیکن اگر کوئی شخص کسی وجہ سے یا کاہلی کی بناء پر عید سے پہلے ادا نہ کر سکے تو وہ عید کے بعد ادا کر دے یہ نہ سمجھے کہ اب معاف ہو گیا ہے۔

کس کس کی طرف سے صدقۂ فطر ادا کرنا واجب ہے

(۱) خوش حال مرد پر اپنے علاوہ نابالغ اولاد کی طرف سے بھی واجب ہے۔ اگر نابالغ اولاد دولت مند ہے تو اس کے مال میں سے ادا کرے ورنہ اپنے پاس سے ادا کرے۔

(۲) بالغ اولا کی طرف سے اس صورت میں واجب ہے جب کہ وہ نادار اور غریب ہو، مال دار ہونے کی صورت میں واجب نہیں۔

(۳) جو اولاد ہوش وخرد سے محروم ہو، ان کے پاس مال ہو یا نہ ہو ہر صورت میں ان کی طرف سے ادا کرنا واجب ہے خواہ وہ بالغ ہوں۔

(۴) ان خادموں کی طرف سے بھی واجب ہے جو اس کی سرپرستی میں رہتے ہوں اور جن کے کھانے کپڑے کا یہ کفیل ہو۔

(۵) بیوی کی طرف سے واجب تو نہیں ہے لیکن اگر بطورِ احسان ادا کر دیا جائے تو جائز ہے، بیوی کی طرف سے ادا ہو جائے گا۔

(۶) باپ اگر فوت ہو جائے تو دادا کے لئے وہی سارے احکام ہیں جو باپ کے لئے بیان ہوئے۔

(۷) خاتون اگر خوش حال ہو تو اس پر صرف اپنی طرف سے صدقۂ فطر ادا کرنا واجب ہے اپنے علاوہ کسی کی طرف سے واجب نہیں نہ اولاد کی طرف سے نہ ماں باپ کی طرف سے اور نہ شوہر کی طرف سے۔

صدقۂ فطر کی مقدار

صدقۂ فطر کی مقدار اسّی (۸۰) روپے والے سیر کے حساب سے ایک سیر تین چھٹانک گیہوں کا آٹا ہے۔ اور یہ وزن ایک کلو ایک سو دس گرام بنتا ہے۔[۱]

اور اگر جو یا جو کا آٹا یا چھوہارے[۲] یا منقیٰ دینا ہو تو گیہوں کے وزن سے دوگنا یعنی دو کلو دو سو بیس گرام (۲۲۰-۲) دینا ہوگا۔

۱؎ علم الفقہ جلد چہارم صفحہ ۵۱، ۵۲ بعض اہل علم فقہا کے نزدیک صدقۂ فطر کی مقدار ایک سیر چھ چھٹانک ہے۔ لیکن مولانا اشرف علی صاحبؒ کے نزدیک ایک آدمی کا صدقۂ فطر ایک سیر ساڑھے بارہ چھٹانک ہے، بلکہ احتیاطاً دو سیر یا اور زائد دینا بہتر ہے۔ (بہشتی زیور تیسرا حصہ صفحہ ۳۴)

۲؎ دورِ نبوت میں غالباً جو چھوہارے یا منقیٰ کی قیمت تقریباً برابر تھی۔ اس دور میں تو دونوں میں خاصا محسوس فرق ہے۔

صدقۂ فطر کے متعلق مسائل

(۱) جس شخص نے کسی وجہ سے رمضان کے روزے نہ رکھے ہوں صدقۂ فطر اس پر بھی واجب ہے، صدقۂ فطر واجب ہونے کے لئے روزہ شرط نہیں ہے۔

(۲) صدقۂ فطر میں غلہ بھی دے سکتے ہیں اور غلے کی قیمت بھی، مناسب یہ ہے کہ غلہ یا قیمت دینے میں فقراء اور مساکین کا فائدہ پیشِ نظر رہے۔

(۳) اگر گیہوں یا جو کے علاوہ کوئی دوسرا غلہ جوار، باجرا، چنا، مکئی وغیرہ دینے کا پروگرام ہو تو وہ گیہوں یا جو کی قیمت کے بقدر ہونا چاہیئے۔

(۴) ایک شخص کا صدقۂ فطر ایک فقیر کو بھی دینا جائز ہے اور چند فقیروں کو دینا بھی جائز ہے اسی طرح چند افراد کا صدقۂ فطر ایک فقیر کو دینا بھی درست ہے اور چند فقیروں کو بھی۔

(۵) اگر کسی کے پاس کچھ گیہوں ہوں اور کچھ جو تو وہ حساب لگا کر صدقۂ فطر کی مقدار پوری کر کے ادا کرے۔

(۶) اگر ضرورت ہو تو صدقۂ فطر کی رقم دوسرے مقامات پر بھی بھیجی جا سکتی ہے، لیکن کسی شدید اور معقول ضرورت کے بغیر ایسا نہ کرنا چاہیئے۔

(۷) صدقۂ فطر کے مصارف بھی وہی ہیں جو زکوٰۃ کے مصارف ہیں۔

یعنی فقراء[۱]، مساکین[۲]، عاملینِ زکوٰۃ[۳]، مؤلفۃ القلوب[۴]، رقاب[۵]، غارمین[۶]، فی سبیل اللہ[۷]، ابن السبیل[۸]۔[۱]

---

[۱] تفصیل کے لئے دیکھئے مصارفِ زکوٰۃ صفحہ ۶۴ پر دیکھئے

کتاب الصوم

روزے کا بیان

رمضان کا روزہ اسلام کا تیسرا اہم رُکن ہے، قرآن میں نہ صرف یہ حکم دیا گیا ہے، کہ رمضان کے روزے رکھو بلکہ اس کے آداب واحکام بھی بیان کئے گئے ہیں۔ اور رمضان کی عظمت و برکت کے وجوہ پر بھی گفتگو کی گئی ہے۔ پہلے ہم اس مہینے کے فضائل و برکات بیان کرتے ہیں جس کے روزے شریعت نے مسلمانوں پر فرض کئے ہیں۔

رمضان المبارک کے فضائل

رمضان کی عظمت وفضیلت قرآن میں

قرآنِ پاک میں رمضان کی عظمت وفضیلت کے تین وجوہ بیان کئے گئے ہیں۔

(۱) نزولِ قرآن: یعنی اسی مہینے میں قرآنِ پاک نازل ہوا۔

(۲) لیلۃ القدر: یعنی اسی مہینے میں ایک رات ایسی مبارک ہے کہ وہ خیر و برکت میں ایک ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔

(۳) فرضیتِ صوم: یعنی اسی مہینے کے روزے مسلمانوں پر فرض کئے گئے ہیں۔

انہی فضائل کی بنیاد پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو شہر اللہ (اللہ کا مہینہ) کہہ کر خدا کی طرف نسبت کا شرف بخشا ہے، اور اس کو تمام مہینوں سے افضل قرار دیا ہے، ذیل میں ان وجوہ کی

مختصر وضاحت کی جاتی ہے۔

فضیلتِ رمضان کے وجوہ

(۱) نزولِ قرآن

قرآنِ پاک کا ارشاد ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِىٓ أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ (البقرہ آیت ۱۸۵)

رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس میں القرآن نازل کیا گیا۔ جو سارے انسانوں کے لئے ہدایت ہے، جو راہ حق دکھانے والی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی کتاب ہے۔

رمضان کی عظمت وفضیلت کے لئے صرف یہ بات کیا کم ہے کہ اس میں خدا نے ہدایت کی آخری کتاب نازل فرمائی۔ حقیقت یہ ہے کہ انسانیت اگر سرچشمۂ ہدایت سے محروم ہوتی تو یہ پورا کارخانۂ ہستی سورج کی تابنا کی اور چاندتاروں کی دل آویز روشنی کے باوجود تیرہ وتار رہوتا، اور ساری صنّاعی اور حُسن و جمال کے باوجود کائنات نہ صرف بے رونق بلکہ نامکمل اور بے مقصد ہوتی، اور کفر والحاد اور شرک و معصیت میں بھٹکے ہوئے انسان جنگل کے درندوں سے زیادہ بدتر ہوتے۔ قرآن اس سرزمین پر ہدایت اور روشنی کا ایک ہی سرچشمہ ہے جو اس سے محروم ہے وہ یقیناً ہدایت اور خیر سے محروم ہے۔

(۲) لیلۃ القدر

قرآن پاک میں صراحت ہے کہ قرآن رمضان میں نازل کیا گیا، اور یہ کہ لیلۃ القدر میں

نازل کیا گیا ہے، اس کے لازمی معنٰی یہ ہیں کہ لیلۃ القدر رمضان ہی کی کوئی رات ہے، اور حدیث میں وضاحت ہے "اس میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے[۱]"، اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لیلۃ القدر کو رمضان کی آخری دس راتوں میں سے طاق راتوں میں تلاش کرو[۲]

(۳) فرضیتِ صوم

خدا نے روزے جیسی اہم عبادت کے لئے اس مہینے کو مقرر فرمایا اور اس پورے مہینے کے روزے مسلمانوں پر فرض کئے۔ قرآن میں ہے:-

فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ط

پس جو شخص بھی تم میں سے اس مہینے کو پائے اس پر لازم ہے کہ وہ اس پورے مہینے کے روزے رکھے۔

رمضان کی عظمت وفضیلت حدیث میں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کی عظمت و برکت بیان کرتے ہوئے فرمایا:-

- جب رمضان کی پہلی رات آتی ہے تو شیاطین اور سرکش جنات جکڑ دئے جاتے ہیں اور دوزخ کے سارے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں ان میں سے کوئی بھی دروازہ کھلا نہیں رہتا۔ اور جنت کے تمام دروازے کھول دئے جاتے ہیں، ان میں سے کوئی بھی دروازہ بند نہیں رہتا اور خدا کا منادی پکارتا ہے کہ اے بھلائی اور خیر کے طالب آگے بڑھ! اور اے برائی اور بد عملی کے شائق رُک! اور خدا کی طرف سے بہت سے نافرمان بندوں کو دوزخ سے رہائی بخشی جاتی ہے اور یہ رمضان کی ہر رات میں ہوتا ہے۔"[۳]

---

[۱] سلمان فارسیؓ مشکوۃ [۲] بخاری [۳] جامع ترمذی، ابن ماجہ

- اور یہ وہ مہینہ ہے جس میں مومن کی روزی میں اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ)
- رمضان تمام مہینوں کا سردار ہے۔ (علم الفقہ ج ۳ بحوالہ مرقاۃ المفاتیح)
- اس مہینے کا ابتدائی حصہ رحمت ہے، درمیانی حصہ مغفرت ہے اور آخری حصہ آتشِ جہنم سے رہائی اور نجات ہے۔ (مشکوٰۃ)
- اس مہینے میں جو شخص خدا کا تقرب حاصل کرنے کے لئے اپنی خوشی سے کوئی نفل نیکی کرے گا وہ دوسرے مہینوں کے فرض کے برابر اجر و ثواب پائے گا اور جو کوئی ایک فرض ادا کرے گا وہ دوسرے مہینوں کے ستر فرضوں کے برابر اجر و ثواب کا مستحق ہوگا۔ (مشکوٰۃ)

رمضان کی عظمت و اہمیت تاریخ میں

تاریخ کی شہادت ہے کہ حق و باطل کی پہلی فیصلہ کن جنگ اسی مہینے میں ہوئی اور حق و باطل کو ممتاز کر دینے والا مبارک دن جس کو قرآن نے یوم الفرقان،، کہا ہے رمضان ہی کا ایک مبارک دن تھا، اسی دن حق کو پہلی فتح حاصل ہوئی اور باطل سرنگوں ہوا پھر تاریخ کی شہادت یہ بھی ہے کہ رمضان ہی میں مکہ بھی فتح ہوا۔ ان معلومات کو مرتب کر کے غور کیجئے۔

- حق کی ہدایت اسی مہینے میں نازل ہوئی۔
- اسلام کو ابتدائی غلبہ اسی مہینے میں حاصل ہوا۔
- اور اسلام کو مکمل غلبہ بھی اسی مہینے میں نصیب ہوا۔
- اسلام کے غلبے کے لئے مسلمانوں نے جہاد اسی مہینے میں کیا۔

رمضان کا مہینہ ہر سال انہی حقیقتوں کی یاد دہانی کے لئے آتا ہے۔ شریعت نے اس مہینے میں روزے فرض کئے اور قیامِ لیل اور تلاوت قرآن کا نظم فرمایا، تاکہ مومنین میں روحِ جہاد مُردہ نہ ہونے پائے اور وہ سال میں کم از کم ایک بار رمضان میں قرآن سن کر یا پڑھ کر اپنا منصب اور فریضہ شعور کے ساتھ ذہنوں میں تازہ کر سکیں۔ قرآن کا نزول اور اس کی تلاوت اور روزے کی

مجاہدانہ تربیت اسی لئے ہے کہ فرزندانِ اسلام دین کو غالب اور قائم کرنے ہی کے لئے زندہ ہیں اور کسی وقت بھی اس منصبی فریضے سے غافل نہ ہوں۔

روزہ

روزے کے معنیٰ

روزے کو عربی میں صوم یا صیام کہتے ہیں جس کے معنیٰ ہیں کسی چیز سے رُک جانا اور اس کو ترک کر دینا۔ شریعت کی اصطلاح میں صوم سے مُراد یہ ہے کہ آدمی صبح صادق سے غروب آفتاب تک کھانے پینے اور جنسی ضرورت پوری کرنے سے باز رہے۔

روزے کی فرضیت کا حکم

ہجرت کے ڈیڑھ سال بعد اٹھارویں مہینے میں رمضان کے روزے مسلمانوں پر فرض کئے گئے اور حکم دیا گیا۔

يَا يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامَ (البقرہ آیت ۱۸۳)

اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا۔

روزہ فرضِ عین ہے جو شخص اس کا انکار کرے وہ کافر ہے اور جو کسی عذر کے بغیر نہ رکھے وہ فاسق اور سخت گنہگار ہے۔

روزے کی اہمیت

قرآن حکیم کی شہادت ہے کہ روزہ تمام آسمانی شریعتوں میں فرض رہا ہے اور ہر اُمت کے نظامِ عبادت میں اس کو ایک لازمی جزو کی حیثیت حاصل رہی ہے۔

كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ (البقرہ آیت ۱۸۳)

جس طرح ان پر فرض کیا گیا تھا جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں۔

یہ آیت محض ایک تاریخی واقعہ بیان کرنے کے لئے نہیں ہے بلکہ اس اہم حقیقت کو واضح کرنے کے لئے ہے کہ روزے کو نفسِ انسانی کی تربیت سے خصوصی تعلق ہے اور تزکیۂ قلوب میں اس کو ایک فطری دخل ہے۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تربیت و تزکیہ کا کورس اس کے بغیر پورا ہی نہیں ہو سکتا اور کوئی بھی دوسری عبادت اس کا بدل نہیں بن سکتی، یہی وجہ ہے کہ یہ تمام انبیاء کی سابقہ شریعتوں میں فرض رہا ہے۔

روزے کی اہمیت واضح فرماتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:-

''جو شخص کسی (شرعی) عذر اور مرض کے بغیر رمضان کا ایک روزہ بھی چھوڑ دے وہ اگر عمر بھر بھی روزے رکھے تب بھی اس کی تلافی نہیں ہو سکتی،،۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد)

یعنی رمضان کے روزے کی خیر و برکت اور فضیلت و اہمیت یہ ہے کہ اگر کوئی غافل دانستہ رمضان کا کوئی روزہ ترک کر دے تو اس محرومی اور خُسران کی تلافی عمر بھر روزے رکھنے سے بھی نہیں ہو سکتی ہاں اس کی قانونی قضا ہو سکتی ہے۔

روزے کا مقصد

روزے کا حقیقی مقصد یہ ہے کہ آدمی میں تقویٰ پیدا ہو۔

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (البقرہ آیت ۱۸۳)

تاکہ تم میں تقویٰ پیدا ہو۔

تقویٰ دراصل اس ''اخلاقی جوہر،، کا نام ہے جو خدا کی محبت اور خوف سے پیدا ہوتا ہے خدا کی ذات پر ایمان اور اس کی صفتِ رحمت و کرم اور فضل و احسان کے گہرے احساس سے جذبۂ محبت جنم لیتا ہے اور اس کی صفتِ قہر و غضب اور عذاب و عتاب کے شعوری تصور سے جذبۂ خوف

اُبھرتا ہے اور محبت وخوف کی یہ قلبی کیفیت ہی تقویٰ ہے جو تمام اعمالِ خیر کا اصل سرچشمہ اور تمام اعمالِ بد سے روکنے کا حقیقی ذریعہ ہے۔

روزہ خدا کی ذات پر پختہ یقین اور اس کی دوگونہ صفات، رحمت وکرم اور قہر وغضب کا گہرا احساس پیدا کرتا ہے۔ دن بھر مسلسل کئی گھنٹے اپنی انتہائی بنیادی اور ضروری خواہشات سے رُکا رہنا آدمی پر یہ اثر چھوڑتا ہے کہ وہ انتہائی عاجز ودرماندہ اور واقعی مجبور ومحتاج ہے، وہ زندگی کی ایک ایک سانس کے لئے خدا کے فضل وکرم کا حاجت مند ہے اور پھر وہ زندگی کو خدا کی نعمتوں سے مالا مال دیکھ کر جذبات محبت سے سرشار ہو جاتا ہے اور دلی ذوق وشوق کے ساتھ خدا کی اطاعت و بندگی میں سرگرم ہو جاتا ہے۔ اور جب وہ اپنی انتہائی پرزور اور ہیجانی خواہشات سے تنہائی کے ان گوشوں میں بھی رُکا رہتا ہے، جہاں اس پر خدا کے سوا کسی کی نظر نہیں پڑتی تو اس سے خدا کے خوف اور ہیبت کا احساس گہرے سے گہرا ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور اس کے دل پر خدا کی عظمت و جبروت کا سایہ اس طرح چھا جاتا ہے کہ وہ پھر گناہ کے تصور سے بھی کانپنے لگتا ہے۔

حقیقی روزہ

لیکن روزے کا یہ عظیم مقصد اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے جب روزہ پورے احساس وشعور کے ساتھ رکھا جائے اور ان تمام مکروہات سے ان کی حفاظت کی جائے جن کے اثر سے روزہ بے جان ہو جاتا ہے۔ حقیقی روزہ دراصل وہی ہے جس میں آدمی قلب ورُوح اور ان کی ساری صلاحیتوں کو خدا کی نافرمانی سے بچائے اور نفس کی ہر بری خواہش کو روند ڈالے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

- ''جب تو روزہ رکھے تو لازم ہے کہ تو اپنے کانوں، اپنی آنکھوں، اپنی زبان، اپنے ہاتھ اور اپنے سارے اعضائے جسم کو خدا کی ناپسندیدہ باتوں سے روکے رکھے۔'' (کشف المحجوب)

اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا

- ''جو شخص روزہ رکھ کر بھی جھوٹ بولنے اور جھوٹ پر عمل کرنے سے باز نہ رہا تو خدا کو اس کے

بھوکے پیاسے رہنے کی کوئی حاجت نہیں۔"

اور آپؐ نے متنبّہ فرمایا:-

"کتنے ہی روزے دار ایسے ہوتے ہیں کہ روزے سے بھوک اور پیاس کے سوا اُن کے پلے کچھ نہیں پڑتا۔" (دارمی)

روزے کی فضیلت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

"آدمی کے ہر عملِ خیر کا اجر دس گُنے سے سات سو گُنے تک بڑھایا جاتا ہے مگر خدا کا ارشاد ہے کہ روزہ کا معاملہ اور ہے، وہ تو خالص میرے لئے ہے اور میں خود ہی اس کا اجر دوں گا۔ بندہ میری ہی خاطر اپنی خواہشات اور اپنا کھانا پینا چھوڑتا ہے، روزے دار کے لئے دو مسرتیں ہیں۔

ایک افطار کے وقت جب وہ اس جذبے سے سرشار ہو کر خدا کی نعمتوں سے لذت اندوز ہوتا ہے کہ خدا نے اس کو ایک فریضہ پورا کرنے کی توفیق بخشی،

دوسری مسرت اپنے پروردگار سے ملنے کے وقت (جب وہ خدا کے حضور باریابی پائے گا اور اس کے دیدار سے اپنی آنکھوں کو روشن کرے گا)

اور روزے دار کے منہ کی بو خدا کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ پسندیدہ ہے اور روزہ (گناہوں سے بچنے کی) ڈھال ہے اور جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو وہ بے حیائی کی باتوں اور شور و ہنگامے سے دُور رہے اور اگر کوئی گالی گلوج کرنے لگے یا لڑنے جھگڑنے پر اُتر آئے تو اس کو سوچنا چاہئے کہ میں روزہ دار ہوں[1]" (بھلا میرے لئے لڑنے جھگڑنے کی کیا گنجائش؟)

نیز ارشاد فرمایا

جس شخص نے ایمانی شعور اور احتساب کے ساتھ روزے رکھے اس کے وہ سارے گناہ معاف

---

[1] بخاری، مسلم

کردئے جائیں گے جو اس سے پہلے ہو چکے ہیں۔ (بخاری، مسلم)

ایمانی شعور کے ساتھ روزہ رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے وجود پر یقین ہو، اس کے وعدوں پر یقین ہو اور یہ یقین ہو کہ عمل کا اجر لازماً آخرت میں ملے گا اور خدا ہی اپنے علم وحکمت اور عدل وکرم کی بنیاد پر اجر دے گا۔

یہاں احتساب کے معنیٰ یہ ہیں کہ خدا کی رضا اور اجرِ آخرت ہی کے لئے روزہ رکھا جائے نیز ان تمام چیزوں سے روزے کی حفاظت کی جائے جو خدا کو ناپسند ہیں اور جن سے خدا نے منع فرمایا ہے۔

رُویتِ ہلال کے احکام

(۱) شعبان کی انتیس تاریخ کو رمضان کا چاند دیکھنے کی کوشش کرنا مسلمان پر واجبِ کفایہ[۱] ہے۔ جنتری یا نجوم وغیرہ سے چاند کا حساب لگا کر روزہ رکھنا اور چاند دیکھنے سے بے نیاز ہو جانا ہرگز جائز نہیں۔ حد یہ ہے کہ جو لوگ خود اس فن کے ماہر ہوں اور وہ نیک اور پرہیزگار بھی ہوں ان کو بھی خود اپنے حساب پر عمل کرنا جائز نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

''چاند دیکھ کر روزے رکھو، اور چاند دیکھ کر روزے ختم کرو اور اگر ۲۹ رشعبان کو چاند نظر نہ آئے تو شعبان کے ۳۰ ردن کی گنتی پوری کرو،،۔ (بخاری، مسلم)

(۲) چاند کی رُویت کو کسی تجربہ کی بنیاد پر ماننا اور روزہ رکھنا جائز نہیں مثلاً عوام میں مشہور ہے کہ ''جس دن رجب کی چوتھی ہوتی ہے اسی دن رمضان کی پہلی ہوتی ہے اور بارہا اس کا تجربہ کیا جا چکا ہے۔'' شریعت میں چاند کے ثبوت کے لئے اس طرح کے تجربوں کا کوئی اعتبار نہیں۔

(۳) رجب کی انتیس تاریخ کو چاند دیکھنے کی کوشش اور اہتمام کرنا مستحب ہے۔ اس لئے کہ

---

[۱] یعنی بحیثیت اجتماعی مسلمانوں پر واجب ہے کہ رمضان کا چاند دیکھنے کا اہتمام کریں، اور اس کے لئے مناسب انتظام کریں۔ اور اگر پورے معاشرے نے اس کی اہمیت محسوس نہ کی اور غفلت برتی تو سب کے سب گنہگار رہوں گے۔

رمضان کی پہلی تاریخ معلوم کرنے کے لئے شعبان کی تاریخوں کا معلوم رکھنا ضروری ہے[۱] حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم ماہِ شعبان کے ایام اور اس کی تاریخیں جس فکر واہتمام سے یاد رکھتے تھے کسی دوسرے مہینے کی تاریخیں اس اہتمام سے یاد نہ رکھتے تھے۔ پھر رمضان کا چاند دیکھ کر روزے رکھتے تھے۔ اور اگر ۲۹ر شعبان کو چاند نظر نہ آتا تو شعبان کے ۳۰ دن پورے کر کے رمضان کا روزہ رکھتے۔'' (ابوداؤد)

(۴) جو شخص رمضان کا چاند اپنی آنکھ سے دیکھ لے اُس پر واجب ہے کہ وہ بستی کے لوگوں یا مسلمانوں کے ذمہ دار افراد یا اداروں کو اس کی خبر پہنچائے چاہے وہ مرد ہو یا عورت۔

(۵) مطلع صاف ہونے کی صورت میں صرف دو دیندار افراد کی گواہی سے نہ رمضان کے چاند کا ثبوت ہوسکتا ہے اور نہ عید کے چاند کا۔ ایسی صورت میں کم از کم اتنے افراد کی گواہی ضروری ہے جن کی گواہی سے چاند کا یقین یا گمانِ غالب ہو جائے۔

(۶) مطلع صاف نہ ہونے کی صورت میں ہلالِ رمضان کے ثبوت کے لئے صرف ایک آدمی کی خبر بھی کافی ہے۔ چاہے وہ مرد ہو یا عورت، اگر اس میں دو شرطیں پائی جائیں۔

۱- گواہی دینے والا عاقل و بالغ اور دیندار مسلمان ہو۔

۲- وہ یہ خبر دے کہ میں نے خود چاند دیکھا ہے۔

(۷) مطلع صاف نہ ہونے کی صورت میں ہلالِ عید کے ثبوت کے لئے ایک آدمی کی گواہی معتبر نہیں ہے چاہے وہ کیسا ہی معتبر اور ثقہ ہو، ہلال عید کے ثبوت کے لئے ضروری ہے کہ دو دیندار اور متّقی مرد گواہی دیں، یا ایک دیندار مرد اور دو دیندار عورتیں گواہی دیں، اگر چار عورتیں گواہی

---

[۱] مثلاً رجب کی انتیسویں تاریخ کو چاند نکل آیا لیکن لوگوں نے اس کے دیکھنے کا کوئی اہتمام نہ کیا۔ اور یکم شعبان کو ۳۰ر رجب سمجھ کر حساب لگاتے رہے یہاں تک کہ ۳۰ر شعبان ہوگئی۔ لیکن گرد و غبار، یا بادل وغیرہ کی وجہ سے چاند نظر نہ آیا، اور چونکہ ۲۹ر تاریخ شعبان کی سمجھی جاتی رہی تھی اس لئے یکم رمضان کو لوگ ۳۰ر شعبان سمجھتے رہے، اور رمضان کا ایک روزہ اپنی غفلت سے جاتا رہا۔

دیں کہ ہم نے چاند دیکھا ہے تب بھی عید کے چاند کا ثبوت نہ ہوگا۔

(۸) جن مقامات پر کوئی مسلمان قاضی اور حاکم نہیں ہے وہاں کے مسلمانوں کو خود اپنے طور پر چاند دیکھنے اور اس کے اعلان کرنے کا نظم کرنا چاہئے اور اسی کے مطابق عمل کرنا چاہئے۔

(۹) اگر شہر بھر میں یہ خبر مشہور ہو جائے کہ چاند ہو گیا، لیکن انتہائی تلاش اور تحقیق کے باوجود بھی کوئی ایک ایسا شخص نہیں جو اقرار کرے کہ میں نے خود چاند دیکھا ہے تو اس صورت میں چاند کا ثبوت نہ ہوگا۔

(۱۰) اگر کسی ایسے شخص نے چاند دیکھا جس کی گواہی شریعت میں قابلِ قبول نہیں ہے اور اس کے سوا شہر میں کسی نے چاند نہیں دیکھا تو اس کی گواہی سے شہر والے روزہ نہ رکھیں۔ البتہ یہ شخص خود روزہ رکھے اس پر روزہ رکھنا واجب ہے فرض نہیں ہے۔ پھر اگر اس کے تیس روزے پورے ہو جائیں اور عید کا چاند نہ دیکھا جائے تو یہ شخص اکتیسواں روزہ بھی رکھے اور عید بستی والوں کے ساتھ منائے۔

(۱۱) اگر کسی نے تنہا عید کا چاند خود اپنی آنکھ سے دیکھا لیکن چونکہ وہ اکیلا ہے اور شریعت میں عید کے چاند کے ثبوت کے لئے ایک آدمی کی گواہی معتبر نہیں ہے اس لئے اس کی گواہی کا اعتبار نہیں کیا گیا۔ تو ایسے شخص کے لئے تنہا روزہ نہ رکھنا جائز نہیں اس کو چاہئے کہ روزہ رکھے اور اپنے چاند دیکھ لینے کی وجہ سے بغیر روزہ کے نہ رہے۔

(۱۲) کسی بستی میں کسی وجہ سے چاند نہ دیکھا گیا اور دوسرے مقامات سے چاند ہو جانے کی خبریں آئیں۔ اگر یہ خبریں شریعت کی رو سے قابل قبول ہوں تو ان سے رمضان کے چاند کا ثبوت بھی ہوگا اور عید کے چاند کا ثبوت بھی۔ مسلمانوں کے ذمہ داروں کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایسی اطلاعات کا جائزہ لیں اور اگر وہ شرعی اعتبار سے قابل قبول ہوں تو ان کے مطابق شہر میں اعلان کرانے کا اہتمام کریں۔

(۱۳) اگر دو معتبر اور ثقہ افراد کی شہادت سے رویتِ ہلال ثابت ہو جائے اور اسی حساب

سے لوگ روزہ رکھیں لیکن تیس روزے پورے ہو جانے پر عید کا چاند نظر نہ آئے تو اکتیسویں دن بہر حال عید کریں اس دن روزہ رکھنا دُرست نہیں۔

نیا چاند دیکھنے کی دُعا

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب پہلی رات کا چاند دیکھتے تو فرماتے:-

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰھُمَّ اَھِلَّہٗ عَلَیْنَا بِالْاَمْنِ وَالْاِیْمَانِ وَالسَّلَامَۃِ وَالْاِسْلَامِ وَالتَّوْفِیْقِ لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی رَبُّنَا وَرَبُّکَ اللّٰہُ (ترمذی ودارمی وغیرہ)

اللہ سب سے بڑا ہے، اے اللہ! یہ چاند ہمارے لئے امن وایمان سلامتی اوراسلام کا چاند بنا کر ہم پر طلوع فرما اور ان کاموں کی توفیق کے ساتھ، جو تجھے پسند اور محبوب ہیں اے چاند ہمارا پرُوردگار اور تیرا پروردگار اللہ ہے۔

روزے کی قسمیں اوران کا حکم

روزے کی چھ قسمیں ہیں، جن کی تفصیل اوراحکام جاننا نہایت ضروری ہے۔

(۱) فرض

(۲) واجب

(۳) سنت

(۴) نفل

(۵) مکروہ

(۶) حرام

(۱) فرض روزے

سال بھر میں صرف رمضان المبارک کے تیس روزے مسلمانوں پر فرض ہیں، رمضان کے روزوں کا فرض ہونا قرآن وحدیث سے صراحتاً ثابت ہے اور اُمت اپنی پوری تاریخ میں تواتر کے ساتھ اس پر عمل کرتی رہی ہے، جو شخص روزۂ رمضان کے فرض ہونے کا انکار کرے وہ کافر اور خارج از اسلام ہے، اور جو شخص بغیر کسی عذر کے ترک کرے وہ فاسق اور سخت گنہگار ہے، رمضان کے روزے اگر کسی عذر سے یا محض غفلت سے رہ جائیں تو ان کی قضا رکھنی بھی فرض ہے۔ یہ غیر معیّن فرض ہیں یعنی جب موقع ہو رکھ لیں لیکن بہتر یہی ہے کہ جس قدر جلد ہو سکیں رکھ لیں خواہ مخواہ تاخیر نہ کریں زندگی کا کیا بھروسہ۔

(۲) واجب روزے

نذر کے روزے اور کفارے کے روزے، واجب ہیں، اگر کسی متعیّن دن کے روزے کی نذر مانی ہے تو اُسی دن رکھنا ضروری ہے اور اگر دن متعیّن نہیں کیا ہے تو پھر جب چاہیں رکھ سکتے ہیں، لیکن بلا وجہ تاخیر نہ کرنا چاہئے۔

(۳) مسنون روزے

جو روزے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھے یا جن کے رکھنے کی آپ نے ترغیب دی ہے، یہ روزے سنت ہیں اور ان کے رکھنے کا بڑا اجر وثواب ہے۔ لیکن ان میں سے کوئی روزہ سنتِ مؤکدہ نہیں، کہ جس کے نہ رکھنے سے آدمی گنہگار ہو، مسنون روزے یہ ہیں:-

- عاشورے کے روزے، یعنی محرم کی نویں اور دسویں تاریخ کے دو روزے۔
- یومِ عرفہ کا روزہ یعنی ذوالحجہ کی نویں تاریخ کا روزہ۔

- ایامِ بیض کے روزے، یعنی، ہر مہینے کی ۱۳/۱۴/۱۵/ تاریخ کے روزے۔

(۴) نفلی روزے

فرض، واجب اور مسنون روزوں کے علاوہ تمام روزے مستحب ہیں، البتہ بعض مستحب روزے ایسے بھی ہیں جن کے اہتمام کا اجر و ثواب زیادہ ہے، مثلاً

۱ ماہِ شوّال کے چھ روزے، ان کو عُرفِ عام میں شش عید کے روزے کہتے ہیں۔

۲ پیر اور جمعرات کے دن کا روزہ۔

۳ ماہ شعبان کی پندرھویں تاریخ کا روزہ۔

۴ ذی الحجہ کے ابتدائی عشرے کے آٹھ روزے۔

(۵) مکروہ روزے

- صرف سنیچر یا اتوار کے دن کا روزہ رکھنا۔
- صرف یومِ عاشورہ کا روزہ رکھنا۔
- کسی خاتون کا شوہر کی اجازت کے بغیر روزہ رکھنا۔
- بیچ میں ناغہ کئے بغیر مسلسل روزے رکھنا، جس کو صومِ وصال کہتے ہیں۔

(۶) حرام روزے

سال بھر میں پانچ روزے حرام ہیں۔

۱ عید الفطر کے دن کا روزہ۔

۲ عید الاضحیٰ کے دن کا روزہ۔

۳ ایامِ تشریق ۱۱/۱۲/۱۳/ ذوالحجہ کا روزہ۔

روزے کی شرطیں

روزے کی شرطیں دو قسم کی ہیں۔

- شرائطِ صحت
- شرائطِ وجوب

روزہ صحیح ہونے کے لئے جن باتوں کا پایا جانا ضروری ہے ان کو شرائطِ صحّت کہتے ہیں، اور روزہ واجب ہونے کے لئے جن باتوں کا پایا جانا ضروری ہے اُن کو شرائطِ وجوب کہتے ہیں۔

روزے کے شرائطِ وجوب

روزہ واجب ہونے کی چار شرطیں ہیں۔

۱- اسلام- کافر پر روزہ واجب نہیں۔

۲- بلُوغ- نابالغ بچے پر روزہ واجب نہیں [۱]

۳- صومِ رمضان کی فرضیت سے واقف ہونا۔

۴- معذور نہ ہونا۔ یعنی کوئی ایسا عذر نہ ہو جس میں شریعت نے روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی ہے، مثلاً سفر، بڑھاپا، مرض، جہاد وغیرہ۔

روزے کے شرائطِ صحّت

روزہ صحیح ہونے کی تین شرطیں ہیں۔

---

[۱] البتہ عادت ڈلوانے کے لئے نابالغ بچوں سے بھی روزہ رکھوانا چاہئے۔ جس طرح نماز پڑھوانے کا اہتمام کرنے کی حدیث میں تاکید ہے اسی طرح روزہ رکھوانے کی بھی ترغیب دی گئی ہے، لیکن انہیں بچوں سے رکھوایا جائے جو روزے کی بھوک پیاس کو برداشت کرنے کی قوت رکھتے ہوں، غلو اور نمود و نمائش سے پرہیز کرنا چاہئے۔

(۱) اسلام۔ کافر کا روزہ صحیح نہیں۔ کوئی عمل بھی ایمان کے بغیر معتبر نہیں۔

(۲) خواتین کا حیض ونفاس سے پاک ہونا۔

(۳) نیت کرنا۔ یعنی دل میں روزہ رکھنے کا ارادہ کرنا، روزہ رکھنے کا ارادہ کئے بغیر اگر کوئی شخص دن بھر ان چیزوں سے رُکا رہا جن سے روزے میں رُکا جاتا ہے تو اس کا روزہ صحیح نہ ہوگا۔

روزے کے فرائض

روزے میں صبحِ صادق نمودار ہونے سے غروبِ آفتاب تک تین باتوں سے رُکا رہنا فرض ہے۔

(۱) صبحِ صادق سے غروبِ آفتاب تک کچھ نہ کھانا۔

(۲) صبحِ صادق سے غروبِ آفتاب تک کچھ نہ پینا۔

(۳) صبحِ صادق سے غروبِ آفتاب تک جنسی لذّت کے حصول سے پرہیز کرنا اس میں جنسی لذت کی وہ تمام صورتیں شامل ہیں جن میں عادتاً منی کا اخراج ہوتا ہے، خواہ وہ صنفِ نازک کے علاوہ کسی اور انسان یا بہائم سے حصولِ لذت ہو یا جلق وغیرہ ہو[1] سب سے بچنا فرض ہے، البتہ اپنی خاتون کو دیکھنے، یا چمٹانے یا پیار کرنے سے بچنا فرض نہیں ہے اس لئے کہ اس سے عادتاً منی کا اخراج نہیں ہوتا۔

روزے کے سُنن و مستحبات

(۱) سحری کا اہتمام کرنا، سنت ہے۔ چاہے وہ چند کھجوریں یا چند گھونٹ پانی یا چائے کی ایک پیالی ہی ہو۔

(۲) سحری اخیر وقت میں کھانا مستحب ہے، جب کہ صبحِ صادق ہونے میں کچھ ہی دیر باقی رہ جائے۔

---

[1] یہ روزے کے تعلق سے صرف مسئلہ کی وضاحت ہے ورنہ اپنی بیوی کے علاوہ کسی ذریعے سے بھی جنسی ضرورت پوری کرنا سخت گناہ ہے جس سے بچنا انتہائی ضروری ہے۔

(۳) روزے کی نیت رات ہی سے کرلینا مستحب ہے۔

(۴) افطار جلد کرنا، یعنی سورج ڈوب جانے کے بعد خواہ مخواہ دیر نہ کرنا مستحب ہے۔ سورج ڈوب جانے کا یقین کرنے کے لئے جو ذرائع بھی میسر ہوں ان کی مدد سے جب معلوم ہو جائے کہ سورج ڈوب گیا تو پھر فوراً روزہ کھول دینا مستحب ہے۔

(۵) چھوہارے، کھجور، یا پانی سے افطار کرنا مستحب ہے۔

(٦) غیبت، چغلی، غلط بیانی، شور وہنگامہ، غصہ اور ظلم وزیادتی سے بچنے کا اہتمام کرنا مسنون ہے، یہ کام یوں بھی غلط ہیں لیکن روزے میں ان سے بچنے کا اور زیادہ اہتمام کرنا چاہئے۔

روزے کے مفسدات

روزے میں تین چیزوں سے بچنا فرض ہے۔

(۱) کچھ کھانے سے۔

(۲) کچھ پینے سے۔

(۳) جنسی لذت حاصل کرنے سے۔

لٰہذا ہر اُس فعل سے روزہ فاسد ہو جائے گا جو ان تینوں فرضوں کے خلاف ہو، البتہ روزے کو فاسد کرنے والی چیزیں اپنی نوعیت کے لحاظ سے دو قسم کی ہیں ایک وہ جن سے صرف قضا واجب ہوتی ہے اور ایک وہ جن سے قضا اور کفارہ دونوں واجب ہوتے ہیں۔

وجوبِ کفّارہ سے متعلق اصولی باتیں

(۱) اگر کوئی چیز قصداً پیٹ میں پہنچائی جائے اور اس کے نفع بخش ہونے کا خیال بھی ہو، چاہے وہ غذا ہو یا دوا یا کوئی ایسا فعل کیا جائے جس کی لذت جنسی فعل جیسی ہو تو ان صورتوں میں روزے کی قضا بھی واجب ہوگی اور کفارہ بھی لازم آئے گا۔

(۲) اگر کوئی چیز خود بخود پیٹ میں پہنچ جائے، یا اس کے نفع بخش ہونے کا خیال نہ ہو یا کوئی ایسا فعل کیا جائے جس کی لذت جنسی فعل جیسی نہ ہو تو صرف روزے کی قضا واجب ہوگی کفارہ لازم نہ آئے گا۔

(۳) کفارہ صرف رمضان کا روزہ فاسد ہونے سے واجب ہوتا ہے۔ رمضان کے سوا کوئی اور روزہ فاسد ہونے سے کفارہ واجب نہیں ہوتا چاہے غلطی سے فاسد ہو جائے یا قصداً فاسد کر دیا جائے۔

(۴) رمضان کا قضا روزہ فاسد ہونے سے کفارہ واجب نہیں ہوتا صرف ادا روزہ فاسد ہونے ہی سے کفارہ واجب ہوتا ہے۔

(۵) جن لوگوں میں روزے کے شرائطِ وجوب نہ پائے جائیں ان کا روزہ فاسد ہونے سے بھی کفارہ واجب نہیں ہوتا، مثلاً مسافر کا روزہ، نابالغ بچے کا روزہ، حیض ونفاس والی خواتین کا روزہ۔ اگر چہ مسافر اور حیض ونفاس والی خواتین نے روزے کی نیت، سفر پر روانہ ہونے سے پہلے اور حیض ونفاس آنے سے پہلے ہی کی ہو۔

(۶) ہر وہ فعل جس میں اپنے قصد اور ارادے کو دخل نہ ہو، مثلاً بھولے سے کچھ کھا پی لیا، یا جنسی لذت حاصل کر لی، یا کلی کرتے میں غلطی سے پانی حلق سے نیچے اُتر گیا۔ یا کسی نے زبردستی کسی سے جنسی لذت حاصل کر لی تو ان تمام صورتوں میں کفارہ واجب نہیں ہوتا۔

(۷) جنسی فعل میں فاعل ومفعول دونوں کا عاقل ہونا شرط نہیں۔ دونوں میں سے جو عاقل ہو اور قصداً یہ فعل کرے اس پر کفارہ لازم آئے گا۔ اگر عورت عاقل ہے تو اس پر کفارہ لازم ہے مرد پر نہیں اور اگر مرد عاقل ہے تو مرد پر کفارہ واجب ہے دیوانی عورت پر نہیں۔

(۸) کوئی خاتون چاہے نابالغ بچے سے جنسی فعل کرائے یا کسی دیوانے اور مجنون سے ہر حال میں قضا بھی واجب ہے اور کفارہ بھی۔

(۹) رمضان میں روزے کی نیت کیے بغیر کوئی کھائے پیے تو اس پر کفارہ واجب نہیں صرف

قضا واجب ہے، کفارہ اسی صورت میں واجب ہوگا جب روزے کی نیت کر لینے کے بعد روزہ توڑے۔

(۱۰) کسی شبہ کی بنیاد پر اگر کوئی اپنا روزہ فاسد کر دے تو کفارہ واجب نہ ہوگا۔

روزے کی صرف قضا واجب ہونے کی صورتیں

(۱) کسی کی آنکھ دیر میں کھلی اور یہ سمجھ کر کہ ابھی سحری کا وقت باقی ہے کچھ کھا پی لیا پھر معلوم ہوا کہ صبح ہو چکی تھی، تو اس روزے کی قضا رکھنا واجب ہے۔

(۲) کسی نے سورج ڈوبنے سے پہلے ہی سمجھ کر کہ سورج ڈوب گیا ہے افطار کر لیا۔ تو قضا واجب ہے۔

(۳) بے ارادہ کوئی چیز پیٹ میں پہنچ گئی مثلاً کلی کے لئے منہ میں پانی لیا اور وہ حلق سے نیچے اُتر گیا۔ ناک یا کان میں دوا ڈالی اور پیٹ میں پہنچ گئی، پیٹ یا دماغ کے زخم میں دوا ڈالی اور وہ اس زخم کی راہ سے پیٹ یا دماغ تک پہنچ گئی تو ان صورتوں میں صرف قضا واجب ہے۔

(۴) کسی نے روزہ دار کو زبردستی کچھ کھلا پلا دیا تو صرف قضا واجب ہے۔

(۵) کسی نے زبردستی کسی خاتون کے ساتھ جنسی فعل کیا یا غافل سو رہی تھی یا بے ہوش تھی اور کسی نے اُس سے جنسی لذت حاصل کی تو خاتون پر صرف قضا واجب ہوگی۔

(۶) کسی نادان نے مُردہ عورت[1] یا کمسن بچی کے ساتھ جنسی فعل کیا یا بہائم کے ساتھ یہ فعل کیا، یا کسی کو لپٹایا یا بوسہ لیا یا جلق کا مرتکب ہوا اور اِن صورتوں میں انزال ہو گیا تو صرف قضا واجب ہے۔

(۷) کسی نے روزے کی نیت ہی نہیں کی لیکن کھانے پینے وغیرہ سے رُکا رہا یا نیت کی مگر

---

[1] یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ وضاحتیں صرف روزے کے احکام سمجھانے کے لئے ہیں، غلط افعال کا ارتکاب بہر حال سخت گناہ ہے۔

نصف النہّار کے بعد کی تو ان صورتوں میں روزہ نہ ہوگا اور قضا لازم ہوگی۔

(۸) روزے میں کسی کے منھ میں آنسو یا پسینے کے قطرے چلے گئے اور پورے منھ میں اس کی نمکینی محسوس ہوئی اور وہ ان قطروں کو نگل گیا تو روزہ جاتا رہا، قضا لازم ہے۔

(۹) منھ میں کوئی شخص پان دبائے سو گیا اور صبحِ صادق کے بعد آنکھ کھلی تو صرف قضا واجب ہے، کفارہ واجب نہیں۔

(۱۰) روزے میں کسی نے قصداً منھ بھر قے کی تو روزہ جاتا رہا اور قضا واجب ہے۔

(۱۱) کسی نے روزے میں کوئی کنکری یا لوہے کا ٹکڑا یا اور کوئی ایسی چیز کھالی جس کو نہ بطورِ غذا کھاتے ہیں نہ بطور دوا تو اس صورت میں روزہ جاتا رہا اور صرف قضا لازم ہوگی۔

(۱۲) روزے میں کسی خاتون نے اپنے مقامِ خاص میں کوئی دوا ڈالی یا تیل ڈالا تو اس صورت میں صرف قضا واجب ہے۔

(۱۳) کسی نے روزے میں بھولے سے کھا پی لیا، اور پھر یہ سمجھ کر کہ روزہ ٹوٹ ہی گیا ہے قصداً کچھ کھا پی لیا تو روزہ جاتا رہا اور صرف قضا واجب ہے کفارہ نہیں۔

(۱۴) کسی نے روزے میں کان کے اندر تیل ڈالا، یا جلاب میں عمل لیا تو روزہ جاتا رہا اور اس کی صرف قضا واجب ہے کفارہ نہیں۔

(۱۵) کسی خاتون نے علاج وغیرہ کی ضرورت سے اپنی اُگلی شرم گاہ میں اپنی اُنگلی داخل کی یا کسی دائی وغیرہ سے داخل کرائی اور پھر ساری اُنگلی یا اُنگلی کا کچھ حصہ نکالنے کے بعد دوبارہ داخل کی تو روزہ جاتا رہا اور قضا واجب ہے اور اگر دوبارہ داخل نہیں کی لیکن اُنگلی کسی چیز میں بھیگی ہوئی تھی تو پہلی بار داخل کرنے سے روزہ جاتا رہا اور قضا واجب ہے، اسی طرح اگر کوئی خاتون اپنی شرمگاہ میں روئی وغیرہ رکھے اور سب اندر غائب ہو جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور قضا واجب ہوگی۔

(۱۶) جماع اور لواطت[1] کے علاوہ جنسی لذت کا کوئی ایسا فعل کیا جس سے عادۃً انزال

---

[1] یہ وہ بدترین اور گھناؤنا عمل ہے جس میں لوطؑ کی قوم مبتلا ہو کر خدا کے غضب اور عذاب میں مبتلا ہوئی، یہ سخت گناہ ہے۔

ہو جاتا ہے، اگر انزال ہوگیا تو روزہ جاتا رہا اور صرف قضالازم آئے گی، مثلاً کوئی جلق کا مرتکب ہوا، یا کسی نے خاتون کی ناف، ران یا کولھوں میں عضوِ خاص گھسا کر منی خارج کی، یا کسی جانور کے ساتھ یہ فعل کیا، یا کسی خاتون نے کسی دوسری خاتون کے ساتھ حصولِ لذت کی کوشش کی اور انزال ہوگیا تو روزہ جاتا رہے گا اور قضالازم ہوگی، کفارہ واجب نہ ہوگا۔

(۱۷) مسواک کرتے ہوئے یا یونہی مسوڑھے وغیرہ سے خون نکلا اور روزہ میں تھوک کے ساتھ نگل گیا تو روزہ ٹوٹ گیا قضا واجب ہے، ہاں اگر خون تھوک کی مقدار سے کم ہے اور حلق میں محسوس نہیں ہو رہا ہے تو روزہ نہیں جائے گا۔

قضا اور کفّارہ دونوں واجب ہونے کی صورتیں

(۱) کسی نے روزہ میں جذبات سے مغلوب ہوکر جنسی فعل کا ارتکاب کیا چاہے وہ مرد ہو یا عورت، یا مرد نے لواطت کی تو قضا بھی واجب ہے اور کفارہ بھی۔

(۲) کسی خاتون نے مرد سے ہمبستری کی اور عضو کا سر اندر داخل ہوگیا تو چاہے منی کا خروج ہو یا نہ ہو ہر حال میں قضا واجب ہے اور کفارہ بھی۔

(۳) کسی نادان نے عورت سے ہمبستری کی اور اس کے پچھلے حصے میں عضو کا سر داخل کر دیا تو دونوں کا روزہ فاسد ہوگیا۔ قضا بھی واجب ہے اور کفارہ بھی۔

(۴) کسی نے ایسی کوئی چیز کھا پی لی جو کھانے پینے کے استعمال میں آتی ہے یا ایسی چیز کھائی جو کھانے پینے میں استعمال نہیں کی جاتی لیکن دوا کے طور پر کھا پی لی، کہ اس سے فائدہ ہوگا تو روزہ جاتا رہا اور اس پر قضا اور کفارہ دونوں واجب ہیں۔

(۵) خاتون غافل سو رہی تھی یا بے ہوش پڑی ہوئی تھی اور مرد نے اس سے جنسی لذت حاصل کی تو مرد پر قضا بھی واجب ہے اور کفارہ بھی۔

(۶) کوئی ایسا فعل کیا جس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، لیکن اس شخص نے اپنے طور پر یہ سمجھ

لیا کہ میرا روزہ فاسد ہوگیا اور پھر قصداً کچھ کھا پی لیا، تو روزہ فاسد ہوگیا قضا بھی واجب ہے اور کفارہ بھی، مثلاً کسی نے سرمہ لگایا، سر میں تیل ڈالا۔ یا پچھنے لگوائے یا کسی خاتون کو چمٹایا یا بوسہ لیا اور پھر یہ سمجھ کر کہ کے میرا روزہ جاتا رہا قصداً کچھ کھا پی لیا، تو روزہ فاسد ہوگیا، اس صورت میں قضا بھی واجب ہے اور کفارہ بھی۔

روزہ مکروہ ہونے کی صورتیں

یعنی ان چیزوں کا بیان جن کے کرنے سے روزہ فاسد تو نہیں ہوتا، لیکن مکروہ ہو جاتا ہے، ان سب چیزوں کی کراہت تنزیہی ہے۔ تحریمی نہیں۔

(۱) کسی چیز کا ذائقہ چکھنا، البتہ کوئی خاتون مجبوراً اس لئے کھانے کی چیزوں کا ذائقہ پکاتے وقت، یا بازار سے خریدتے وقت چکھ لے کہ اس کا شوہر بدمزاج اور سخت گیر ہے، یا اسی طرح کوئی ملازمہ اپنے آقا کے خوف سے کھانے پینے کی چیزوں کا مزہ چکھ لے تو مکروہ نہیں۔

(۲) منہ میں کوئی چیز چبانا یا یونہی ڈالے رکھنا، مثلاً کوئی خاتون اپنے ننھے بچے کو کھلانے کے لئے اپنے منہ میں کوئی چیز دبائے یا نرم کرنے کے لئے یا ٹھنڈا کرنے کے لئے منہ میں ڈالے تو یہ مکروہ ہے، البتہ مجبوری کی صورت میں جائز ہے مثلاً کسی کا بچہ بھوکا ہے۔ اور وہ صرف وہی چیز کھاتا ہے جو منہ میں چبا کر اس کو دی جائے، اور کوئی بے روزہ آدمی بھی موجود نہ ہو تو اس صورت میں چبا کر کھلانا مکروہ نہیں۔

(۳) کسی عورت کا ہونٹ منہ میں لے لینا، یا ننگے ہو کر بدن ملانا مکروہ ہے، چاہے انزال ہونے اور صحبت کر لینے کا خوف ہو یا نہ ہو۔

(۴) روزے میں کوئی ایسا کام کرنا مکروہ ہے جس سے اتنی زیادہ کمزوری پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہو کہ روزہ توڑنا پڑے گا۔

(۵) کلّی کرنے یا ناک میں پانی ڈالنے میں ضرورت سے زیادہ اہتمام اور غلو کرنا۔

(۶) بلا وجہ منہ میں تھوک جمع کر کے نگلنا۔

(۷) بے قراری، گھبراہٹ، اور اضمحلال کا اظہار کرنا۔

(۸) غسل کی حاجت ہو اور موقع بھی ہو پھر بھی کوئی شخص بلا وجہ قصداً صبحِ صادق کے بعد تک غسل نہ کرے اور خواہ مخواہ ٹال مٹول کرے تو یہ مکروہ ہے۔

(۹) منجن، پیسٹ، یا کوئلہ چبا کر اس سے دانت مانجنا۔

(۱۰) روزے میں غیبت کرنا، جھوٹ بولنا، گالی گلوج اور شور و ہنگامہ کرنا مارنا پیٹنا اور کسی پر زیادتی کرنا۔

(۱۱) قصداً حلق میں دھواں، یا گرد وغبار پہنچانا مکروہ ہے، اور اگر لوبان وغیرہ سلگا کر اس کو سونگھا یا حقہ، سگریٹ اور بیڑی وغیرہ پی لیا تو روزہ جاتا رہا۔

روزہ مکروہ نہ ہونے کی صورتیں

(۱) روزے کا خیال نہ رہا اور بھولے سے کچھ کھا پی لیا، یا شریکِ حیات سے جنسی لذت حاصل کی، چاہے ایک بار ایسا کیا یا کئی بار اتفاق ہوا حد یہ کہ اگر بھولے سے پیٹ بھر کر بھی کھا پی لیا تب بھی روزہ نہیں ٹوٹا اور نہ مکروہ ہوا۔

(۲) دن میں روزہ دار سو گیا اور سوتے میں کوئی ایسا خواب دیکھا جس سے غسل کی حاجت ہو گئی تو اس سے روزہ مکروہ نہیں ہوتا۔

(۳) دن میں سرمہ لگانا، سر میں تیل ڈالنا، یا بدن پر مالش کرنا، خوشبو سونگھنا سب دُرست ہے، سرمہ لگانے کے بعد اگر بلغم میں سرمہ کی سیاہی محسوس ہو تب بھی روزہ مکروہ نہیں ہوتا۔

(۴) اپنی شریکِ حیات کے ساتھ لیٹنا، بغل گیر ہونا، بوس و کنار کرنا، سب دُرست ہے ہاں اگر انزال کا اندیشہ یا جذبات کے ہیجان میں صحبت کر لینے کا خطرہ ہو تو پھر یہ سب کام مکروہ ہیں۔

(۵) روزے میں تھوکنا اور بلغم نگلنا مکروہ نہیں۔

(۶) روزے میں حلق کے اندر مکھی چلی گئی یا بے اختیار گرد وغبار یا دھواں چلا گیا تو اس سے روزہ مکروہ نہیں ہوتا۔ ہاں اگر ان میں کوئی چیز قصداً پیٹ میں پہنچائی تو روزہ جاتا رہے گا۔

(۷) کسی خاتون کے جنسی اعضاء کو دیکھنے سے یا کوئی جنسی خیال دل میں لانے سے اگر انزال ہو گیا تو روزہ مکروہ نہ ہوگا۔

(۸) کسی جانور کے جنسی اعضاء کو چھونے سے اگر انزال بھی ہو جائے تب بھی روزہ فاسدہ نہیں ہوتا۔

(۹) مرد کے لئے اپنے عضو خاص کے سوراخ میں تیل یا پانی یا دوا وغیرہ ڈالنا یا پچکاری سے پہچانا، یا سلائی وغیرہ داخل کرنا جائز ہے، اس سے روزہ مکروہ نہیں ہوتا۔

(۱۰) کوئی شخص خشک لکڑی یا خشک اُنگلی اپنے پچھلے حصے میں داخل کرے لیکن لکڑی اندر غائب نہ ہو تو روزہ فاسد نہ ہوگا۔

(۱۱) کسی نے یہ سمجھا کہ ابھی رات باقی ہے اور وہ اپنی شریکِ حیات سے صحبت میں مشغول ہو گیا، یا روزہ کا خیال نہ رہا، اور صحبت شروع کر دی لیکن پھر جونہی معلوم ہوا کہ صبحِ صادق ہو چکی ہے یا روزہ یاد آیا تو فوراً علیحدہ ہو گیا اس صورت میں اگر علیحدہ ہونے کے بعد انزال ہو تب بھی روزہ فاسد نہ ہوگا۔ اس انزال کا حکم وہی ہوگا جو روزے میں احتلام کا ہے۔

(۱۲) کان میں پانی چلا جائے یا کوئی قصداً ڈال لے تو اس سے روزہ مکروہ نہ ہوگا۔

(۱۳) دانتوں کے درمیان غذا یا بوٹی یا کوئی ریشہ یا چھالیہ کا کوئی ٹکڑا رہ گیا اور اس کو منہ سے نہیں نکالا بلکہ اندر ہی اندر نگل لیا اگر یہ چنے کی مقدار سے کم ہے تو روزہ فاسد نہ ہوگا۔

(۱۴) بے اختیار قے ہو گئی منہ بھر کر ہوئی یا اس سے کم یا زیادہ بہر حال روزہ مکروہ نہ ہوگا۔ اگر اس صورت میں بے اختیار کچھ حصہ پھر پیٹ میں لوٹ جائے تب بھی روزہ مکروہ نہ ہوگا۔

(۱۵) روزے میں کسی وقت بھی مسواک کرنا، چاہے خشک لکڑی سے کی جائے یا بالکل تازہ اور تر لکڑی سے، نیب کی تازہ مسواک کا کڑوا کڑوا ذائقہ منہ میں محسوس ہو تب بھی روزہ مکروہ نہیں ہوتا۔

(۱۶) گرمی کی شدت میں کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، منہ ہاتھ دھونا، نہانا کپڑا اتر کر کے بدن پر رکھنا مکروہ نہیں۔

(۱۷) اگر پان کھانے کے بعد اچھی طرح کلّی اور غرارہ کر کے منہ صاف کرلیا، لیکن تھوک میں سُرخی اَب بھی محسوس ہورہی ہے تو کوئی حرج نہیں اس سے روزہ مکروہ نہ ہوگا۔

(۱۸) اگر قصداً قے کی لیکن تھوڑی قے کی، منہ بھر نہیں ہے تو روزہ نہیں ٹوٹا اور نہ مکروہ ہوا۔

(۱۹) مسواک کرنے میں یا یونہی منہ سے خون نکلا اور تھوک کے ساتھ نگل لیا۔ اگر خون کی مقدار تھوک سے کم ہو اور حلق میں خون کا مزہ معلوم نہ ہوتو، روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

(۲۰) آنکھ میں رقیق دوا ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا (فتویٰ عالم گیری)

سرمہ لگانے سے روزہ ٹوٹنے کی وضاحت حدیث میں موجود ہے اور یہاں تک صراحت ہے کہ اگر حلق میں سرمہ کا اثر آجائے تب بھی روزہ نہیں ٹوٹتا، اسی پر فقہا نے قیاس کر کے یہ استنباط کیا ہے کہ آنکھوں میں رقیق دوا ڈالنے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا۔

روزے کی نیت کے مسائل

(۱) نیت کے معنیٰ ہیں دل میں ارادہ کرنا، زبان سے نیت کا اظہار کرنا ضروری نہیں صرف دل میں ارادہ کرلینا کافی ہے بلکہ سحری کھانا بھی نیت ہی کے قائم مقام ہے، اس لئے کہ سحری روزے ہی کی غرض سے کھائی جاتی ہے۔

البتہ جو لوگ اس وقت کھانے کے عام طور پر عادی ہوں یا جو غافل نادان سحری اہتمام سے کھاتے ہوں اور روزہ نہ رکھتے ہوں تو ان لوگوں کی سحری نیت کے قائم مقام نہ ہوگی، ان کے لئے ضروری ہے کہ نیت کریں۔

(۲) رمضان المبارک کے ہر روزے کے لئے الگ نیت کرنا ضروری ہے، رمضان کے سارے روزوں کے لئے صرف ایک دن نیت کرلینا کافی نہیں ہے۔

(۳) رمضان کے ادا روزوں میں فرض کہہ کر نیت کرنا ضروری نہیں صرف روزے کی نیت کرلینا کافی ہے، البتہ کوئی مریض اگر رمضان کا روزہ رکھے تو وہ فرض کی تعیین کرے اس لئے کہ اس پر رمضان کا روزہ فرض نہیں ہے مریض اگر محض روزے کی نیت کرے یا نفلی روزے کی نیت کرے تو اس کا روزہ رمضان کا روزہ نہ ہوگا۔

(۴) مسافر کے لئے ضروری ہے کہ وہ رمضان میں کسی اور واجب روزے کی نیت نہ کرے رمضان کے فرض روزے کی نیت کرے، یا نفلی روزے کی نیت کرے ہر طرح دُرست ہے۔

(۵) رمضان کے قضا روزوں میں متعین طور پر فرض کی نیت کرنا ضروری ہے۔

(۶) اگر کوئی شخص شب میں روزہ کی نیت کرنا بھول جائے اور دن میں اس کو یاد آئے تو اِن تین قسم کے روزوں میں نصف النہار سے پہلے پہلے تک نیت کرلینا دُرست ہے، یعنی غروبِ آفتاب سے قبل نصف النہار[1] تک کسی وقت بھی نیت کرلے دُرست ہے۔

۱ رمضان کے ادا روزوں میں۔

۲ نذر کے اُن روزوں میں جن میں دن یا تاریخ کی تخصیص کردی گئی ہو۔

۳ نفلی روزوں میں

(۷) اِن چار قسم کے روزوں میں غروبِ آفتاب سے طلوعِ صبحِ صادق تک نیت کرلینا ضروری ہے۔ ان میں صبحِ صادق کے بعد نیت کرنا کافی نہیں ہے۔

۱ رمضان کے قضا روزوں میں۔

۲ نذر کے اُن روزوں میں جن میں دن یا تاریخ معین نہ ہو۔

۳ کفارے کے روزوں میں۔

۴ اور اُن نفلی روزوں کی قضا میں جو شروع ہوجانے کے بعد کسی وجہ سے فاسد ہوگئے ہوں۔

(۸) اگر شب میں کسی وجہ سے روزہ رکھنے کا ارادہ نہ تھا، پھر صبح کو بھی روزہ نہ رکھنے ہی کا

---

[1] شرعی دن صبحِ صادق سے غروبِ آفتاب تک ہے۔ اسی کے پیشِ نظر نصف النہار کا اندازہ کرنا چاہئے۔

خیال رہا، پھر نصف النہار سے پہلے خیال آیا کہ رمضان کا روزہ چھوڑنا مناسب نہیں اور نیت کرلی تو یہ روزہ دُرست ہے ہاں اگر صبح کے وقت کچھ کھا پی لیا تھا تو اب نیت کرنے کی گنجائش نہیں رہی۔

(۹) رمضان کے مہینے میں کسی نے فرض روزے کے بجائے نفلی روزے کی نیت کی اور یہ سوچا کہ فرض روزے کی قضا رکھ لوں گا۔ تب بھی وہ روزہ رمضان ہی کا ہوگا۔ نفلی روزہ نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر نفلی روزے کے بجائے واجب روزے کی نیت کی تب بھی رمضان ہی کا روزہ ہوا، اُصولی بات یہ ہے کہ رمضان میں صرف رمضان کا فرض روزہ ہی صحیح ہے کوئی اور روزہ صحیح نہیں ہے۔

(۱۰) روزہ صبحِ صادق سے شروع ہوتا ہے، اس لئے صبح صادق سے پہلے پہلے وہ سارے کام جائز ہیں جن سے بچنا روزے میں فرض ہے، بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ روزے کی نیت کرلینے کے بعد کچھ کھانا پینا وغیرہ جائز نہیں، یہ غلط ہے، صبح صادق سے پہلے پہلے کھانا پینا وغیرہ سب جائز ہے چاہے غروب آفتاب کے بعد ہی دوسرے دن کے روزے کی نیت کرلی ہو۔

(۱۱) نفلی روزہ نیت کرنے سے واجب ہوجاتا ہے اگر صبح کے وقت یہ نیت کی کہ آج میرا روزہ ہے اور پھر اس کے بعد روزہ توڑ دیا، تو اس روزے کی قضا واجب ہے۔

(۱۲) کسی نے شب میں یہ ارادہ کیا کہ میں کل کا روزہ رکھوں گا۔ لیکن پھر صبح ہونے سے پہلے پہلے ارادہ بدل دیا، اور روزہ نہیں رکھا، تو اس صورت میں قضا واجب نہیں۔

(۱۳) اگر شب میں نیت کرے تو کہے۔

بِصَوْمِ غَدٍ نَوَيْتُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ

میں نے ماہِ رمضان کے روزے کی نیت کی۔

اور دن میں نیت کرے تو کہے

نَوَيْتُ بِصَوْمِ الْيَوْمَ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ

میں نے ماہِ رمضان کے آج کے روزے کی نیت کی۔

لیکن عربی میں نیت کے الفاظ کہنا ضروری نہیں کسی بھی زبان میں کہہ لے۔ اور زبان سے نہ

کہے تو صرف دل کا ارادہ ہی کافی ہے۔

سحری اور افطار

روزہ رکھنے کی غرض سے صبح صادق سے پہلے جو کچھ کھایا پیا جاتا ہے اسے ''سحری،، کہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی سحری کا اہتمام فرماتے اور دوسروں کو بھی سحری کھانے کی تاکید فرماتے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سحر کے وقت مجھ سے فرماتے ''میرا روزہ رکھنے کا ارادہ ہے مجھے کچھ کھلاؤ۔'' تو میں کچھ کھجوریں اور ایک برتن میں پانی پیش کر دیتا۔ اور آپ نے سحری کھانے کی تاکید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:-

تَسَحَّرُوْا فَاِنَّ فِی السُّحُوْرِ بَرَکَةٌ (بخاری، مسلم عن انسؓ)

''سحری کھالیا کرو اس لئے کہ سحری کھانے میں بڑی برکت ہے۔''

برکت سے مُراد یہ ہے کہ دن کے کاموں میں اور عبادت و اطاعت میں کمزوری محسوس نہ ہوگی اور روزے میں آسانی ہوگی۔ چنانچہ ایک موقع پر آپؐ نے ارشاد فرمایا:-

اِسْتَعِيْنُوْا بِطَعَامِ السَّحَرِ عَلٰى صِيَامِ النَّهَارِ وَبِقَيْلُوْلَةِ النَّهَارِ عَلٰى قِيَامِ اللَّيْلِ۔

دن کو روزہ رکھنے میں سحری کھانے سے مدد لیا کرو۔ اور قیام لیل کے لئے قیلولے سے مدد لیا کرو۔

سحری کھانا سنت ہے اور مسلمانوں اور یہودیوں و نصاریٰ کے روزوں میں فرق یہ بھی ہے کہ وہ سحری نہیں کھاتے اور مسلمان سحری کھاتے ہیں فَصْلُ مَا بَيْنَ صِيَامِنَا وَصِيَامِ اَهْلِ الْكِتٰبِ اَكْلَةُ السَّحَرِ (صحیح مسلم) اگر بھوک نہ ہو تو کچھ تھوڑا سا میٹھا، یا دودھ یا کم از کم پانی ہی پی لینا چاہئے۔ اس لئے کہ سحری کھانے کا بڑا ثواب ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

''سحری کھانا سراسر برکت ہے، سحری کھانا کبھی نہ چھوڑو، چاہے پانی کا ایک گھونٹ ہی پیو، کیونکہ سحری کھانے والوں پر خدا رحمت فرماتا ہے اور فرشتے ان کے لئے استغفار کرتے ہیں۔''

(مسند احمد، عن ابی سعید خدریؓ)

سحری میں تاخیر

سحری، اخیر وقت میں کھانا جب کہ صبح صادق میں تھوڑی ہی دیر باقی ہو مستحب ہے، بعض لوگ بنظرِ احتیاط بہت پہلے سحری کھالیتے ہیں۔ یہ بہتر نہیں ہے، بلکہ تاخیر سے کھانے میں اجروثواب ہے۔ مسند احمد میں حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

لَایَزَالُ النَّاسُ بِخَیرِمَا عَجَّلُوُ الْفِطرَوَاَخَّرَ السُّحُورَ

اُمت کے لوگ اچھے حال میں رہیں گے، جب تک وہ افطار کرنے میں جلدی اور سحری کھانے میں تاخیر کرتے رہیں گے۔

افطار میں تعجیل

افطار میں جلدی کرنا مستحب ہے، یعنی سورج ڈوبنے کے بعد احتیاط کے خیال سے تاخیر کرنا مناسب نہیں بلکہ فوراً ہی افطار لینا چاہئے۔ اس طرح کی غیر ضروری احتیاطوں کے اہتمام سے دینی مزاج بگڑ جاتا ہے، دین داری یہ نہیں ہے کہ آدمی خواہ مخواہ اپنے کو مشقتوں میں ڈالے، بلکہ دینداری یہ ہے کہ خدا کے حکم کی بے چون وچرا اطاعت کی جائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”تین باتیں پیغمبرانہ اخلاق کی ہیں۔“

(۱) سحری تاخیر سے کھانا۔

(۲) افطار میں تعجیل کرنا۔

(۳) نماز میں داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ کے اوپر رکھنا۔

حضرت ابن ابی اوفیٰ کہتے ہیں کہ ”ہم لوگ ایک سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، روزے سے تھے، جب سورج نظروں سے اوجھل ہوگیا تو آپ نے کسی سے فرمایا، اُٹھو اور

ہمارے لئے ستّو گھول دو۔ اس شخص نے کہا یا رسول اللہ کچھ دیر اور ٹھہر جائیں کہ شام ہو جائے تو اچھا ہو، ارشاد فرمایا سواری سے اُترو اور ہمارے لئے ستو گھول دو۔ اس شخص نے پھر کہا یا رسول اللہ ابھی دن پھیلا ہوا ہے، آپ نے پھر ارشاد فرمایا۔ سواری سے اُترو اور ہمارے لئے ستو گھول دو۔ تب وہ اُترا اور اس نے سب کے لئے ستو تیار کئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ستو نوش فرمائے اور ارشاد فرمایا ''جب تم دیکھو کہ رات کی سیاہی اس طرف سے چھانا شروع ہوگئی ہے تو روزہ دار کو روزہ کھول دینا چاہئے۔'' (بخاری)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں، خدا کا ارشاد ہے

اَحَبُّ عِبَادِیْ عَلَیَّ اَعْجَلُھُمْ فِطْرًا

''اپنے بندوں میں سب سے زیادہ مجھے وہ بندہ پسند ہے جو افطار میں تعجیل کرے،، (یعنی غروبِ آفتاب کے بعد ہرگز تاخیر نہ کرے) (جامع ترمذی)

نیز آپ نے ارشاد فرمایا:

''لوگ اچھی حالت میں رہیں گے جب تک وہ افطار میں جلدی کریں گے۔'' (بخاری، مسلم)

کس چیز سے افطار مستحب ہے

کھجور اور چھوارے سے افطار کرنا مستحب ہے اور یہ میسر نہ ہو تو پھر پانی سے افطار بھی مستحب ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی انہی چیزوں سے افطار فرماتے۔

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ مغرب سے پہلے چند تر کھجوروں سے روزہ افطار فرماتے تھے اور اگر یہ نہ ہوتیں تو چھواروں سے افطار فرماتے تھے اور اگر یہ بھی نہ ہوتے تو چند گھونٹ پانی ہی نوش فرما لیتے تھے۔'' (جامع ترمذی)

اور انہی چیزوں سے افطار کی ترغیب آپ نے صحابۂ کرام کو دی، فرمایا

''جب تم میں سے کسی کا روزہ ہوتو وہ کھجور سے افطار کرے، کھجور میسر نہ ہوتو پھر پانی سے افطار کرے، فی الواقع پانی انتہائی پاک چیز ہے۔'' (احمد، ترمذی، ابوداؤد)

کھجور عرب کی پسندیدہ غذا بھی تھی اور ہر غریب و امیر کو آسانی سے میسر بھی آجاتی تھی رہا پانی تو وہ ہر جگہ فراوانی سے مہیا ہے، ان چیزوں سے روزہ افطار فرمانے اور ترغیب دینے کی مصلحت یہ ہے کہ اُمت کسی مشقت میں مبتلا نہ ہو اور بروقت سہولت کے ساتھ روزہ افطار کر سکے پھر پانی کی ایک خوبی آپ نے یہ بھی بیان فرمائی کہ وہ اتنی پاک چیز ہے کہ ہر چیز اس سے پاک ہوجاتی ہے، ظاہر کا پاک ہونا تو محسوس امر ہے، باطن بھی اس سے پاک ہوجاتا ہے، روزہ دار جب دن بھر خدا کی خوشنودی کے لئے شعوری ایمان کے ساتھ پیاسا رہے گا اور شام کو ٹھنڈے پانی سے اپنی پیاس بجھائے گا تو بے اختیار شکر و احسان مندی کے جذبات پیدا ہوں گے جن سے اس کے باطن کو جلا نصیب ہوگی۔

مگر یہ خیال رہے کہ اس معاملے میں غلو کرنا، اور کسی دوسری چیز سے افطار کو غیر متّقیانہ فعل سمجھنا سراسر غلط ہے اِسی طرح یہ خیال بھی غلط ہے کہ نمک سے افطار کرنے کا بڑا اجر و ثواب ہے۔

افطار کی دُعا

اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ (ابوداؤد)

اے اللہ! میں نے تیرے لئے روزہ رکھا، اور تیری ہی دی ہوئی روزی سے افطار کیا۔

افطار کے بعد کی دُعا

ذَهَبَ الظَّمَاءُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ۔

(ابوداؤد)

پیاس جاتی رہی، رگیں سیراب ہوگئیں اور اگر اللہ نے چاہا تو اجر بھی ضرور ملے گا۔

افطار کرانے کا اجر وثواب

دوسرے کو افطار کرانا بھی پسندیدہ عمل ہے اور افطار کرانے والے کو بھی اتنا ہی اجر وثواب ملتا ہے جتنا روزہ رکھنے والے کو ملتا ہے چاہے وہ چند لقمے کھلائے یا ایک کھجور ہی سے افطار کرادے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

''جس شخص نے کسی روزے دار کو افطار کرایا تو اسکو روزے دار کی طرح اجر وثواب ملے گا'' (بیہقی)

بے سحری کا روزہ

شب میں سحری کھانے کے لئے اگر آنکھ نہ کھلے تب بھی روزہ رکھنا چاہئے، سحری نہ کھانے کی وجہ سے روزہ نہ رکھنا بڑی کم ہمتی کی بات ہے محض سحری نہ کھانے کی وجہ سے روزہ چھوڑنا گناہ ہے۔

اگر کبھی آنکھ دیر سے کھلی اور یہ خیال ہوا کہ ابھی رات باقی ہے اور کچھ کھا پی لیا پھر معلوم ہوا کہ صبح صادق کے بعد کھایا پیا ہے تو اگر چہ اس صورت میں روزہ نہ ہوگا۔لیکن پھر بھی دن بھر روزہ داروں کی طرح رہے اور کچھ نہ کھائے پیئے۔

اگر اتنی دیر سے آنکھ کھلی کہ صبح ہو جانے کا شبہ ہے تو ایسے وقت میں کھانا پینا مکروہ ہے اور اگر شبہ ہو جانے کے باوجود کھا پی لیا تو بُرا کیا ایسے وقت میں کھانا گناہ ہے پھر اگر بعد میں یہ معلوم ہو کہ صبح ہو چکی تھی تو قضا واجب ہے، اور اگر شبہ ہی رہے تو قضا واجب نہیں لیکن احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ قضا کا روزہ رکھے۔

وہ معذوریاں جن میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے

ایسی معذوریاں جن میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے صرف دس ہیں ان میں سے کوئی معذوری بھی ہو تو روزہ چھوڑ دینے کی اجازت ہے، ان معذوریوں کی تفصیل یہ ہے:۔

۱ سفر

۲ بیماری

۳ حمل

۴ ارضاع۔یعنی بچے کودودھ پلانا

۵ بھوک پیاس کی شدت

۶ ضعف اور بڑھاپا

۷ خوفِ ہلاکت

۸ جہاد

۹ بے ہوشی

۱۰ جنون اور دیوانگی

(۱) سفر

شریعت نے اپنے سارے احکام میں بندوں کی سہولت اور آسانی کا پورا پورا لحاظ کیا ہے۔اور کسی معاملے میں بھی ان کو کسی بے جا مشقت اور تنگی میں مبتلا نہیں کیا ہے۔چنانچہ قرآنِ حکیم میں روزے کی فرضیت کا اعلان کرتے ہوئے بھی قرآن نے مسافر اور مریض کی معذوری کا لحاظ کیا ہے اوران کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی ہے۔

فَمَنۡ شَهِدَ مِنۡكُمُ الشَّهۡرَ فَلۡيَصُمۡهُ ؕ وَمَنۡ كَانَ مَرِيۡضًا اَوۡ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنۡ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ (البقرہ آیت ۱۸۵)

پس تم میں سے جو شخص اس مہینے کو پائے اس پر لازم ہے کہ وہ اس مہینے کے روزے رکھے۔اور جو بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں (روزے رکھ کر) گنتی پوری کرلے۔‘‘

(۱) سفر خواہ کسی بھی غرض کے لئے ہو اور چاہے اس میں ہر طرح کی سہولتیں حاصل ہوں یا

مشقتیں برداشت کرنی پڑ رہی ہوں ہر حال میں مسافر کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔البتہ جس سفر میں کوئی خاص مشقت نہ ہو تو مستحب یہی ہے کہ روزہ رکھ لے، تاکہ رمضان کی فضیلت و برکت حاصل ہو سکے لیکن مشقت و پریشانی کی صورت میں روزہ نہ رکھنا بہتر ہے۔

(۲) اگر روزے کی نیت کر لینے کے بعد یا روزہ شروع ہو جانے کے بعد کوئی شخص سفر پر روانہ ہو، تو اس دن کا روزہ رکھنا ضروری ہے البتہ اگر وہ روزہ توڑ دے تو کفارہ لازم نہ آئے گا۔

(۳) اگر کوئی مسافر نصف النہار سے پہلے پہلے کہیں مقیم ہو جائے اور اس وقت تک اس نے روزے کو فاسد کرنے والا کوئی کام نہیں کیا ہے تو اس کے لئے بھی اس دن روزہ رکھنا ضروری ہے البتہ اگر وہ روزہ فاسد کر دے گا تو کفارہ واجب نہ ہو گا۔

(۴) اگر کوئی مسافر کسی مقام پر کچھ دن قیام کا ارادہ کر لے چاہے پندرہ دن سے کم ہی کا ارادہ کرے، تب بھی بہتر یہ ہے کہ وہ روزہ رکھے ان ایام میں روزہ نہ رکھنا مکروہ ہے اور اگر پندرہ دن قیام کا ارادہ کر لے تو پھر روزہ نہ رکھنا جائز نہیں۔

(۲) بیماری

(۱) اگر روزہ رکھنے سے کسی بیماری کے پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہو یا یہ خیال ہو کہ دوا نہ ملنے کی وجہ سے یا غذا نہ ملنے کی وجہ سے بیماری بڑھ جائے گی یا یہ خیال ہو کہ دیر میں صحت حاصل ہو گی تو ان تمام صورتوں میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے، لیکن یہ واضح رہے کہ ایسا خیال کرنے کی کوئی معقول وجہ ضرور ہونی چاہئے۔ مثلاً کوئی نیک ماہر طبیب ہدایت کرے، یا اپنا بار بار کا تجربہ ہو، یا گمانِ غالب ہو، — محض یوں ہی وہم و خیال کی بنا پر روزہ ترک کر دینا جائز نہیں۔

(۲) اگر کسی نے محض اپنے وہم و خیال سے کہ شاید روزہ رکھنے سے مرض پیدا ہو جائے یا بڑھ جائے نہ خود اسکا کوئی تجربہ ہے اور نہ اس نے کسی ماہر حکیم اور ڈاکٹر ہی سے مشورہ لیا اور روزہ نہیں رکھا تو وہ گنہگار رہو گا۔ اور اس کو کفارہ بھی دینا پڑے گا۔

(۳) کسی بے دین اور شریعت کی قدر واہمیت محسوس نہ کرنے والے طبیب کے مشورے پر عمل کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔

(۳) حمل

(۱) اگر کسی خاتون کو گمانِ غالب ہو کہ اگر وہ روزہ رکھے گی تو بچے کو نقصان پہنچے گا یا خود اسی کو نقصان پہنچے گا تو اُس کے لئے روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔

(۲) اگر روزہ کی نیت کر لینے کے بعد کسی خاتون کو معلوم ہوا کہ وہ حاملہ ہے اور اس کا گمانِ غالب یہ ہے کہ حمل کی صورت میں روزہ اس کے لئے نقصان دہ ہے تو اس کے لئے اجازت ہے کہ وہ روزہ توڑ دے اور پھر قضا رکھے، اس پر کفارہ واجب نہ ہوگا۔

(۴) ارضاع

(۱) اگر گمانِ غالب یہ ہو کہ بچے کو دودھ پلانے والی عورت کو روزہ رکھنے سے شدید نقصان پہنچے گا۔ مثلاً دودھ خشک ہو جائے گا اور بچہ بھوک سے تڑپے گا یا خود اپنی ہی جان کو خطرہ ہو تو روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔

(۲) اور اگر اُجرت دے کر دودھ پلوایا جا سکتا ہو اور بچہ بھی کسی دوسرے کا دودھ پی لے تو پھر روزہ نہ رکھنا دُرست نہیں۔ اور اگر بچہ کسی دوسری خاتون کا دودھ پیتا ہی نہ ہو تب بھی روزہ چھوڑ دینا دُرست ہے۔

(۳) اُجرت پر دودھ پلانے والی خاتون کو بھی اگر گمانِ غالب ہو کہ روزہ رکھنے سے بچے کو یا خود اُس کو نقصان پہنچے گا تو وہ روزہ چھوڑ سکتی ہے۔

(۴) کسی خاتون نے عین رمضان کے دن ہی دودھ پلانے کی ملازمت شروع کی، اس دن اگر وہ روزے کی نیت بھی کر چکی ہو تب اس کے لئے روزہ توڑنا جائز ہے، روزہ توڑنے سے

اس پر صرف قضا لازم ہوگی کفارہ واجب نہ ہوگا۔

(۵) بھوک پیاس کی شدت

اگر کوئی شخص بھوک پیاس کی شدت سے اس قدر بے تاب ہو جائے کہ جان جانے کا خطرہ پیدا ہو جائے یا عقل میں فتور آنے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔

(۶) ضعف اور بڑھاپا

(۱) کوئی شخص اب بیمار تو نہیں ہے لیکن بیماری کی وجہ سے اتنی کمزوری ہوگئی ہے، کہ روزہ رکھنے سے دوبارہ بیمار پڑ جانے کا گمانِ غالب ہے تو اس کے لئے اجازت ہے کہ روزہ نہ رکھے۔

(۲) کوئی شخص بڑھاپے کی وجہ سے انتہائی کمزور ہو گیا ہے اس کے لئے بھی اجازت ہے کہ وہ روزہ نہ رکھے اور چونکہ ایسے ضعیف کے بارے میں یہ توقع نہیں ہے کہ وہ کبھی تندرست ہو کر قضا رکھے گا اس لئے اس پر واجب ہے کہ روزے کا فدیہ ادا کرے چاہے اسی وقت دے یا بعد میں ادا کرے، فدیہ کی مقدار وہی ہے جو صدقۂ فطر کی ہے۔

(۷) خوفِ ہلاکت

اگر محنت مشقت کی وجہ سے جان ہلاک ہونے کا اندیشہ ہو یا کوئی ظالم مجبور کر رہا ہو کہ اگر تو نے روزہ رکھا تو جان سے مار ڈالوں گا یا شدید مار لگاؤں گا یا کوئی عُضو کاٹ لوں گا تو ایسے شخص کے لئے بھی اجازت ہے کہ روزہ نہ رکھے۔

(۸) جہاد

دُشمنانِ دین سے جہاد کی نیت ہو اور یہ خیال ہو کہ روزہ رکھنے سے کمزوری آجائے گی تو

اس صورت میں بھی روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔

- بالفعل جہاد ہو رہا ہو تب بھی روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔
- بالفعل جہاد نہیں ہو رہا ہے لیکن جلد ہی تصادم کا اندیشہ ہے تب بھی اجازت ہے۔
- اور اگر روزہ رکھ لیا ہو اور ایسا موقع پیش آجائے تو روزہ توڑ دینے کی بھی اجازت ہے، روزہ توڑ دینے سے کفارہ لازم نہ آئے گا۔

(۹) بے ہوشی

اگر کسی پر بے ہوشی طاری ہو جائے، اور کئی دن تک یہی صورت رہے تو اس صورت میں جو روزے رکھے جائیں گے ان کی قضا واجب ہوگی۔ البتہ جس شب میں بے ہوشی طاری ہوئی ہے، اگر اس دن بے ہوش ہونے والے سے کوئی ایسا فعل سرزد نہیں ہوا ہے جو روزے کو فاسد کرنے والا ہو۔ اور یہ بھی معلوم نہ ہو کہ بے ہوش ہونے والے نے روزے کی نیت کی تھی یا نہیں، تو اس دن اس کا روزہ سمجھا جائے گا اور اس دن کی قضا لازم نہ آئے گی البتہ بقیہ سارے دنوں کی قضا واجب ہوگی۔

(۱۰) جنون

اگر کسی پر جنون طاری ہو جائے اور اس حالت میں وہ روزہ نہ رکھ سکے تو اس کی دو صورتیں ہیں۔
ایک یہ کہ کسی وقت بھی جنون میں کوئی افاقہ نہیں ہوتا، ایسی صورت میں تو روزے بالکل معاف ہیں نہ قضا ہی واجب ہوگی اور نہ فدیہ واجب ہوگا۔
دوسری صورت یہ ہے کہ کسی وقت جنون میں افاقہ ہو جاتا ہو تو اس شکل میں اس پر قضا واجب ہوگی۔

وہ صورتیں جن میں روزہ توڑ دینا جائز ہے

(۱) یکا یک کوئی زبرست دورہ پڑ گیا، یا کوئی ایسی بیماری ہوگئی کہ جان پر بن آئی یا خدانخواستہ موٹر وغیرہ سے کوئی حادثہ ہوگیا یا کسی اونچے مقام سے گر پڑنے کی وجہ سے حالت غیر ہوگئی تو ان تمام صورتوں میں روزہ توڑ دینا جائز ہے۔

(۲) اگر کوئی اچانک بیمار پڑ گیا اور یہ اندیشہ تو نہیں ہے کہ جان جاتی رہے گی البتہ یہ اندیشہ ہے کہ اگر روزہ نہ توڑا تو بیماری بہت زیادہ بڑھ جائے گی تو اس صورت میں بھی روزہ توڑنے کی اجازت ہے۔

(۳) اگر کسی کو ایسی شدت کی بھوک یا پیاس لگی کہ نہ کھانے پینے سے ہلاک ہوجانے کا اندیشہ ہے تب بھی روزہ توڑ دینا درست ہے۔

(۴) کسی حاملہ خاتون کو کوئی ایسا حادثہ پیش آ گیا کہ اپنی یا بچے کی جان کا ڈر ہے تو اس صورت میں بھی روزہ توڑ دینے کا اختیار ہے۔

(۵) کسی کو سانپ وغیرہ نے کاٹ لیا، اور فوراً دوا وغیرہ کا استعمال ضروری ہے تو روزہ توڑ دینا چاہئے۔

(۶) کمزوری تو تھی لیکن ہمت کر کے روزہ رکھ لیا دن میں محسوس ہوا کہ اگر روزہ نہ کھولا تو جان پر بن آئے گی یا پھر مرض کا شدید حملہ ہو جائے گا تو اس صورت میں بھی روزہ توڑ دینے کی اجازت ہے۔

قضا روزوں کے مسائل

(۱) رمضان المبارک کے جو روزے کسی وجہ سے رہ گئے ہوں، ان کی قضا میں بلا وجہ تاخیر کرنا دُرست نہیں، بہتر یہ ہے کہ جتنی جلد ہو سکے رکھ لے۔ تاخیر کی صورت میں قضا تو صحیح ہوگی

لیکن تاخیر کرنا ناپسندیدہ ہے۔

(۲) رمضان المبارک کے روزے ہوں یا اور کسی قسم کے، یہ ضروری نہیں کے مسلسل ان کی قضا رکھی جائے اور نہ یہ ضروری ہے کہ عذر ختم ہوتے ہی فوراً رکھ لئے جائیں بلکہ جب موقع ہو، ان کی قضا رکھ سکتے ہیں۔

(۳) روزوں کی قضا میں ترتیب فرض نہیں ہے، مثلاً قضا کے روزے رکھے بغیر ادا روزے رکھنا درست ہے۔

(۴) قضا کے روزے رکھنے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ دن اور تاریخ وغیرہ مقرر کر کے رکھے جائیں۔ بلکہ جتنے روزے قضا ہو گئے ہیں ان کے بدلے اتنے ہی روزے رکھ لئے جائیں۔

(۵) اگر رمضان کے دو سال کے کچھ روزے رہ گئے ہوں تو یہ تعیین ضروری ہے کہ کس سال کے روزوں کی قضا رکھ رہا ہے۔ اس لئے یہ نیت کر کے روزے رکھے کہ فلاں سال کے قضا روزے رکھ رہا ہوں۔

(۶) قضا روزے رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ رات سے نیت کی جائے۔ اگر صبحِ صادق کے بعد قضا کی نیت کی تو قضا درست نہیں یہ روزہ نفل ہو جائے گا اور قضا کا روزہ پھر رکھنا واجب ہے۔

(۷) اگر رمضان کے کچھ روزے چھوٹ گئے ہوں، اور ان کی قضا رکھنے کا موقع نہ مل سکا ہو کہ دوسرا رمضان آگیا تو اب رمضان کے ادا روزے رکھے، قضا کے روزے، رمضان کے بعد رکھے۔

(۸) کسی نے دن کے شک میں رمضان کا روزہ رکھا بعد میں معلوم ہوا کہ آج تو شعبان کی ۳۰ رتاریخ ہے تو یہ روزہ نفلی ہو جائے گا اگر چہ مکروہ ہو گا[۱] اور اگر معلوم ہونے کے بعد توڑ دے تو اس کی قضا واجب نہ ہو گی اس لئے کے فعلِ مظنون میں قضا واجب نہیں ہوتی اور اگر یہ معلوم ہوا کہ

۱؎ عین الہدایہ جلد ا ص ۸۷۴

آج یکم رمضان ہے تو پھر وہ رمضان کا روزہ قرار پائے گا۔

کفّارہ اور اس کے مسائل

رمضان کا روزہ فاسد ہو جائے تو اسکا کفارہ یہ ہے دو مہینہ کے مسلسل روزے رکھے جائیں درمیان میں کوئی ناغہ نہ کیا جائے اور اگر کسی وجہ سے ناغہ ہو جائے تو پھر نئے سرے سے پورے ساٹھ روزے رکھے جائیں اور ناغے سے پہلے جو روزے رکھ لئے تھے ان کا شمار نہ ہوگا۔

اور اگر کوئی شخص کسی وجہ سے روزے نہ رکھ سکتا ہو تو پھر ساٹھ محتاجوں کو صبح وشام پیٹ بھر کھانا کھلانا واجب ہے۔[1]

(۱) خواتین کے لئے کفارے میں یہ سہولت ہے کہ حیض کی وجہ سے ناغہ ہو جانے سے کفارہ کا تسلسل ختم نہ ہوگا۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ حیض سے پاک ہونے کے بعد ناغہ نہ کریں پاک ہوتے ہی پھر روزے رکھنے شروع کر دیں۔

(۲) کفارے کے روزے رکھنے کے دوران اگر نفاس کا زمانہ آجائے تو اس سے بھی کفارے کا تسلسل ختم ہو جائے گا اور نئے سرے سے پھر دو مہینے کے پورے روزے رکھنا واجب ہوں گے۔

(۳) کفارے کے روزوں کے دوران اگر ماہِ رمضان آجائے تو پہلے رمضان کے روزے رکھے اور رمضان کے بعد کفارے کے پورے ساٹھ روزے پھر نئے سرے سے رکھے۔

(۴) اگر ایک ہی رمضان کے دوران ایک سے زائد روزے فاسد ہو گئے ہوں تو سب کے لئے ایک ہی کفارہ واجب ہوگا۔

(۵) اگر کسی پر ایک کفارہ واجب ہوا اور وہ ابھی ادا کرنے نہیں پایا تھا کہ دوسرا واجب ہو گیا تو صرف ایک ہی کفارہ دونوں کے لئے واجب ہوگا چاہے یہ دونوں کفارے دو رمضانوں

---

[1] جہاں غلام آزاد کرنا ممکن ہو اور استطاعت بھی ہو، عام حالت میں پہلے غلام آزاد کرنا ہی واجب ہے۔ اسلام نے ہر موقع پر غلامی کو ختم کرنے کی سبیل نکالی ہے۔

کے ہوں بشرطیکہ روزہ فاسد ہونے کی وجہ جنسی فعل نہ ہو، جنسی فعل کے سبب جتنے روزے فاسد ہوں ہر ایک کا کفارہ الگ الگ واجب ہوگا چاہے پہلا کفارہ ادا نہ کر پایا ہو۔

(٦) جنسی فعل کر لینے کی وجہ سے جتنے روزے فاسد ہوں ان کا کفارہ الگ الگ ادا کرنا ہوگا، چاہے پہلا کفارہ نہ ادا کیا ہو۔

(۷) ساٹھ محتاجوں میں یہ لحاظ ضروری ہے کہ محتاج پوری عمر کے ہوں اگر بالکل چھوٹی عمر کے بچوں کو کھلایا، تو ان کے بدلے پھر پوری عمر کے محتاجوں کو کھلانا ضروری ہے۔

(۸) کھانا کھلانے کے بجائے غلہ دینا بھی جائز ہے[1] اور یہ بھی جائز ہے کہ قیمت ادا کر دی جائے۔

(۹) محتاجوں کو کھانا کھلانے میں اپنے عام معیار کا لحاظ رکھے نہ زیادہ بڑھیا واجب اور نہ یہ صحیح ہے کہ سوکھی روٹی ہی دے دی جائے۔

(۱۰) اگر مسکینوں کو کھانا کھلانے میں تسلسل نہ رہے تو کوئی مضائقہ نہیں کفارہ صحیح ہو جائے گا۔

(۱۱) اگر ایک ہی محتاج کو ساٹھ دن تک صبح و شام کھانا دیا تو کفارہ صحیح نہ ہوگا۔ اور یہی صورت غلہ یا اس کی قیمت دینے میں بھی ہے۔

فِدیہ

جو شخص بڑھاپے کے باعث انتہائی کمزور ہو گیا ہو یا ایسی شدید بیماری میں مبتلا ہو کہ بظاہر صحت مند ہونے کی توقع جاتی رہی ہو اور وہ روزہ رکھنے کی سکت نہ رکھتا ہو تو شریعت نے ایسے لوگوں کو رخصت دی ہے کہ وہ روزہ نہ رکھیں اور ہر روزے کے بدلے ایک محتاج کو فدیہ ادا کر دیں، فدیہ میں کھانا بھی کھلایا جا سکتا ہے، غلہ بھی دیا جا سکتا ہے اور غلے کی قیمت بھی دی جا سکتی ہے۔

---

[1] غلہ صدقۂ فطر کے بقدر دینا واجب ہے۔ اس سے کم دیا تو کفارہ صحیح نہ ہوگا۔ صدقۂ فطر کی مقدار صفحہ ۸۳ پر دیکھئے۔

فدیہ کی مقدار

ایک فقیر کو صدقۂ فطر[۱] کے بقدر غلہ دینا۔ یا اتنے غلے کی قیمت ادا کر دینا اور یہ بھی درست ہے کہ ہر روزے کے بدلے صبح و شام دونوں وقت کسی محتاج کو کھانا کھلا دیں، کھانا کھلانے میں اپنے کھانے پینے کے عام معیار کو سامنے رکھ کر اوسط درجے کا کھانا کھلائیں یا دیں۔

فدیہ کے مسائل

(۱) فدیہ ادا کرنے کے باوجود اگر مریض کی صحت خدا کے فضل سے بحال ہو جائے تو روزوں کی قضا واجب ہے اور جو فدیہ ادا کیا جا چکا ہے، اس کا اجر و ثواب بھی خدا عطا فرمائے گا۔

(۲) کسی کے ذمے کچھ قضا روزے تھے، مرتے وقت اس نے وصیت کی کہ میرے مال میں سے ان کا فدیہ ادا کر دیا جائے۔ اگر ان قضا روزوں کا سارا فدیہ چھوڑے ہوئے ایک تہائی[۲] مال کے بقدر ہے تو فدیہ ادا کرنا واجب ہے اور اگر فدیہ کی قیمت زیادہ بن رہی ہے اور تہائی مال کی مقدار کم ہے تب تہائی مال سے زائد فدیہ میں ادا کرنا اسی وقت جائز ہے جب وارث برضا و رغبت اس کی اجازت دیں، البتہ اس صورت میں بھی نابالغ وارثوں کی اجازت کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

(۳) اگر مرنے والے نے وصیت نہ کی ہو اور وارث بطور خود چھوٹے ہوئے روزوں کا فدیہ ادا کر دیں تب بھی دُرست ہے اور خدا کی ذات سے توقع ہے کہ وہ فدیہ کو قبول فرما لے اور روزوں کا مواخذہ نہ فرمائے۔

(۴) ہر وقت کی نماز کا فدیہ بھی اتنا ہی ہے جتنا ایک روزے کا ہے اور یہ خیال رہے کہ دن میں پانچ فرض نمازیں ہیں اور ایک وتر کی واجب نماز، لہٰذا چھ نمازوں کا فدیہ ادا کرنا ہوگا۔

---

۱ صدقۂ فطر کا بیان صفحہ ۹۷ پر دیکھئے

۲ تجہیز و تکفین کے سارے معقول مصارف کرنے اور اگر قرض ہو تو اس کو ادا کرنے کے بعد جو مال بچے اس کی تہائی مُراد ہے۔

(۵) کسی کی نمازیں چھوٹ گئی ہوں اور وہ مرتے وقت وصیت کر جائے کہ اس کے مال میں سے نمازوں کا فدیہ ادا کر دیا جائے تو اس کے احکام بھی وہی ہیں جو روزے کے فدیے کے ہیں۔

(۶) مرنے والے کی طرف سے اگر وارث روزے رکھ لیں یا اس کی قضا نمازیں پڑھ لیں، تو یہ دُرست نہیں۔

(۷) معمولی سی بیماری کی وجہ سے رمضان کا روزہ قضا کرنا اور یہ خیال کرنا کہ پھر قضا رکھ لیں گے یا فدیہ ادا کر کے یہ سمجھنا کہ روزہ کا حق ادا ہو گیا صحیح نہیں رمضان کا روزہ اسی صورت میں چھوڑے جب واقعی روزہ رکھنے کی سکت نہ ہو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''جس شخص نے رمضان کا کوئی ایک روزہ بھی کسی عذر اور بیماری کے بغیر چھوڑ دیا تو عمر بھر کے روزے رکھنے سے بھی اس کی تلافی نہیں ہو سکتی۔'' (ترمذی، ابوداؤد)

روزوں کے متفرق احکام وآداب

(۱) جو لوگ کسی وجہ سے روزہ رکھنے سے معذور ہوں ان کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ رمضان میں کھلم کھلا نہ کھائیں اور بظاہر روزہ داروں کی طرح رہیں۔

(۲) جن لوگوں میں وہ ساری شرائط موجود ہوں جن کے ہوتے روزہ رکھنا صحیح بھی ہے اور واجب بھی۔ پھر کسی وجہ سے ان کا روزہ فاسد ہو جائے تو ان پر واجب ہے کہ دن کے باقی حصے میں روزے داروں کی طرح رہیں اور کھانے پینے اور جنسی افعال سے پرہیز کریں۔

(۳) کوئی مسافر نصف النہار کے بعد اپنے گھر پہنچ جائے یا کہیں قیام کا ارادہ کرلے تو اس کے لئے بھی مستحب ہے کہ وہ دن باقی حصے میں روزہ داروں کی طرح رہے اور کھانے پینے وغیرہ سے پرہیز کرے۔ اسی طرح کوئی خاتون اگر نصف النہار کے بعد حیض یا نفاس سے پاک ہو جائے تو اس کے لئے بھی مستحب ہے کہ شام تک کھانے پینے سے پرہیز کرے۔

(۴) اگر کوئی شخص قصداً روزہ فاسد کردے، یا کوئی شخص یہ سمجھ کر کہ ابھی رات باقی ہے

صبحِ صادق کے بعد کھانا کھالے، تو اس کے لئے بھی واجب ہے کہ وہ دن کے باقی حصے میں روزے داروں کی طرح رہے اور کھانے پینے وغیرہ سے اجتناب کرے۔

(۵) اگر بچہ نصف النہار کے بعد بالغ ہو جائے، یا کوئی غیر مسلم ایمان لے آئے تو اس کے لئے بھی مستحب ہے کہ شام تک روزہ دار کی طرح کھانے پینے وغیرہ سے رُکا رہے۔

(٦) اگر روزہ رکھنے کے بعد کسی خاتون کو حیض آئے تو اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا لیکن اس کے لئے بھی مستحب یہی ہے کہ روزہ داروں کی طرح رہے اور کھانے پینے سے اجتناب کرے۔

نفلی روزوں کی فضیلت اور مسائل

ماہِ شوال کے چھ روزے

اِن روزوں کو عرفِ عام میں شش عید کے روزے کہا جاتا ہے، حدیث میں ان کی بہت فضیلت آئی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''جس شخص نے رمضان کے روزے رکھے پھر اس نے شوال میں چھ روزے رکھے تو اس نے گویا ہمیشہ روزے رکھے۔'' (مسلم، ابوداؤد)

ہر نیکی کا عمل دس گنا ملتا ہے، ۳٦/روزے رکھنے والا گویا ۳٦۰ دن روزے سے رہا۔ مگر ذہن میں رہے کہ یہ ریاضی کا کوئی حساب سمجھانے کی بات نہیں ہے بلکہ اللہ کا بے پایاں احسان یاد دلا کر نیکی کی ترغیب دینے کا اسلوب ہے۔

نیز ارشاد فرمایا:۔

''جس نے رمضان کے روزے رکھے اور پھر اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے تو وہ گناہوں سے ایسا پاک ہو گیا گویا کہ آج ہی اس کی ماں نے اس کو جنم دیا ہے۔''

(مسلم، ابوداؤد)

(۱) یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ روزے عید کے بعد لگاتار رکھے جائیں۔ لگاتار بھی رکھے جاسکتے ہیں اور بیچ میں ناغہ کر کے بھی رکھے جاسکتے ہیں۔

(۲) یہ بہتر ہے کہ شوال کی دوسری تاریخ سے ان روزوں کی ابتدا کردی جائے لیکن ضروری نہیں۔ پورے مہینے میں جس طرح بھی سہولت ہو چھ روزے رکھ لئے جائیں۔

یومِ عاشورہ کا روزہ

محرم کی دسویں تاریخ کو یومِ عاشورہ کہتے ہیں۔ اس دن مکے کے قریش بھی روزہ رکھتے تھے اور خانۂ کعبہ پر نیا غلاف چڑھاتے تھے، اور اس روزے کو ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہ روزہ رکھتے تھے، اس کے بعد جب آپ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ یہود اس دن روزہ رکھتے ہیں تو آپؐ نے خود بھی اس دن روزہ رکھا اور صحابہؓ کو بھی تاکید فرمائی کہ روزہ رکھیں۔

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ سے ہجرت فرما کر مدینے تشریف لائے تو آپؐ نے یہود کو یومِ عاشورہ (یعنی محرم کی دسویں تاریخ) کا روزہ رکھتے دیکھا، تو آپؐ نے ان سے دریافت فرمایا تمہارے نزدیک اس دن کی کیا خاص اہمیت ہے کہ تم اس دن روزہ رکھتے ہو؟ ان لوگوں نے جواب دیا ہمارے ہاں یہ بڑی عظمت والا دن ہے، اسی دن خدا نے موسیٰ (علیہ السلام) اور ان کی قوم کو نجات بخشی تھی اور فرعون اور اس کے لشکر کو غرق کردیا تھا، تو موسیٰ (علیہ السلام) نے خدا کے اس احسان کا شکر ادا کرنے کے لئے روزہ رکھا تھا، پس ہم بھی (اسی لئے) اس دن کا روزہ رکھتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، موسیٰ (علیہ السلام) سے ہمارا تعلق تم سے زیادہ ہے اور ہم اس کے زیادہ حقدار ہیں (کہ اس دن روزہ رکھیں) پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اس دن روزہ رکھا اور اُمت کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔"　　(بخاری، مسلم)

بہتر یہ ہے کہ دسویں تاریخ کے ساتھ نویں تاریخ یا گیارھویں تاریخ کا روزہ بھی رکھا جائے۔تا کہ اس دن کی فضیلت بھی حاصل رہے اور یہود کے ساتھ مشابہت بھی نہ رہے۔

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی یہ روزہ رکھنے لگے اور صحابہؓ کو بھی رکھنے کی تاکید فرماتے،تو صحابہؓ نے آپ سے عرض کیا۔یا رسول اللہ!اس دن کو تو یہود و نصاریٰ بڑے دن کی حیثیت سے مناتے ہیں (ہم روزہ رکھتے ہیں تو ان کے ساتھ تشابہ ہوتا ہے) آپؐ نے فرمایا جب اگلا سال آئے گا تو انشاء اللہ ہم نویں تاریخ کو روزہ رکھیں گے) حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں۔''مگر اگلا سال آنے سے پہلے ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا سے رخصت ہو گئے۔''

(مسلم)

یومِ عرفہ کا روزہ

حج کے مہینے کی نویں تاریخ کو یومِ عرفہ کہتے ہیں،حدیث میں اس دن کے روزے کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

''میں خدا کی ذات سے امید رکھتا ہوں کہ یومِ عرفہ کا روزہ آنے والے سال اور گزرے ہوئے سال دونوں کے لئے کفارہ قرار پائے گا،،۔ (جامع ترمذی)

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

''عرفہ کے دن روزہ رکھنے کا اجر وثواب ایک ہزار دن کے روزوں کے برابر ہے۔'' (الترغیب)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس روزے کا بہت اہتمام فرماتے تھے،یوم عرفہ سے پہلے کے آٹھ دنوں میں روزہ رکھنے کا بھی بڑا اجر وثواب ہے،نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

''دنوں میں کسی دن کی عبادت بھی خدا کو اتنی محبوب نہیں ہے جتنی ذوالحجہ کے ابتدائی عشرے میں محبوب ہے،اس عشرے کے ہر دن کا روزہ سال بھر کے روزوں کے برابر ہے اور اس میں ہر رات کی نفل نماز شبِ قدر کے نوافل جیسے ہیں۔''

ایامِ بیض کے روزے

ایامِ بیض سے مُراد ہر مہینے کی ۱۳/۱۴/۱۵/تاریخ ہے، ان تینوں تاریخوں کی راتیں بڑی روشن ہوتی ہیں چاندنی خوب پھیلی ہوتی ہے، اسی لئے ان کو ایامِ بیض کہتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان روزوں کی بڑی تاکید فرماتے تھے۔

حضرت قتادہ بن ملحانؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تاکید فرماتے تھے کہ ''ہم ایامِ بیض یعنی مہینے کی تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں تاریخ کو روزہ رکھا کریں، اور فرماتے تھے کہ یہ تین روزے اجر وثواب کے لحاظ سے ہمیشہ روزہ رکھنے کے برابر ہیں۔'' (ابوداؤد، نسائی)

پیر اور جمعرات کا روزہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی پیر اور جمعرات کا روزہ رکھتے تھے اور صحابۂ کرامؓ کو بھی ان دنوں میں روزہ رکھنے کی ترغیب دیتے تھے۔

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیر اور جمعرات کے دن روزہ رکھا کرتے تھے۔'' (جامع ترمذی، نسائی)

اور اُمت کو ترغیب دیتے ہوئے آپؐ نے ارشاد فرمایا:

''اعمال کی ایک پیشی پیر اور جمعرات کو ہوتی ہے میں چاہتا ہوں کہ جب میرے عمل کی پیشی ہو تو میں اس دن روزے سے ہوں۔'' (جامع ترمذی)

ایک بار صحابہؓ نے آپؐ سے پیر کے دن روزہ رکھنے کے بارے میں سوال کیا، تو ارشاد فرمایا:

''اسی دن میری ولادت ہوئی اور اسی دن مجھ پر قرآن نازل ہونا شروع ہوا۔'' (مسلم)

نفلی روزوں کے متفرق مسائل

(۱) نفل روزہ رکھ لینے کے بعد واجب ہو جاتا ہے اگر کسی وجہ سے فاسد ہو جائے یا فاسد

کر دیا جائے تو اس کی قضا رکھنا واجب ہے۔

(۲) نفل روزہ بھی بغیر کسی عُذر کے توڑنا جائز نہیں۔ البتہ نفل روزہ فرض روزے کے مقابلے میں معمولی عذر کی وجہ سے بھی توڑا جا سکتا ہے۔

(۳) اگر کسی نے روزہ دار کی دعوت کی اور یہ خیال ہے کہ مہمان کے نہ کھانے سے میزبان ناراض ہو جائے گا، یا وہ مہمان کے بغیر کھانے کے لئے آمادہ نہ ہوگا یا میزبان کی دل شکنی کا خیال ہو تو اس صورت میں روزہ توڑنا جائز ہے۔ روزہ دار کو چاہئے کہ اس کی قضا رکھ لے۔

(۴) خواتین کے لئے رمضان کے روزوں کے سوا دوسرا کوئی بھی روزہ شوہر کی اجازت کے بغیر رکھنا مکروہ تحریمی ہے۔ اور اگر کسی خاتون نے رکھ لیا ہے۔ اور شوہر روزہ توڑنے کا حکم دے تو توڑ دینا ضروری ہے پھر اس روزے کی قضا بھی شوہر کی اجازت ہی سے رکھے۔

(۵) اگر کوئی شخص ان دنوں کے روزوں کی نذر مانے جن میں روزے رکھنا حرام ہیں مثلاً عید الفطر یا عید الاضحیٰ کے ایام تو اس کو چاہئے کہ ان کے بجائے دوسرے دنوں کے روزے رکھے۔

(۶) اگر کسی نے نفلی روزہ رکھا اور اس کے یہاں مہمان آ گیا اور خیال یہ ہے کہ اس نے مہمان کے ساتھ کھانا نہ کھایا تو وہ خفا ہو جائے گا تو اس صورت میں بھی نفلی روزہ توڑنا جائز ہے۔

(۷) کسی نے عید کے دن کے روزے کی نیت کی اور روزہ رکھ بھی لیا، اس کے لئے بھی ضروری ہے کہ روزہ توڑ دے۔ اور اس روزے کی قضا بھی نہیں ہے۔

(۸) رمضان سے ایک دو دن پہلے روزہ رکھنا درست نہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"کوئی شخص رمضان سے ایک دو دن پہلے روزہ نہ رکھے مگر ہاں جو شخص اس دن روزہ رکھتا ہو وہ رکھ لے۔" (بخاری)

نمازِ تراویح کا بیان

تراویح، ترویحہ کی جمع ہے، ترویحہ کے معنٰی ہیں آرام لینے کے لئے تھوڑی دیر بیٹھنا، لیکن

اصطلاح میں ترویحہ سے مُراد وہ جلسۂ استراحت ہے جو رمضان المبارک کی راتوں میں پڑھی جانے والی مسنون نماز کے دوران ہر چار رکعت کے بعد کیا جاتا ہے۔اور چونکہ اس بیس رکعت[1] نماز کے دوران پانچ تراویح کرتے ہیں۔اس لئے اس مسنون نماز کو ہی تراویح کہنے لگے۔

نمازِ تراویح کا حکم

نمازِ تراویح سنتِ مؤکدہ[2] ہے،نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کا اہتمام فرمایا،اور صحابۂ کرامؓ نے بھی،جو شخص کسی عذر کے بغیر تراویح کی نماز ترک کرے گا گنہگار ہوگا،یہ جس طرح مردوں کے لئے سنت مؤکدہ ہے اسی طرح خواتین کے لئے بھی سنت مؤکدہ ہے[3] پھر یہ بھی خیال رکھنا چاہیئے کہ نمازِ تراویح روزے کے تابع نہیں ہے یعنی یہ سمجھنا بالکل غلط ہے کہ تراویح پڑھنا صرف اسی کے لئے ضروری ہے جس نے دن میں روزہ رکھا ہو،دونوں الگ الگ عبادتیں ہیں۔جو لوگ کسی عذر اور مجبوری کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکیں،مثلاً کوئی مریض ہو یا سفر میں ہو اور روزہ نہ رکھے یا خواتین حیض ونفاس کی حالت میں ہوں اور تراویح کے وقت پاک وصاف ہو جائیں تو ان کو نمازِ تراویح پڑھنا چاہیئے،نہ پڑھنے کی صورت میں ترکِ سنت کا گناہ لازم آئے گا۔

نمازِ تراویح کی فضیلت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہِ شعبان کی آخری تاریخ کو رمضان المبارک کے استقبال میں نہایت ہی مؤثر خطبہ دیا،اور فرمایا،کہ اس مہینے کی ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے،

---

[1] اہل حدیث حضرات آٹھ رکعت پڑھتے ہیں۔

[2] روافض کے علاوہ ہر مسلک والے تراویح کو مسنون مانتے ہیں

[3] درمختار

اس مہینے کی راتوں میں اللہ نے تراویح پڑھنا نفل[۱] کر دیا ہے۔ جو شخص اس مہینے میں کوئی ایک کام اپنے دل کی خوشی سے بطورِ خود کرے گا تو اس کا اجر و ثواب اتنا ہوگا جتنا دوسرے مہینوں میں فرض کا ہوتا ہے[۲] — ایک اور حدیث میں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مغفرت کا ذریعہ قرار دیا ہے، ارشاد ہے:

مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ[۳]

''جس نے رمضان کی راتوں میں ایمانی کیفیت اور اجرِ آخرت کی نیت کے ساتھ نماز (تراویح) پڑھی، اللہ اس کے وہ سارے گناہ معاف کر دے گا جو اس سے سرزد ہو چکے ہیں۔''

نمازِ تراویح کا وقت

جس شب میں رمضان کا چاند نظر آئے اسی شب سے تراویح شروع کی جائے اور جب عید کا چاند نظر آئے تو تراویح چھوڑ دی جائے۔ تراویح پڑھنے کا وقت عشاء کی نماز کے بعد سے شروع ہوتا ہے اور فجر کا وقت شروع ہونے سے پہلے تک رہتا ہے، اگر کوئی عشاء کی نماز سے پہلے تراویح پڑھ لے تو وہ نماز تراویح نہ ہوگی اسی طرح اگر کسی نے نمازِ عشاء کے بعد تراویح پڑھیں اور بعد میں کسی وجہ سے نمازِ عشاء کا دُہرانا ضروری ہوگیا تو اس صورت میں تراویح کی نماز بھی دُہرانی چاہیے[۴]۔

البتہ مستحب یہ ہے کہ تہائی رات کے بعد نصف شب سے پہلے پہلے تراویح کی نماز پڑھ لی جائے، نصف شب کے بعد پڑھنا جائز تو ہے لیکن خلافِ اولیٰ ہے۔[۵]

---

۱ یعنی فرض نہیں ہے بلکہ سنت ہے، اس لئے فرض کے مقابلے میں نفل، سنت اور مستحب سب کے لئے بولا جاتا ہے

۲ مشکوۃ روایت سلمان فارسیؓ پوری روایت کافی طویل ہے یہاں صرف ایک ٹکڑا نقل کیا گیا ہے

۳ متفق علیہ ۴ درمختار۔

۵ تراویح کے لئے افضل وقت کونسا ہے؟ اس کا جواب دیتے ہوئے مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اول وقت کو افضل بتاتے ہوئے بڑی وزنی دلیل دی ہے۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر دیکھیں)

نمازِ تراویح کی جماعت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک میں تین شب، یعنی ۲۳/۲۵/۲۷/ رمضان کو تراویح کی نماز جماعت سے پڑھائی، پھر جب آپؐ نے صحابہ کا ذوق وشوق اور کثرت دیکھی تو آپؐ مسجد میں تشریف نہ لائے، صحابہؓ سمجھے کہ شاید آپ سو گئے اور در دروازے پر آکر آپؐ کو پکارنے لگے تو آپؐ نے فرمایا خدا تمہارے ذوق وشوق میں اور برکت دے میں اس اندیشہ کی وجہ سے باہر نہیں آیا کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ ہو جائے، اور تم ہمیشہ اس کی پابندی نہ کر سکو گے، اس لئے تم اس کو اپنے گھروں میں پڑھتے رہو، کیونکہ نفلی نمازوں کا گھروں میں پڑھنا زیادہ باعثِ اجر و برکت ہے۔ (صحیح مسلم)

اس حدیث سے صرف اتنا ہی ثابت ہوتا ہے کہ نمازِ تراویح جماعت سے پڑھنا جائز ہے اس لئے کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین شب جماعت سے تراویح پڑھائیں اور آپؐ کے بعد بھی صحابۂ کرامؓ متفرق طور پر چھوٹی چھوٹی جماعتوں کی شکل میں تراویح باجماعت پڑھا کرتے تھے، یہاں تک کہ خلیفۂ دوم حضرت عمرؓ نے اس کی باقاعدہ جماعت قائم فرمائی، اور صحابۂ کرامؓ نے بسرو چشم اس کو قبول کیا۔ اور بعد میں کسی خلیفہ نے اس سنت کی مخالفت نہیں کی، اسی لئے علماء نے

(پچھلے صفحہ کا بقیہ) ''اس امر میں اختلاف ہے کہ تراویح کے لئے افضل وقت کونسا ہے عشاء کا وقت یا تہجد کا؟ دلائل دونوں کے حق میں ہیں، مگر زیادہ تر رُجحان آخر وقت ہی کی طرف ہے، البتہ اول وقت کی ترجیح کے لئے یہ بات بہت وزنی ہے کہ مسلمان بحیثیت مجموعی اول وقت ہی کی تراویح پڑھ سکتے ہیں، آخر وقت اختیار کرنے کی صورت میں اُمت کے سوادِ اعظم کا اس ثواب سے محروم رہ جانا ایک بڑا نقصان ہے اور اگر چند صلحاء آخر وقت کی فضلیت سے مستفید ہونے کی خاطر اوّل وقت کی جماعت میں شریک نہ ہوں تو اس سے یہ اندیشہ ہے کہ عوام الناس یا تو ان صلحاء سے بدگمان ہوں یا ان کی عدمِ شرکت کی وجہ سے خود ہی تراویح چھوڑ بیٹھیں یا پھر، ان صلحاء کو اپنی تہجد خوانی کا ڈھنڈورا پیٹنے پر مجبور ہونا پڑے۔

(رسائل ومسائل حصہ دوم صفحہ ۲۲۴ زیرِ عنوان رمضان میں قیام اللیل)

تراویح کی جماعت کو سنت مؤکدہ کفایہ کہا ہے[1]

[1] نماز تراویح کی جماعت کے بارے میں کسی نے مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ سے سوال کیا تھا، اس سوال کا جواب مولانا نے بڑی وضاحت سے دیا ہے، جس سے اس مسئلے پر بڑی اچھی طرح روشنی پڑتی ہے، ذیل میں ہم یہ سوال و جواب نقل کرتے ہیں۔

سوال:- علماء کرام بالعموم یہ کہتے ہیں کہ تراویح اوّل وقت میں (عشاء کی نماز کے متصل) پڑھنا افضل ہے اور تراویح کی جماعت سنت مؤکدہ کفایہ ہے۔ یعنی اگر کسی محلّہ میں تراویح باجماعت نہ ادا کی جائے، تو اہلِ محلّہ گنہگار رہوں گے اور دو آدمیوں نے بھی مل کر مسجد میں تراویح پڑھ لی تو سب کے ذمے سے ترکِ جماعت کا گناہ ساقط ہو جائے گا کیا یہ صحیح ہے؟ اگر یہ صحیح ہے تو حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانہ میں کیوں ایسا نہیں ہوا؟ اور اس زمانے کے مسلمانوں کے لئے حکم ہوگا؟ کیا وہ سب تراویح باجماعت نہ پڑھنے کی وجہ سے گناہ گار تھے؟

جواب:- حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانے سے لے کر حضرت عمرؓ کے ابتدائی زمانے تک باقاعدہ ایک جماعت میں سب لوگوں کے تراویح پڑھنے کا طریقہ رائج نہ تھا، بلکہ لوگ یا تو اپنے گھروں میں پڑھتے تھے یا مسجد میں متفرق طور پر چھوٹی چھوٹی جماعتوں کی شکل میں پڑھا کرتے تھے، حضرت عمرؓ نے جو کچھ کیا وہ صرف یہ تھا کہ اس تفرّق کو دُور کر کے سب لوگوں کو ایک جماعت کی شکل میں نماز پڑھنے کا حکم دے دیا۔ اس کے لئے حضرت عمرؓ کے پاس یہ حجت موجود تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلے کو یہ فرما کر بند کر دیا تھا کہ کہیں یہ فرض نہ ہو جائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گزر جانے کے بعد امر کا اندیشہ باقی نہ رہا تھا، کہ کسی کے فعل سے یہ چیز فرض قرار پا سکیں گی۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے ایک سنت اور مندوب چیز کی حیثیت سے اس کو جاری کر دیا، یہ حضرتِ عمرؓ کے تفقّہ کی بہترین مثالوں میں سے ایک ہے، کہ انہوں نے شارع کے منشا کو ٹھیک ٹھیک سمجھا، اور اُمت میں ایک صحیح طریقے کو رائج فرما دیا، صحابۂ کرامؓ میں کسی کا اس پر اعتراض نہ کرنا، بلکہ بسر و چشم اسے قبول کرنا، یہ ثابت کرتا ہے کہ آپ نے شارع کے اس منشاء کو بھی ٹھیک ٹھیک پورا کیا کہ اسے فرض کے درجے میں نہ کر دیا جائے'' چنانچہ کم از کم ایک بار تو ان کا خود تراویح میں شریک نہ ہونا ثابت ہے جبکہ وہ عبدالرحمٰن بن عبد کے ساتھ نکلے اور مسجد میں لوگوں کو تراویح پڑھتے دیکھ کر اظہارِ تحسین فرمایا۔ اور علماء جس بنا پر یہ کہتے ہیں کہ جس بستی یا محلّہ میں نمازِ تراویح باجماعت ادا ہی نہ کی جائے اس محلے کے سب لوگ گناہ گار رہیں وہ یہ ہے کہ تراویح ایک سنت الاسلام ہے جو عہدِ خلافتِ راشدہ سے —— تمام اُمت میں جاری ہے۔ ایک ایسے اسلامی طریقے کو چھوڑ دینا اور بستی کے سارے ہی —— مسلمانوں کا مل کر چھوڑ دینا دین سے ایک عام بے پروائی کی علامت ہے، جس کو اگر گوارا کر لیا جائے تو رفتہ رفتہ وہاں سے تمام اسلامی طریقوں کے مٹ جانے کا اندیشہ ہے۔

نمازِ تراویح کی رکعتیں

نمازِ تراویح کی بیس رکعتیں اجماعِ صحابہؓ سے ثابت ہیں[1] بیس رکعتیں اس طرح پڑھی جائیں کہ ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرا جائے اور ہر چار رکعت کے بعد ترویحہ میں اتنی دیر بیٹھا جائے جتنی دیر میں چار رکعتیں پڑھی گئیں ہیں، ترویحہ میں اتنی دیر بیٹھنا مستحب ہے، ہاں اگر یہ محسوس ہو کہ مقتدی اتنی دیر تک بیٹھنے میں پریشانی محسوس کرتے ہیں تو پھر اتنی دیر تک نہ بیٹھنا چاہئے، بلکہ مقتدیوں کے جذبات کا لحاظ رکھنا چاہئے۔

---

[1] اہلِ حدیث کے نزدیک آٹھ رکعت پڑھنا ہی سنت ہے، ان کے نزدیک بیس رکعت پڑھنا سنت سے ثابت نہیں ہے، بیشتر روایتیں آٹھ رکعت ہی کی ہیں اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی جس روایت میں بیس رکعتوں کا ذکر ہے وہ ان حدیثوں کے مقابلے میں ضعیف ہے، مولانا مودودیؒ صاحب نے اس مسئلے کے ذیل میں جو اظہارِ خیال فرمایا ہے، نیچے ہم اس کو نقل کرتے ہیں۔

''حضرت عمرؓ کے زمانے میں جب باقاعدہ جماعت کے ساتھ تراویح پڑھنے کا سلسلہ شروع ہوا تو باتفاقِ صحابہؓ بیس رکعتیں پڑھی جاتی تھیں، اور اسی کی پیروی حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علیؓ کے زمانے میں بھی ہوئی، تینوں خلفاء کا اس پر اتفاق اور پھر صحابہؓ کا اس میں اختلاف نہ کرنا یہ ثابت کرتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے لوگ تراویح کی بیس ہی رکعتوں کے عادی تھے، یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ تینوں بیس کعت کے قائل ہیں اور ایک قول امام مالکؒ کا بھی اسی کے حق میں ہے، داؤد ظاہریؒ نے بھی اسی کو سنتِ ثانیہ تسلیم کیا ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اور حضرت ابان بن عثمانؒ نے بیس کے بجائے ۳۶ رکعتیں پڑھنے کا جو طریقہ شروع کیا اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ ان کی تحقیق خلفائے راشدین کی تحقیق کے خلاف تھی، بلکہ ان کے پیشِ نظر یہ تھا کہ مکہ سے باہر کے لوگ ثواب میں اہلِ مکہ کے برابر ہو جائیں۔ اہل مکہ کا قاعدہ یہ تھا کہ وہ تراویح کی ہر چار رکعت کے بعد کعبے کا طواف کرتے تھے، ان دونوں بزرگوں نے ہر طواف کے بدلے چار رکعتیں پڑھنی شروع کر دیں، یہ طریقہ چونکہ اہل مدینہ میں رائج تھا، اور امام مالکؒ اہلِ مدینہ کے عمل کو سند سمجھتے تھے۔ اس لئے انہوں نے بعد میں ۲۰ کے بجائے ۳۶ کے حق میں فتویٰ دے دیا۔

ترویحہ میں کیا عمل کیا جائے؟

ترویحہ کی حالت میں نمازی کو اختیار ہے چاہے خاموش بیٹھا رہے چاہے ذکر و تسبیح پڑھے، چاہے نوافل پڑھے، مکہ معظّمہ میں لوگ بیٹھنے کے بجائے بیت اللہ کا طواف کیا کرتے ہیں، مدینہ منورہ میں چار رکعت نفل پڑھ لیتے ہیں، بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ ترویحہ میں یہ دُعا پڑھی جائے۔

سُبُحَانَ ذِی الْمُلْكِ وَالْمَلَكُوتِ سُبْحَانَ ذِی الْعِزَّةِ وَالْعَظْمَةِ وَالْهَيْبَةِ وَالْقُدْرِةِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْجَبَرُوتِ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْحَيِّ الَّذِیْ لَا يَنَامُ وَلَا يَمُوتُ سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ، رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلٰئِكَةِ وَالرُّوحِ اَللّٰهُمَّ اَجِرْنَا مِنَ النَّارِ يَا مُجِيرُ يَا مُجِيرُ يَا مُجِيرُ

پاک و برتر ہے حکومت و اقتدار والا، پاک و برتر ہے عزت و عظمت، ہیبت و قدرت اور بڑائی اور دبدبے والا، پاک و برتر ہے وہ زندۂ جاوید بادشاہ جو نہ سوتا ہے اور نہ اس کے لئے فنا ہے، نہایت پاک، عیوب سے منزّہ، ہمارا پروردگار اور فرشتوں کا پروردگار اور جبریل کا پروردگار۔

اے اللہ ہم کو دوزخ کے عذاب سے نجات دے، اے پناہ دینے والے، اے پناہ دینے والے، اے پناہ دینے والے۔

نمازِ وتر کی جماعت

صرف رمضان المبارک ہی میں وتر کی نماز جماعت سے پڑھنا ثابت ہے —— رمضان المبارک کے علاوہ دوسرے مہینوں میں وتر کی نماز جماعت سے پڑھنا جائز نہیں[1]۔ جولوگ تنہا نمازِ

---

[1] وَلَا يُصَلِّي الْوِتْرَ بِجَمَاعَةٍ فِیْ غَيْرِ شَهْرِ رَمَضَانَ عَلَيْهِ اِجْمَاعُ الْمُسْلِمِيْنَ۔

ہدایہ ج ۱ ص ۱۳۱

تراویح ادا کریں وہ بھی نمازِ وتر جماعت سے پڑھ سکتے ہیں، لیکن جو لوگ تراویح کی نماز جماعت سے ادا کریں ان کے لئے تو ضروری ہے کہ وہ وتر کی نماز جماعت سے پڑھیں تراویح کی سنت نماز جماعت سے پڑھ کر وتر کی واجب نماز تنہا پڑھنا دُرست نہیں اور اسی طرح یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ تراویح جماعت سے پڑھ کر سو جائے اور پھر تہجد کے وقت وتر نماز ادا کرے۔

تراویح میں ختمِ قرآن

رمضان المبارک کے پورے مہینے میں ایک بار پورا قرآنِ پاک ترتیب وار ختم کرنا سنتِ مؤکدہ ہے[1] نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال رمضان المبارک میں حضرت جبریلِ امین کو پورا قرآن سنایا کرتے تھے اور جس سال آپؐ دُنیا سے رُخصت ہوئے اس سال آپؐ نے دو بار حضرت جبریلؑ کو قرآن سنایا، آپؐ نے اُمت کو بھی اس پر اُبھارا، اور فرمایا:۔

> ''روزہ اور قرآن مومن کے لئے سفارش کریں گے، روزہ کہے گا اے میرے رب! میں نے اس شخص کو دن میں کھانے (پینے) اور دوسری لذتوں سے رُوکا تو یہ رُکا رہا، پس اے میرے رب! اس شخص کے حق میں میری سفارش قبول فرما، اور قرآن کہے گا کہ میں نے اس کو شب میں سونے (اور آرام کرنے) سے رُوکا (اور یہ اپنی میٹھی نیند چھوڑ کر تیرے حضور کھڑا قرآن پڑھتا رہا تو اے پروردگار!) اس شخص کے حق میں میری سفارش قبول فرما۔ پس اللہ ان دونوں ہی سفارشوں کو شرفِ قبول عطا فرمائے گا۔　　(مشکوٰۃ روایت عبداللہ ابن عمرؓ)

صحابۂ کرامؓ نے بھی اس سنت کا اہتمام فرمایا، حضرت عمرؓ تراویح کی نماز با جماعت اور اس میں پورا قرآن سنانے کے لئے خاص اہتمام فرماتے تھے، دین سے عام بے پروائی لوگوں کی کاہلی اور بے توجہی کی وجہ سے اس سنت کو چھوڑنا ہرگز صحیح نہیں۔ کم از کم ایک بار تو تراویح میں پورا قرآن سننے اور سنانے کا ضرور اہتمام کرنا چاہئے اور جہاں لوگوں میں ذوق وشوق اور عبادت و

---

[1] علم الفقہ ج ۲ ص ۵۳

تلاوت سے شغف محسوس ہو، اور یہ بھی اطمینان ہو کہ قرآن پاک پوری دل بستگی اور آداب کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر اس طرح پڑھا جاسکے گا کہ اس کی تلاوت کا حق ادا ہو تو پھر ایک سے زیادہ ختم کرنا بھی پسندیدہ ہے، البتہ تین دن سے کم میں پورا قرآن ختم کرنا صحیح نہیں اس لئے کہ اس صورت میں تلاوتِ قرآن کا حق ادا نہ ہو سکے گا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کی کیفیت حدیث میں یہ بیان کی گئی ہے کہ آپؐ ایک ایک حرف کو واضح اور ایک ایک آیت کو الگ الگ کر کے پڑھا کرتے تھے اور آپؐ نے اُمت کو ترتیل اور ٹھہراؤ کے ساتھ پڑھنے کی فضیلت بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

> ''قرآن پڑھنے والے سے قیامت کے روز کہا جائے گا۔ جس ٹھہراؤ اور خوش الحانی کے ساتھ تم دُنیا میں بنا سنوار کر قرآن پڑھا کرتے تھے، اسی طرح قرآن پڑھو، اور ہر آیت کے صلے میں ایک درجہ بلند ہوتے جاؤ۔ تمہارا ٹھکانا تمہاری تلاوت کی آخری آیت کے قریب ہے۔'' (جامع ترمذی)

ضروری ہدایت

اگر کہیں نماز و قرآن سے تعلق اور شغف میں غیر معمولی کمی ہو، اور مقتدیوں کی عام سستی اور غفلت کی وجہ سے یہ اندیشہ ہو کہ اگر تراویح میں پورا قرآن پڑھنے کا اہتمام کیا گیا تو نہ صرف یہ کہ لوگوں پر یہ بار ہو گا بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ لوگ مسجد میں آنے اور جماعت سے نماز پڑھنے سے بھی کترانے لگیں تو پھر بہتر یہی ہے کہ ختم قرآن کا اہتمام نہ کیا جائے اور مختصر سورتوں ہی سے تراویح پڑھی جائیں، تاکہ تراویح کی سنت سے لوگ محروم نہ رہیں۔ بعض لوگ کم علمی کی وجہ سے تراویح میں محض قرآن سننے اور سنانے ہی کو اصل مقصود سمجھتے ہیں اور تراویح کی نماز میں سکون و اعتدال اور خشوع کا بالکل لحاظ نہیں کرتے حالانکہ یہی نماز کی جان ہے، اتنا ہی نہیں بلکہ ایسے لوگ جب رواں دواں پورا قرآن تراویح میں سن لیتے ہیں تو پھر نہ وہ تراویح پڑھنے کا کوئی اہتمام کرتے ہیں اور نہ جماعت سے تراویح پڑھنے کے لئے مسجد آنا ضروری سمجھتے ہیں یہ طرزِ فکر انتہائی غلط ہے اگر پورا

قرآن سننے کا موقع نہ ہو یا قرآن ختم ہو جائے تب بھی تراویح کی نماز ایک مستقل سنتِ مؤکدہ ہے، اس کے اہتمام میں ہرگز غفلت نہ برتنا چاہئے۔ اور یہ بات تو انتہائی غلط اور واضح گمراہی ہے، کہ کوئی حافظ رات کو تراویح میں قرآن سنانے کے لئے دن بھر محنت کرے اور اس کی خاطر روزہ بھی چھوڑ دے۔ قرآن سنانے کی خاطر روزہ چھوڑنا سخت گناہ ہے، روزہ فرض ہے اور انتہائی اہم فرض اور قرآن پاک تراویح میں سنانا زیادہ سے زیادہ سنتِ مؤکدہ ہے۔

نمازِ تراویح کے متفرق مسائل

(۱) تراویح کی نیت اس طرح کرے۔ نیت کرتا ہوں کہ دو رکعت سنت تراویح پڑھوں اور پھر دو رکعت کی نیت باندھ کر دس بار سلام کے ساتھ بیس رکعتیں پوری کرے۔

(۲) نمازِ وتر، تراویح کے بعد پڑھنا افضل ہے۔ لیکن کسی وجہ سے اگر کچھ تراویح پڑھنے سے پہلے یا ساری ہی تراویح پڑھنے سے پہلے نمازِ وتر پڑھ لی تو یہ بھی جائز ہے[۱]

(۳) اگر کوئی مقتدی دیر سے آیا اور اس کی کچھ تراویح باقی تھیں کہ امام وتروں کے لئے کھڑا ہو گیا تو اس کو چاہئے کہ وتر امام کے پیچھے پڑھ لے اور اپنی باقی تراویح بعد میں پوری کر لے۔

(۴) چار رکعت پڑھنے کے بعد ترویحہ میں اتنی دیر بیٹھ کر آرام لینا مستحب ہے جتنی دیر میں چار رکعت پڑھی گئی ہیں، لیکن جہاں مقتدیوں پر اتنی دیر بیٹھنا بار ہونے لگے تو وہاں تھوڑی دیر بیٹھنا ہی زیادہ بہتر ہے۔

(۵) اگر کوئی شخص عشاء کے فرض پڑھے بغیر تراویح کی نماز میں شریک ہو گیا تو اُس کی تراویح درست نہیں، اس کو چاہئے کے پہلے عشاء کی نماز پڑھے پھر تراویح ادا کرے، تراویح کا وقت عشاء کے فرضوں کے بعد ہے۔

(۶) اگر کسی نے عشاء کے فرض جماعت سے ادا کئے اور تراویح جماعت سے نہیں پڑھیں،

---

[۱] علم الفقہ ج ۲ ص ۵۲ بحوالہ دُرِ مختار

اس کے لئے بھی وتر کی نماز جماعت سے پڑھنا دُرست ہے۔

(۷) اگر کسی شخص نے عشاء کے فرض جماعت سے نہ پڑھے وہ بھی نمازِ وتر جماعت کے ساتھ پڑھ سکتا ہے۔

(۸) کسی عذر کے بغیر بیٹھ کر تراویح پڑھنا مکروہ ہے۔ البتہ کوئی عذر ہو تو بیٹھ کر پڑھنا دُرست ہے۔

(۹) جو شخص عشاء کے فرض جماعت سے نہ پڑھ سکا ہو اس کے لئے تراویح کی نماز جماعت سے پڑھنا دُرست ہے۔

(۱۰) فرض اور وتر ایک امام پڑھائے اور تراویح دوسرا امام پڑھائے یہ بھی دُرست ہے، حضرت عمرؓ فرض اور وتر کی امامت خود فرماتے اور تراویح کی امامت حضرت اُبی ابن کعبؓ فرمایا کرتے تھے۔

(۱۱) اگر تراویح کی کچھ رکعتیں کسی وجہ سے فاسد ہو جائیں اور ان کا اعادہ کرنا ضروری ہے تو پھر قرآن پاک کے اس حصے کا اعادہ بھی کرنا چاہئے جو فاسد شدہ رکعتوں میں پڑھا گیا تاکہ ختم قرآن صحیح نماز میں ہو۔

(۱۲) تراویح میں دوسری رکعت میں بیٹھنے کے بجائے امام کھڑا ہو گیا، اگر تیسری رکعت کے سجدے سے پہلے پہلے یاد آجائے یا کوئی مقتدی یاد دلا دے تو امام کو چاہئے کہ قعدہ میں بیٹھ جائے اور تشہد پڑھ کر سجدۂ سہو کرے پھر نماز پوری کر کے سلام پھیر دے۔ یہ دونوں رکعتیں صحیح ہوں گی اور اگر تیسری رکعت کا سجدہ کرنے کے بعد یاد آیا تو ایک رکعت اور ملا کر چار رکعتیں پوری کرے، اس صورت میں یہ چار رکعتیں دو رکعتوں کے قائم مقام ہوں گی۔

(۱۳) اگر امام دوسری رکعت میں قعدہ کے لئے بیٹھا پھر بھولے سے تیسری رکعت کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا اور اس صورت میں چار رکعتیں پوری کیں تو یہ چاروں رکعتیں صحیح شمار ہوں گی۔

(۱۴) جن لوگوں نے عشاء کی نماز جماعت سے نہ پڑھی ہو ان کے لئے تراویح کی نماز

جماعت سے پڑھنا، دُرست نہیں، اس لئے کے فرض نماز تنہا پڑھ کر نفل نماز جماعت سے پڑھنا، نفل کو فرض پر ترجیح دینا ہے اور یہ دُرست نہیں۔

(۱۵) جو لوگ فرض نماز جماعت سے پڑھ کر تراویح جماعت سے پڑھ رہے ہوں ان کے ساتھ وہ لوگ بھی شریک ہو سکتے ہیں جنہوں نے فرض نماز جماعت سے نہیں پڑھی ہے، اس لئے یہ لوگ ان لوگوں کے تابع سمجھے جائیں گے جو فرض نماز جماعت سے پڑھ کر تراویح با جماعت پڑھ رہے ہیں۔

(۱۶) اگر کوئی شخص مسجد میں ایسے وقت پہنچے جب عشاء کے فرض ہو چکے ہوں تو وہ پہلے فرض ادا کرے پھر تراویح میں شریک ہو، اور تراویح کی جو رکعتیں رہ گئی ہوں ان کو یا تو ان وقفوں میں ادا کرے جب امام ترویحہ میں بیٹھا ہو، یا پھر وتر جماعت سے ادا کر کے بعد میں پڑھے۔

(۱۷) جن لوگوں نے عشاء کی نماز جماعت سے نہ پڑھی ہو، بلکہ تنہا پڑھی ہو وہ بھی اُن لوگوں کے ساتھ وتر کی جماعت میں شریک ہو سکتے ہیں جو فرض نماز جماعت سے پڑھ کر وتر با جماعت پڑھ رہے ہوں۔

(۱۸) آج کے دَور میں شبینہ کا جس طرح رواج ہو گیا ہے، یہ ہرگز دُرست نہیں، پڑھنے والا انتہائی بے پروائی کے ساتھ رواں دواں پڑھتا جاتا ہے، نہ اس کو صحیح اور غلط کی فکر ہوتی ہے، نہ آدابِ تلاوت کا لحاظ ہوتا ہے، اور نہ اس سے اثر لینے اور ہدایت پانے ہی کا کوئی احساس ہوتا ہے، بس کسی طرح ختم کر لینا ہی مقصود ہوتا ہے، پھر مقتدیوں کا یہ حال ہوتا ہے کہ بس چند افراد تو امام کے پیچھے ضرور کھڑے ہوتے ہیں اور ان میں سے بھی اکثر چند رکعت ہی امام کے ساتھ پڑھتے ہیں ورنہ عام طور پر لوگ پیچھے بیٹھے گفتگو میں مصروف ہوتے ہیں کچھ بیٹھے بیٹھے داد دیتے رہتے ہیں، کچھ تفریحی انداز کی گفتگو کرتے رہتے ہیں۔ یہ وہ قیامِ لیل اور تلاتِ قرآن نہیں ہے جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی تھی۔ اور جس کو صحابۂ کرامؓ سنت سمجھ کر اس کا اہتمام فرماتے تھے، یہ درحقیقت قرآن کے ساتھ صریح ظلم ہے اور قیامِ لیل اور تلاوتِ قرآن کے مقصد

کے ساتھ مذاق ہے، قرآن میں ہے:

کِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰہُ اِلَیۡکَ مُبٰرَکٌ لِّیَدَّبَّرُوۡۤا اٰیٰتِہٖ وَ لِیَتَذَکَّرَ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ○

(سورۂ ص آیت ۲۹)

''یہ کتاب خیر و برکت کا سرچشمہ ہے جو ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے۔ تاکہ لوگ اس کی آیات پر غور کریں اور عقل و فکر والے اس سے سبق لیں۔''

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''جس شخص نے تین دن سے کم میں قرآن پڑھا اس نے ہرگز قرآن کو نہیں سمجھا،، (جامع ترمذی)

اور قرآنِ پاک میں ہے۔

وَاِذَا قُرِئَ الۡقُرۡاٰنُ فَاسۡتَمِعُوۡا لَہٗ وَاَنۡصِتُوۡا لَعَلَّکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ○

(سورۂ اعراف آیت ۲۰۴)

اور جب قرآن پڑھا جائے تو پوری توجہ کے ساتھ سنو، اور خاموشی اختیار کرو۔ تاکہ تم پر رحم کیا جائے

(۱۹) تراویح میں پورا قرآن پڑھنے کی صورت میں ضروری ہے کہ کسی ایک سورت کے شروع میں بلند آواز سے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھی جائے اس لئے کہ یہ قرآنِ پاک کی ایک آیت ہے، پورا قرآن ختم کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کو پڑھے اور پورا قرآن سننے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کو سنے اس لئے حافظ کو چاہئے کہ وہ بلند آواز سے پڑھے۔ عام طور پر لوگ ''قُلۡ ھُوَ اللّٰہُ'' کے شروع میں بسم اللہ پڑھتے ہیں، یہ کوئی ضروری نہیں، جس سورت کے شروع میں چاہیں پڑھ سکتے ہیں بلکہ کبھی تو قصداً کسی دوسری سورت کے شروع میں پڑھنا چاہئے تاکہ لوگ ''قُلۡ ھُوَ اللّٰہُ'' کے شروع میں پڑھنا ضروری نہ سمجھنے لگیں، البتہ جن لوگوں کے نزدیک یہ ہر سورت کی ایک آیت ہے ان کو تراویح میں ہر سورت کے شروع میں پڑھنا چاہئے[1]

---

[1] حنفیہ کا مسلک یہی ہے کہ بسم اللہ قرآن مجید کی ایک آیت ہے، البتہ امام شافعیؒ اور مکے اور کوفے کے قرأ کا مسلک یہ ہے کہ یہ ہر سورت کی ایک آیت ہے۔

(۲۰) تراویح میں بعض لوگ تین بار ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ'' پڑھتے ہیں، ایسا کرنا مکروہ ہے۔[۱]

(۲۱) قرآنِ پاک ختم کرنے کے بعد فوراً دوسرا قرآن شروع کر دینا مسنون ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ خدا کو یہ بات بہت پسند ہے کہ جب ایک بار قرآن شریف ختم ہو تو فوراً دوسرا شروع کر دیا جائے۔ اور دوسرا شروع کر کے اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ تک پہنچا کر چھوڑ دیا جائے۔[۲]

تلاوتِ قرآن کے آداب

(۱) طہارت

قرآنِ پاک خدائے قدوس کا نہایت مقدس اور باعظمت کلام ہے۔ اس کو ہاتھ لگانے اور تلاوت کرنے کے لئے طہارت اور پاکی کا پورا پورا اہتمام کرنا چاہیئے۔ اگر وضو نہ ہو تو وضو کر لینا چاہیئے۔ اور اگر غسل کی حاجت ہو تو غسل کر لینا چاہیئے۔

خدا کا ارشاد ہے:-

لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۝ (الواقعہ آیت ۷۹)

اس کو وہی ہاتھ لگاتے ہیں جو نہایت پاک ہیں۔

اس آیت کی روشنی میں علماء نے اسی کو پسندیدہ قرار دیا ہے کہ وضو کے بغیر قرآن ہاتھ میں نہ لیا جائے لیکن جو لوگ ہر وقت یا اکثر قرآنِ پاک ہی پڑھتے پڑھاتے ہوں وہ بغیر وضو قرآن چھو سکتے ہیں۔ بار بار وضو کی زحمت کی وجہ سے قرآن نہ اُٹھانا اور اپنے محبوب اور مطلوب عمل کو ترک کرنا مناسب نہیں۔ عام حالات میں یہی بہتر ہے کہ وضو کر کے ہی قرآن کو ہاتھ لگایا جائے۔ مگر یہ صرف مصحف کا حکم ہے۔ تفسیر کی کتابیں یا دوسری ایسی دینی کتابیں جن میں قرآن کی آیات

---

[۱] بعض فقہا نے قل ہو اللہ کو تین بار پڑھنا مستحب کہا ہے لیکن اس صورت میں ہے جب قرآن نماز میں نہ پڑھا جا رہا ہو بلکہ نماز کے باہر پڑھا جا رہا ہو۔ [۲] علم الفقہ ج ۲ ص ۱۷۴

نقل کی گئی ہوں بغیر وضو چھو سکتے ہیں۔

حیض ونفاس اور جنابت کی حالت میں قرآن سننا تو جائز ہے۔لیکن پڑھنا، اور چھونا ممنوع ہے، وضو کے بغیر پڑھنا تو صحیح ہے لیکن چھونا مناسب نہیں، حضرتِ عائشہؓ کا بیان ہے کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر حال میں تلاوت فرمایا کرتے تھے، باوضو بھی اور بے وضو بھی البتہ جنابت کی حالت میں کبھی تلاوت نہ فرماتے۔'' حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

''حیض والی خاتون اور جنابت والا آدمی قرآن میں سے کچھ بھی نہ پڑھے'' (یعنی اس طرح کی حالت میں قرآن کی تلاوت قطعاً ممنوع ہے) (ترمذی)

(۲) اخلاصِ نیت

قرآن کی تلاوت کے وقت اخلاصِ نیت کا پورا پورا اہتمام کرنا چاہئے ــــ تلاوت کا مقصود محض خدا کی رضا اور طلبِ ہدایت ہونا چاہئے۔لوگوں کو اس کے ذریعے اپنا گرویدہ بنانا، اپنی خوش الحانی پر فخر کرنا اور اپنی دین داری کی دھاگ بٹھانا اور لوگوں سے تعریف کی خواہش رکھنا انتہائی گھٹیا مقاصد ہیں، ایسے ریا کار اور دُنیا پرست قرآن خواں قرآن سے ہرگز ہدایت نہیں پاتے، یہ لوگ قرآن کی تلاوت کے باوجود قرآن سے بہت دُور رہتے ہیں دراصل جو دل گندے خیالات، رکیک جذبات اور ناپاک مقاصد سے آلودہ ہے۔اس کو نہ تو قرآن کی عظمت وشان کا شعور ہی ہوسکتا ہے اور نہ وہ قرآن کے معارف وحقائق میں سے حصہ پاسکتا ہے۔

(۳) پابندی اور التزام

قرآن کی تلاوت روزانہ پابندی کے ساتھ کرنی چاہئے۔بلاناغہ روزانہ قرآن کا کچھ حصہ پڑھنا مستحب ہے، تلاوت کسی وقت بھی کی جاسکتی ہے لیکن موزوں ترین وقت صبح کا وقت ہے، اور

جن خوش نصیبوں کو خدا نے حفظِ قرآن کی سعادت سے نوازا ہے ان کے لئے تو روزانہ پڑھتے رہنا اس لئے بھی نہایت ضروری ہے، کہ اس کے بغیر قرآن یاد نہیں رہتا اور قرآنِ پاک یاد کرنے کے بعد بھول جانا سخت گناہ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''جس شخص نے قرآنِ پاک حفظ کیا اور پھر بھلا دیا وہ قیامت کے دن جذامی ہوگا۔'' (بخاری)

اور آپؐ نے ارشاد فرمایا:

'' قرآن کی فکر رکھو ورنہ یہ تمہارے سینوں سے نکل جائے گا۔ خدا کی قسم جس طرح وہ اونٹ بھاگ جاتا ہے، جس کی رسی ڈھیلی ہوگئی ہو ٹھیک اِسی طرح معمولی غفلت اور لاپروائی کے باعث قرآن سینے سے نکل بھاگتا ہے۔ (صحیح مسلم)

اور آپؐ نے پابندی کے ساتھ تلاوت کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا۔

''جس شخص نے قرآن پڑھا، اور روزانہ پابندی سے اس کی تلاوت کرتا رہا۔ اسکی مثال ایسی ہے جیسے مُشک سے بھری ہوئی زنبیل کہ اس کی خوشبو چارسو مہک رہی ہے۔ اور جس نے قرآن پڑھا لیکن وہ اس کی تلاوت نہیں کرتا، اس کی مثال ایسی ہے جیسے مُشک سے بھری ہوئی بوتل کہ اس کو ڈاٹ لگا کر بند کر دیا گیا ہے۔'' (ترمذی)

اور آپؐ نے فرمایا کہ خدا کا ارشاد ہے۔

''جو بندہ قرآن کی تلاوت میں اس قدر مشغول ہو کہ وہ مجھ سے دُعا مانگنے کا موقع نہ پاسکے تو میں اس کو مانگنے بغیر مانگنے والوں سے زیادہ دوں گا۔'' (ترمذی)

(۴) تجوید و خوش الحانی

ذوق وشوق، خوش الحانی اور دل بستگی کے ساتھ تجوید کا لحاظ کرتے ہوئے ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا چاہیئے[1] اس سے پڑھنے والے کے دل پر بھی اثر پڑتا ہے اور سننے والے کو بھی رُوحانی

---

[1] ابوداؤد۔

سرور ملتا اور جذبۂ عمل بیدار ہوتا ہے۔ بے دلی کے ساتھ رواں دواں پڑھنا اور صحتِ حروف کا لحاظ نہ رکھنا مکروہ ہے، اور صحیح صحیح قرآن پڑھنا واجب ہے، ش، ق، اور ح، خ، ع، غ، ء وغیرہ حروف کو صحیح مخارج سے ادا کرنا، اور وقف کرنے اور ملانے کے مواقع کو جاننا اور صاف صاف ہر آیت کو الگ الگ کر کے پڑھنا ضروری ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نہایت سکون کے ساتھ ایک ایک حرف کو واضح اور ایک ایک آیت کو الگ الگ کر کے پڑھا کرتے تھے۔

آپؐ کا ارشاد ہے۔

''اپنے لہجے اور حُسنِ آواز سے قرآن کو آراستہ کرو۔''[1]

اور آپؐ نے فرمایا۔

''جو شخص خوش الحانی کے ساتھ قرآن کی تلاوت نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔'' (دارمی)

اور خوش الحانی کے ساتھ قرآن کی تلاوت کے بے پایاں اجر و انعام کا ذکر کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا۔

''قیامت کے دن قرآن پڑھنے والے سے کہا جائے گا۔ جس ٹھہراؤ اور جس خوش الحانی کے ساتھ تم دُنیا میں قرآن کو بنا سنوار کر پڑھا کرتے تھے، اسی طرح قرآن پڑھو، اور ہر آیت کے صلے میں ایک درجہ بلند ہوتے جاؤ، تمہارا ٹھکانا تمہاری تلاوت کی آخری آیت کے قریب ہے۔'' (دارمی)

البتہ پڑھنے میں گانے کی طرح زیر و بم پیدا کرنا، اور راگ کا سا انداز اختیار کرنا مکروہ تحریمی ہے، اس سے اجتناب ضروری ہے۔

(۵) قرآن سُننے کا اہتمام

قرآنِ پاک ذوق و شوق کے ساتھ سننے کا بھی اہتمام کرنا چاہئے۔ حضرت خالد بن معدان

[1] لیکن اس کا لحاظ رہے کہ تصنّع اور بناوٹ نہ ہونے لگے بلکہ فطری انداز میں سادگی کے ساتھ پڑھنا چاہئے تا کہ دل خدا کی طرف متوجہ رہے اور نمود و نمائش کا جذبہ نہ پیدا ہونے پائے۔

کی روایت ہے کہ قرآن سننے کا اجر وثواب قرآن پڑھنے سے دُہرا ہے۔ (دارمی)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسروں سے قرآن پڑھوا کر سننے کا بہت شوق تھا، ایک بار حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے آپؐ نے فرمایا ''مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ'' حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا ''حضورؐ میں آپؐ کو سناؤں؟ آپؐ پر تو قرآن نازل ہوا ہے؟ ارشاد فرمایا ''ہاں سناؤ، مجھے اچھا معلوم ہوتا ہے کہ دوسرا پڑھے اور میں سنوں'' حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے سورۂ نساء پڑھنا شروع کی جب آپؐ اس آیت پر پہنچے۔

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًاo[1]

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''بس، بس، حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں میں نے آپؐ کو دیکھا کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہیں۔ (صحیح بخاری)

حضرت ابوموسیٰؓ نہایت عمدہ قرآن پڑھتے تھے، حضرت عمرؓ کی ملاقات جب کبھی حضرت ابوموسیٰؓ سے ہوتی تو فرماتے ابوموسیٰ! ہمیں اپنے پروردگار کی یاد دلاؤ، اور ابوموسیٰؓ قرآن کی تلاوت شروع فرمادیتے۔ (سنن دارمی)

(۶) غور وتدبّر

قرآنِ پاک کو سوچ سمجھ کر پڑھنے، اس کی آیات پر غور وفکر کرنے اور اس کی دعوت وحکمت کو جذب کرنے کی عادت ڈالنی چاہئے۔ اور اسی عزم وجذبے کے ساتھ تلاوت کرنی چاہئے کہ اس کے اوامر کو بجالانا ہے اور اس کی نواہی سے بچنا ہے خدا کی کتاب اسی لئے نازل ہوئی ہے کہ اس کو سوچ سمجھ کر پڑھا جائے اور اس کے احکام پر عمل کیا جائے، خدا کا ارشاد ہے۔

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِo

---

[1] سورۂ نسا ۴۱ ترجمہ: پھر سوچو اس وقت کیا حال ہوگا جب ہم ہر اُمت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور ان لوگوں پر آپ کو گواہ کی حیثیت سے کھڑا کریں گے۔

کتاب جو ہم نے آپ کی طرف بھیجی ہے بڑی برکت والی ہے تاکہ وہ اس کی آیات پر غور وفکر کریں اور اہلِ عقل اس سے نصیحت حاصل کریں۔

نصیحت حاصل کرنے کا مطلب یہی ہے کہ آدمی اپنے اعمال واخلاق اور اپنی زندگی کو قرآنی ہدایات وتعلیمات کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرے۔

قرآنِ پاک کا تھوڑا سا حصہ سوچ سمجھ کر پڑھنا، اور اس کے حقائق ومعارف پر غور وفکر کرنا اس سے بہتر ہے کہ آدمی غفلت کے ساتھ فرفر کئی کئی سورتیں پڑھ جائے۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے ''میں ''اَلْقَارِعَةُ'' اور ''اَلْقَدْرِ'' جیسی چھوٹی چھوٹی سورتوں کو سوچ سمجھ کر پڑھنا اس سے زیادہ بہتر سمجھتا ہوں کہ ''اَلْبَقَرَة'' اور ''اٰلِ عِمْرَان'' جیسی بڑی سورتیں فرفر پڑھ جاؤں اور کچھ نہ سمجھوں۔

نفل نمازوں میں یہ بھی جائز ہے کہ آدمی ایک ہی سورت یا ایک ہی آیت بار بار دُہرائے اس کی حقیقت وحکمت پر غور کرے، اس سے اثر لے، اور والہانہ انداز میں بار بار اس کی تلاوت کرے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ ساری رات ایک ہی آیت کو دُہراتے رہے، یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْلَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُالْحَكِيْمُo

(المائدہ آیت ۱۱۸)

اے خدا اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو تو انتہائی زبردست اور نہایت حکمت والا ہے۔

بلاشبہ قرآن کے معانی اور مطالب جانے بغیر تلاوت کا بھی بڑا اجر وثواب ہے لیکن وہ تلاوت جس سے قلب ورُوح کا تزکیہ ہوتا ہے اور جذبۂ عمل میں بیداری پیدا ہوتی ہے، وہی تلاوت ہے جو سمجھ سمجھ کر اور اثر لے لے کر کی جائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''یہ قلوب زنگ آلود ہو جاتے ہیں، جس طرح لوہا پانی سے زنگ آلود ہو جاتا ہے، صحابہ نے پوچھا یارسول اللہ! پھر اس زنگ کو دُور کرنے کی تدبیر کیا ہے؟ فرمایا (۱) کثرت سے موت کو یاد کرنا۔ اور (۲) قرآن کی تلاوت کرنا۔''

تورات میں ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

''میرے بندے تجھے شرم نہیں آتی کہ اگر سفر کے دوران تیرے بھائی کا خط تیرے پاس سرِ راہ پہنچتا ہے تو تو ٹھہر جاتا ہے، یا راستے سے الگ ہو بیٹھتا ہے، اور اس کے ایک ایک حرف کو پڑھتا اور اس میں غور وفکر کرتا ہے، اور یہ کتاب (تورات) میرا فرمان ہے جو میں نے تجھے لکھا ہے کہ تو اس میں برابر غور وفکر کرتا رہے اور اس کے احکام پر عمل کرے، لیکن تو ـــــ تو اس سے انکار کرتا ہے اور اس کے احکام پر عمل کرنے سے جی چُراتا ہے، اور اگر پڑھتا بھی ہے تو غور وفکر نہیں کرتا ـــــ'' (کیمیائے سعادت ص ۱۱۴)

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں

''اسلاف کو پورا پورا یقین تھا کہ قرآن خدا کا فرمان ہے اور اُسی کی طرف سے نازل ہوا ہے، چنانچہ وہ راتوں کو غور وفکر کے ساتھ اس کی تلاوت کرتے اور دن کو اس کے احکام پر عمل کرتے، تم لوگوں کا حال یہ ہے کہ بس اس کے الفاظ پڑھتے ہو، اس کے حروف کے زیر وزبر دُرست کرتے ہو اور رہا عمل تو اس میں نہایت سُست اور کوتاہ ہو۔''

(کیمیائے سعادت)

(۷) یکسوئی اور عاجزی

تلاوت نہایت توجہ، آمادگی، عاجزی، اور یکسوئی کے ساتھ قبلہ رُخ بیٹھ کر کرنا چاہئے تلاوت کے وقت غفلت اور لاپروائی کے ساتھ اِدھر اُدھر دیکھنا، یا کسی سے بات چیت کرنا یا کسی اور ایسے کام میں مشغول ہونا جس سے یکسوئی میں خلل پڑتا ہو مکروہ ہے۔

(۸) تعوّذ و تسمیہ

تلاوت شروع کرتے وقت پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھنی چاہیے۔ اور اگر درمیان میں کسی دوسرے کام کی طرف توجہ کرنی پڑ جائے یا کسی سے بات چیت کرنی پڑ جائے تو پھر اَعُوْذُ بِاللّٰهِ دُہرالینی چاہیے۔ نماز سے باہر ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے اور سورۂ ''بَرَاءَۃٌ''[۱] کے شروع میں بسم اللہ نہ پڑھنی چاہیے۔

(۹) اثر پذیری

تلاوت کے دوران قرآن پاک کے مضامین سے اثر لینا اور اس اثر کا اظہار کرنا مستحب ہے[۲] جب انعام واکرام اور جنت کی لازوال نعمتوں کا ذکر ہو اور مومنوں کو رحمت و مغفرت، فلاح و کامرانی اور خدا کی رضا اور دیدار کی بشارت دی جارہی ہو تو مسرت اور سرور کا اظہار کرنا چاہیے اور جب خدا کے غیظ و غضب، جہنم کے ہولناک عذاب، اہل جہنم کی چیخ و پکار کا تذکرہ اور انذار و وعید کی آیتیں پڑھی جارہی ہوں تو اُن پر غمزدہ ہو کر رونا چاہیے، اور اگر اپنی غفلت اور سنگدلی کی وجہ سے رونا نہ آئے تو بہ تکلف رونے اور غمزدہ ہونے کی کوشش کرنی چاہیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تلاوتِ قرآن کے وقت جب عذاب کی آیت پڑھتے تو حق تعالیٰ سے رحمت کی دُعا فرماتے اور جب تنزیہہ کی آیت پڑھتے تو تسبیح پڑھتے۔ (کیمیائے سعادت)

(۱۰) آواز میں اعتدال

تلاوت نہ تو انتہائی بلند آواز سے کیجئے اور نہ نہایت پست آواز سے بلکہ اعتدال کے ساتھ

---

۱ بَرَاءَۃٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ دسویں پارے کی دوسری سورت ہے۔ اس سورۃ کے شروع میں بسم اللہ منقول نہیں ہے۔
۲ لیکن اس معاملہ میں آدمی کو انتہائی ہوشیار اور چوکنا رہنا چاہیے اس لئے کہ ریا کاری آدمی کے اچھے سے اچھے عمل کو تباہ و برباد کر ڈالتی ہے۔

ایسی درمیانی آواز سے پڑھئے کہ آپ کا دل بھی متوجہ رہے اور سننے والوں کے شوق میں بھی اضافہ ہو اور غور و فکر کی طرف بھی طبیعت متوجہ ہو، قرآن کی ہدایت ہے۔

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَالِكَ سَبِيلًا ٥

(بنی اسرائیل)

اور اپنی نماز میں نہ تو زیادہ زور سے پڑھئے اور نہ بالکل ہی دھیرے دھیرے، بلکہ دونوں کے درمیان کا انداز اختیار کیجئے۔

معتدل آواز میں پڑھنے کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ آدمی محض خوش الحانی اور فنِ تجوید کے نکتوں پر نگاہ نہ رکھے گا بلکہ اصل ہدایت و تعلیم کی طرف متوجہ رہے گا اور سننے والے بھی محض قرأت اور آواز کے زیر و بم ہی کو اصل مقصود نہ بنائیں گے بلکہ قرآن سے سبق لینے کی طرف بھی متوجہ رہیں گے۔

(۱۱) تہجد میں تلاوت کا اہتمام

تلاوت جب بھی کی جائے، باعثِ اجر و ثواب ہے اور موجب رُشد و ہدایت ہے۔ لیکن خاص طور پر تہجد کی نماز میں قرآن کی تلاوت، تلاوتِ قرآن کی فضیلت کا سب سے اونچا درجہ ہے اور مومن کی تمنا ہونی چاہئے کہ وہ فضیلت کا اونچے سے اونچا درجہ حاصل کرے، تہجد کا سُہانا وقت، نمود و نمائش، اور ریا و تصنع سے حفاظت اور خلوص و للٰہیت اور توجہ الی اللہ کا موزوں ترین وقت ہے بالخصوص جب آدمی خدا کے حضور کھڑے ہو کر یکسوئی اور طبیعت کی آمادگی کے ساتھ کتاب اللہ کی تلاوت کر رہا ہو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی تہجد میں طویل تلاوت کا اہتمام فرماتے تھے۔

(۱۲) قرآن میں دیکھ کر تلاوت کا اہتمام

نماز کے باہر تلاوت کرتے وقت قرآنِ پاک میں دیکھ کر تلاوت کرنا زیادہ موجبِ اجر و ثواب ہے، ایک تو تلاوت کا اجر اور دوسرے کلام اللہ کو ہاتھ میں لینے اور اُس کی زیارت سے

مشرف ہونے کا اجر و ثواب ہے۔[۱]

(۱۳) ترتیب کا لحاظ

قرآنِ پاک کی سورتوں کو اسی ترتیب سے پڑھنا چاہئے جس ترتیب سے قرآن میں ہیں، البتہ چھوٹے بچوں کی سہولت کے پیشِ نظر اس ترتیب کے خلاف پڑھنا، جیسا کہ آج کل پَارۂ عَمَّ یَتَسَاءَ لُوْنَ پڑھایا جاتا ہے، کسی کراہت کے بغیر جائز ہے۔[۲] البتہ آیتوں کو قرآن کی ترتیب کے خلاف پڑھنا بالاتفاق ممنوع ہے۔[۳]

(۱۴) دل بستگی اور انہماک

قرآن خدا کا کلام ہے، اس سے دل بستگی، اس میں انہماک ایمان کی علامت ہے۔ بعض لوگ دوسرے وظائف اور افکار تو بڑی دل بستگی اور انہماک کے ساتھ پڑھتے ہیں اور گھنٹوں پڑھتے رہتے ہیں، لیکن قرآن کی تلاوت اس دل بستگی اور انہماک کے ساتھ نہیں کرتے، درانحالیکہ قرآن سے بڑھ کر نہ کوئی ذکر و وظیفہ ہوسکتا ہے اور نہ اس سے بڑھ کر نفس و اخلاق کے تزکیہ کا کوئی ذریعہ ممکن ہے اور نہ اس کی تلاوت میں انہماک سے بڑھ کر کوئی دوسری عبادت ہوسکتی ہے، قرآن پر دوسرے اذکار و وظائف کو ترجیح دینا فہمِ دین کی کوتاہی بھی ہے، نادانی اور گستاخی بھی ہے، اور گناہ بھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے بندہ تلاوتِ قرآن ہی کے ذریعہ خدا سے سب سے زیادہ قرب حاصل کرتا ہے۔[۴]

اور آپؐ نے فرمایا۔

”میری اُمت کے لئے سب سے بہتر عبادت قرآن کی تلاوت ہے۔“

۱؎ الاتقان ۲؎ ردالمختار ۳؎ الاتقان

۴؎ کیمیائے سعادت۔ تلاوتِ قرآن کا بیان۔

(۱۵) تلاوت کے بعد دُعا

تلاوت سے فارغ ہو کر ذیل کی دُعا پڑھنا مسنون ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب تلاوت سے فارغ ہوتے تو یہ دُعا پڑھتے۔

اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنِیْ بِالْقُرْاٰنِ وَاجْعَلْهُ لِیْ اِمَامًا وَّنُوْرًا وَّھُدًی وَّرَحْمَةً ط اَللّٰھُمَّ ذَکِّرْنِیْ مِنْهُ مَانَسِیْتُ وَعَلِّمْنِیْ مِنْهُ مَا جَھِلْتُ وَارْزُقْنِیْ تِلَاوَتَهٗ اٰنَآءَ اللَّیْلِ وَاٰنَآءَ النَّھَارِ وَاجْعَلْهُ لِیْ حُجَّةً یَّارَبَّ الْعَالَمِیْنَ۔

اے اللہ! تو مجھ پر اس قرآن کے طفیل میں رحم فرما، اور اس کو میرا پیشوا، میرے لئے نور و ہدایت اور رحمت بنا دے، اے اللہ میں اس میں سے جو کچھ بھول جاؤں وہ مجھ کو یاد کرا دے، اور جو کچھ میں نہیں جانتا وہ سکھا دے اور مجھے توفیق دے کہ میں شب کے کچھ حصے میں اور صبح و شام اسکی تلاوت کروں اور اے ربّ العالمین تو اس کو میرے حق میں حجت بنا دے۔

سجدۂ تلاوت کا بیان

سجدۂ تلاوت کا حکم

قرآن مجید میں چودہ[1] آیتیں ایسی ہیں جن کو پڑھنے یا سننے سے سجدہ کرنا واجب[2] ہو جاتا ہے، چاہے پوری آیت پڑھی جائے یا سجدہ والے الفاظ[3] کو اگلے پچھلے الفاظ کے ساتھ پڑھ لیا جائے، سجدہ واجب ہو جاتا ہے، اس سجدہ کو سجدۂ تلاوت کہتے ہیں۔

---

[1] اہلِ حدیث کے نزدیک پندرہ آیتیں ہیں وہ سورہ الحج آیت ۷۷ پر بھی سجدہ کرتے ہیں۔ (اسلامی تعلیم دوم)

[2] امام ابوحنیفہ کے علاوہ بعض دوسرے علماء کے نزدیک سجدۂ تلاوت سنت ہے۔

[3] ایسے الفاظ کو نمایاں کرنے کے لئے ان کے اُوپر خط کھینچ دیا گیا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

”جب آدمی سجدہ کی آیت پڑھ کر سجدہ کرتا ہے۔ تو شیطان ایک گوشے میں بیٹھ کر آہ وبکا کرنے لگتا ہے، اور کہتا ہے ہائے افسوس! آدم کی اولاد کو سجدہ کا حکم دیا گیا تو اس نے سجدہ کیا اور جنت کا مستحق ہوگیا، اور مجھے سجدہ کا حکم دیا گیا تو میں نے انکار کردیا اور میں نارِ جہنم کا مستحق ہوا۔“ (صحیح مسلم، ابن ماجہ)

سجدۂ تلاوت کے مقامات

قرآنِ پاک میں ایسی آیتیں جن کے پڑھنے یا سننے سے سجدہ واجب ہوتا ہے کُل چودہ ہیں جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

(۱) سورۂ الاعراف آیت ۲۰۶

اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ۝

بلاشبہ جو فرشتے آپ کے رب کے حضورِ تقرّب کا مقام رکھتے ہیں وہ کبھی اپنی بڑائی کے غرور میں آکر اس کی بندگی بجالانے سے منہ نہیں موڑتے وہ اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور اس کے آگے سجدہ ریز رہتے ہیں۔

(۲) سورۂ الرعد آیت ۱۵

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝

اور اللہ ہی ہے جس کو آسمانوں اور زمین کی ہر چیز چار و ناچار سجدہ کر رہی ہے، اور ان سب چیزوں کے سایے صبح وشام اس کے آگے جھکتے ہیں۔

(۳) سورۂ النحل ۴۹-۵۰

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ

وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝

اور اللہ ہی کے حضور سجدہ ریز ہیں آسمانوں اور زمین کے سارے جان دار اور فرشتے، اور وہ ہرگز (اس کی بندگی سے) سرتابی نہیں کرتے، وہ اپنے اپنے رب سے جو ان کے اُوپر ہے، ڈرتے رہتے ہیں، اور وہی کچھ کرتے ہیں جس کا اُنہیں حکم دیا جاتا ہے۔

(۴) سورۂ بنی اسرائیل آیت ۱۰۹

وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ۝

اور وہ (قرآن سُن کر) روتے ہوئے منہ کے بل گر جاتے ہیں اور ان کا خشوع اور بڑھ جاتا ہے۔

(۵) سورۂ مریم آیت ۵۸

اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ۝

جب ان کو رحمٰن کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ روتے ہوئے سجدے میں گر جاتے ہیں۔

(۶) سورۂ الحج آیت[۱] ۱۸

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ط وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ط وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ط اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ط

کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ کے حضور وہ ساری مخلوق سربسجود ہے، جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے، اور سورج اور چاند، اور تارے، اور پہاڑ، اور درخت، اور جانور اور بہت سے انسان اور بہت سے وہ لوگ ہیں جن پر خدا کا عذاب لازم ہو چکا ہے اور جس کو خدا ذلیل وخوار کر دے اسے پھر کوئی عزت دینے والا نہیں، بے شک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

---

[۱] اس آیت میں سجدہ کا فقرہ تو يَسْجُدُ لَهٗ ہے مگر سجدہ آیت پوری ہونے پر کرنا چاہئے۔

(۷) سورۃ الفرقان آیت ٦٠

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ۝

اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ اس رحمٰن کو سجدہ کرو، تو جواب دیتے ہیں یہ رحمٰن کیا ہوتا ہے؟ کیا بس جسے تم کہہ دو اسی کو ہم سجدہ کرنے لگ جائیں، اور یہ دعوت ان کی نفرت اور بیزاری میں اُلٹا اور اضافہ کر دیتی ہے۔

(۸) سورۃ النمل آیت ۲۵-۲٦

اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِىْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۝ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝

کہ وہ اس اللہ کو سجدہ نہیں کرتے جو آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزیں نکالتا ہے، اور وہ سب کچھ جانتا ہے جسے تم چھپاتے اور ظاہر کرتے ہو، اللہ جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، جو عرشِ عظیم کا مالک ہے۔

(۹) سورۃ الٓمٓ السجدہ آیت ۱۵

اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝

ہماری آیات پر تو بس وہ لوگ ایمان لاتے ہیں جنہیں یہ آیتیں سنا کر جب یاددہانی کرائی جاتی ہے تو سجدے میں گر جاتے ہیں اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے ہیں اور غرور میں آ کر (اس کی بندگی سے) سرتابی نہیں کرتے۔

(۱۰) سورۃ صٓ آیت ۲۴-۲۵

وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ ۝ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ؕ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ۝

اور (داؤد علیہ السلام) سجدے میں گر گئے اور رُجوع کرلیا، تب ہم نے ان کا وہ قصور معاف کردیا، اور یقیناً ہمارے ہاں ان کے لئے تقرّب کا مقام اور بہتر انجام ہے۔

(۱۱) سورۂ حٰمٓ السجدہ آیت ۳۸

فَاِنِ اسْتَکْبَرُوْا فَالَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّکَ یُسَبِّحُوْنَ لَہٗ بِالَّیْلِ وَالنَّھَارِ وَھُمْ لَا یَسْئَمُوْنَ o

اگر یہ لوگ غرور میں دین سے بے نیازی دکھائیں تو (کوئی پروانہیں) جو فرشتے آپ کے رب کے حضور مقرّب ہیں وہ شب و روز اس کی تسبیح میں لگے ہوئے ہیں اور وہ کبھی نہیں تھکتے۔

(۱۲) سورہ النجم آیت ۶۲

فَاسْجُدُوْا لِلّٰہِ وَاعْبُدُوْا o

پس اللہ ہی کو سجدہ کرو اور (اسی کی) عبادت کرو۔

(۱۳) سورۂ انشقاق آیت ۲۰-۲۱

فَمَالَھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ o وَاِذَا قُرِئَ عَلَیْھِمُ الْقُرْاٰنُ لَا یَسْجُدُوْنَ o

تو ان لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ ایمان نہیں لاتے، اور جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے۔

(۱۴) سورۂ العلق، آیت ۱۹

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ o

اور سجدہ کرو اور (خدا کا) قرب حاصل کرو،

سجدۂ تلاوت کی شرطیں

سجدۂ تلاوت کی چار شرطیں ہیں[1]

(۱) طہارت

- جسم کا پاک ہونا، یعنی جسم نجاستِ غلیظہ سے بھی پاک ہو اور نجاستِ حکمیہ سے بھی، اگر وضو نہ ہو تو وضو کر لینا اور اگر غسل کی حاجت ہو تو غسل کر لینا ضروری ہے۔[2]
- لباس کا پاک ہونا۔
- جائے نماز کا پاک ہونا۔

---

۱ یعنی جو شرطیں نماز کی ہیں وہی سجدۂ تلاوت کی ہیں اور جن چیزوں سے نماز فاسد ہو جاتی ہے انہیں چیزوں سے سجدۂ تلاوت بھی فاسد ہو جاتا ہے۔

۲ جمہور کا مسلک تو یہی ہے، لیکن بعض علماء کے نزدیک سجدۂ تلاوت کے لئے باوضو ہونا ضروری نہیں۔ علماء اہلِ حدیث کے نزدیک باوضو سجدۂ تلاوت کرنا افضل تو ہے لیکن بغیر وضو کئے بھی جائز ہے (اسلامی تعلیم حصہ دوم)
علامہ مودودیؒ سجدۂ تلاوت کی شرائط پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔
"اس سجدے کے لئے جمہور انہی شرائط کے قائل ہیں جو نماز کی شرطیں ہیں، یعنی باوضو ہونا، قبلہ رُخ ہونا اور نماز کی طرح سجدے میں سر زمین پر رکھنا۔ لیکن جتنی احادیث سُجود تلاوت کے باب میں ہم کو ملی ہیں ان میں کہیں ان شرطوں کے لئے کوئی دلیل موجود نہیں ہے، ان سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ آیتِ سجدہ سن کر جو شخص جہاں جس حال میں ہو جھک جائے۔ خواہ باوضو ہو یا نہ ہو، خواہ استقبال قبلہ ممکن ہو یا نہ ہو، خواہ زمین پر سر رکھنے کا موقع ہو یا نہ ہو سلف میں بھی ہم کو ایسی شخصیتیں ملتی ہیں جن کا عمل اس طریقے پر تھا۔ چنانچہ امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ راستہ چلتے ہوئے قرآن مجید پڑھتے جاتے تھے۔ اور اگر کہیں آیتِ سجدہ آجاتی تو بس سر جھکا لیتے تھے خواہ باوضو ہوں یا نہ ہوں اور خواہ قبلہ رُخ بھی ہوں یا نہ ہوں، ان وجوہ سے ہم سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص جمہور کے مسلک کے خلاف عمل کرے تو اسے ملامت نہیں کی جا سکتی کیونکہ جمہور کی تائید میں کوئی سنتِ ثانیہ موجود نہیں ہے اور سلف میں ایسے لوگ پائے گئے ہیں جن کا عمل جمہور کے مسلک کے خلاف تھا۔

(تفہیم القرآن جلد دوم الاعراف حاشیہ ۱۵۷ صفحہ ۱۱۶)

(۲) سَتر چُھپانا

(۳) قبلے کی طرف منھ کرنا

(۴) سجدۂ تلاوت کی نیّت کرنا

لیکن یہ نیت کرنا شرط نہیں ہے کہ یہ سجدہ فلاں آیت کا ہے اور اگر نماز میں آیتِ سجدہ پڑھ کر سجدہ کیا جائے تو نیت بھی شرط نہیں ہے۔

سجدۂ تلاوت کا طریقہ

قبلہ رو کھڑے ہو کر سجدۂ تلاوت کی نیت کرے اور اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدہ میں جائے اور سجدہ کر کے اللہ اکبر کہتے ہوئے اُٹھ کھڑا ہو، نہ تشہد میں بیٹھنے کی ضرورت ہے اور نہ سلام پھیرنے کی۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا ارشاد ہے جب تم سجدہ کی آیت پر پہنچو تو اللہ اکبر کہہ کر سجدہ میں جاؤ اور جب سجدہ سے سر اُٹھاؤ تو اللہ اکبر کہو۔[1] سجدۂ تلاوت بیٹھے بیٹھے بھی کر سکتے ہیں لیکن کھڑے ہو کر سجدے میں جانا مستحب ہے۔

سجدۂ تلاوت میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کے علاوہ دوسری مسنون تسبیحیں بھی پڑھ سکتے ہیں لیکن فرض نمازوں میں سجدۂ تلاوت کیا جائے تو سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی پڑھنا بہتر ہے، البتہ نوافل میں اور نماز کے باہر آیتِ سجدہ پڑھے تو سجدۂ تلاوت میں جو تسبیحیں چاہیں پڑھ سکتے ہیں مثلاً یہ تسبیح پڑھ سکتے ہیں۔

سَجَدَ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ خَلَقَهٗ وَشَقَّ سَمْعَهٗ وَبَصَرَهٗ بِحَوْلِهٖ وَقُوَّتِهٖ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ[2]

---

[1] ابوداؤد [2] ابوداؤد، ترمذی وغیرہ، ترجمہ:- میرا چہرہ اس کے حضور سجدہ ریز ہے، جس نے اسے حسین پیدا کیا، اور اس میں کان اور آنکھ وضع کئے۔ یہ سب اسی کی طاقت وقوت سے ہے اللہ رفعت و برکت کا سرچشمہ ہے، جو بہترین پیدا کرنے والا ہے۔

سجدۂ تلاوت کے مسائل

(۱) سجدۂ تلاوت انہیں لوگوں پر واجب ہے جن پر نماز واجب ہے حیض ونفاس والی خاتون اور نابالغ بچے پر سجدۂ تلاوت واجب نہیں، اور ایسے مدہوش پر بھی واجب نہیں ہے جس کی مدہوشی پر ایک دن رات سے زیادہ گزر چکا ہو۔

(۲) اگر سجدہ کی آیت نماز میں پڑھی ہے تو فوراً سجدہ کرنا واجب ہے تاخیر کرنے کی اجازت نہیں اور اگر نماز کے باہر سجدہ کی آیت پڑھی تو بہتر یہی ہے کہ فوراً سجدہ کرلیا جائے، لیکن تاخیر میں بھی کوئی حرج نہیں، البتہ بلاوجہ زیادہ تاخیر کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔

(۳) اگر نماز میں آیتِ سجدہ تلاوت کی ہے تو یہ سجدہ اسی نماز میں ادا کرنا واجب ہے، نہ نماز کے باہر ادا کرنا جائز ہے اور نہ کسی دوسری نماز میں یہ سجدہ ادا کرنا جائز ہے، اگر کوئی آیتِ سجدہ پڑھ کر اس نماز میں سجدہ کرنا بھول جائے تو اس کی تلافی کی شکل اس کے سوا کچھ نہیں کہ توبہ واستغفار کرے ہاں اگر یہ نماز فاسد ہوجائے تو یہ سجدہ نماز کے باہر ادا کیا جاسکتا ہے۔

(۴) اگر کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو یا پڑھا رہا ہو اور کسی دوسرے سے آیت سنے چاہے وہ دوسرا آدمی نماز میں قرآن پڑھ رہا ہو یا نماز کے باہر تو اس سننے والے نمازی یا امام پر نماز کی حالت میں سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہے، نماز سے فارغ ہو کر سجدۂ تلاوت ادا کرے اور اگر نماز ہی میں یہ سجدہ ادا کرلیا، تو سجدہ بھی ادا نہ ہوگا اور نماز بھی فاسد ہوجائے گی۔

(۵) اگر مقتدی نے سجدہ کی آیت پڑھی تو نہ امام پر سجدہ واجب ہے اور نہ مقتدی پر۔

(۶) کسی نے امام سے سجدہ کی آیت سنی لیکن وہ اُس وقت جماعت میں شامل ہوا جب امام سجدہ ادا کرچکا تھا۔ اب اگر اس کو وہ رکعت مل گئی جس میں امام نے سجدۂ تلاوت ادا کیا ہے تو گویا اس کا سجدہ بھی ادا ہوگیا۔ اور اگر دوسری رکعت میں شامل ہوا ہے تو پھر نماز کے بعد اس کو سجدہ ادا کرنا چاہئے۔

(۷) اگر کوئی شخص دل میں سجدہ کی آیت پڑھے، زبان سے نہ پڑھے یا صرف لکھے، یا ایک ایک

حرف الگ الگ کر کے پڑھے تو سجدہ واجب نہ ہوگا۔

(۸) اگر ایک ہی جگہ پر سجدہ کی ایک ہی آیت بار بار پڑھی تو ایک ہی سجدہ واجب ہوگا۔ اور اگر کئی آیتیں پڑھیں تو جتنی آیتیں پڑھیں اتنے ہی سجدے واجب ہوں گے اور ایک ہی آیت کئی مجلسوں میں پڑھی تو جتنی مجلسوں میں پڑھی اتنے ہی سجدے واجب ہوں گے۔

(۹) تلاوت کے وقت اگر سننے والے سب باوضو بیٹھے ہوں اور سجدہ کر سکتے ہوں تو سجدہ کی آیت زور سے پڑھنی بہتر ہے لیکن بے وضو بیٹھے ہوں یا سجدہ کرنے کی گنجائش نہ ہو تو بہتر یہ ہے کہ سجدہ کی آیت آہستہ پڑھی جائے ہوسکتا ہے کہ دوسرے وقت یہ لوگ سجدہ کرنا بھول جائیں اور گنہگار رہوں۔

(۱۰) سجدہ کی آیت سے پہلے اور بعد کی آیتوں کو پڑھنا، اور سجدہ کی آیت کو چھوڑ دینا، یا پوری سورت پڑھنا اور سجدہ کی آخری آیت کو چھوڑ دینا مکروہ ہے۔

(۱۱) سرّی نمازوں میں ایسی سورت نہ پڑھنی چاہئے جس میں سجدہ ہو اور اسی طرح جمعہ، عیدین یا کسی اور ایسی نماز میں جہاں غیر معمولی مجمع ہو۔ اس لئے کہ مقتدیوں کو اشتباہ ہوگا اور نماز میں خلل پڑے گا۔[۱]

(۱۲) بعض ناواقف لوگ پڑھتے پڑھتے آیتِ سجدہ پر پہنچتے ہیں تو اسی قرآن پر سجدہ کر لیتے ہیں اس طرح سجدہ ادا نہیں ہوتا، سجدۂ تلاوت اسی طریقے سے ادا کرنا چاہئے جو اُوپر بتایا گیا ہے۔

سجدۂ شکر

جب آدمی کوئی اچھی خبر سنے، یا خدا کی رحمت سے کوئی بڑی نعمت پائے یا کسی معاملہ میں کامیابی حاصل ہو، یا کوئی تمنا اور آرزو پوری ہوجائے، یا کوئی آفت اور مصیبت ٹل جائے، تو خدا کے اس فضل و کرم پر سجدۂ شکر ادا کرنا مستحب ہے لیکن یہ سجدہ نماز کے فوراً بعد نہ کرنا چاہئے، ورنہ

[۱] علم الفقہ ج دوم ص ۱۸۱ بحوالہ بحر الرائق

ناواقف لوگ یا تو اس کو نماز کا حصہ تصوّر کرنے لگیں گے یا اس کو سنت قرار دے کر اہتمام کرنے لگیں گے یہ نماز سے الگ ایک سجدہ ہے اس لئے اس کو اس طرح ادا کرنا چاہئے کہ کسی کو کوئی شبہ نہ ہو، حضرت ابو بکرؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کسی قسم کی خوشی حاصل ہوتی، یا کوئی خوش خبری ملتی تو آپ خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے سجدہ فرماتے۔[1]

بعض ناواقف لوگ وتر کی نماز کے بعد دو سجدے کرتے ہیں اور اس کو سنت سمجھتے ہیں، یہ بالکل غلط ہے، اس کو سنت سمجھ کر ادا کرنا مکروہ ہے اور چونکہ اس سے غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے اس لئے اس کو ترک کرنا بہتر ہے۔

اعتکاف کا بیان

اعتکاف کے معنیٰ

لغت میں کسی جگہ میں بند ہو جانے یا کسی مقام پر ٹھہرنے کو اعتکاف کہتے ہیں اور شریعت کی اصطلاح میں اعتکاف سے مراد یہ ہے کہ آدمی دُنیوی تعلقات و مصروفیات اور بیوی بچوں سے الگ ہو کر مسجد میں قیام کرے۔

اعتکاف کی حکمت

اعتکاف یہی تو ہے کہ آدمی دُنیوی کاروبار اور تعلقات سے کٹ کر، اور گھریلو مصروفیات اور نفسانی خواہشات سے بے تعلق ہو کر، فکر و عمل کی ساری قوتوں کو خدا کی یاد، اور عبادت میں لگا دے، اور سب سے الگ تھلگ ہو کر خدا کے پڑوس میں جا بسے، اس عمل سے ایک طرف تو آدمی ہر طرح کی لغو باتوں اور برائیوں سے محفوظ رہے گا، دوسری طرف خدا سے اس کا تعلق مضبوط ہوگا۔ اُس کا

[1] ترمذی، ابوداؤد وغیرہ۔

قرب حاصل ہوگا اور اس کی یاد اور عبادت سے قلب ورُوح کو سکون اور سرور محسوس ہوگا اور چند دن کی تربیت کا یہ عمل اس کے دل پر یہ گہرا اثر چھوڑے گا کہ دُنیا میں اپنے چاروں طرف ہر طرح کی رنگینیاں اور دل کشیاں دیکھنے کے باوجود خدا سے تعلق مضبوط رکھے، خدا کی نافرمانی سے بچے اور اس کی اطاعت میں قلب ورُوح کا سکون وسُرور تلاش کرے۔ اور پوری زندگی خدا کی بندگی میں گزارے۔

اعتکاف کی قسمیں

اعتکاف کی تین قسمیں ہیں، (۱) واجب (۲) مستحب (۳) سنتِ مؤکّدہ

(۱) اعتکافِ واجب

نذر کا اعتکاف واجب ہے، کسی نے یونہی اعتکاف کی نذر مانی یا کسی شرط کے ساتھ مانی مثلاً یہ کہا کہ اگر میں امتحان میں کامیاب ہوگیا یا میرا فلاں کام پورا ہوا تو میں اعتکاف کروں گا تو یہ اعتکاف واجب ہے اور اس کا پورا کرنا ضروری ہے۔

(۲) اعتکافِ مستحب

رمضان المبارک کے اخیر عشرے کے علاوہ جو بھی اعتکاف کیا جاتا ہے وہ مستحب ہے، چاہے رمضان کے پہلے اور دوسرے عشرے میں کیا جائے یا کسی اور مہینے میں۔

(۳) اعتکاف سنتِ مؤکّدہ

رمضان کے اخیر عشرے میں اعتکاف کرنا سنتِ مؤکدہ کفایہ ہے، یعنی مسلمانوں کو بحیثیت اِجتماعی اس سنت کا اہتمام کرنا چاہیئے کیونکہ احادیث میں اس کی انتہائی تاکید کی گئی ہے، خود قرآن

میں بھی اس کا ذکر ہے۔

وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِي الْمَسَاجِدِ (البقرہ ۱۸۷)

اور اپنی عورتوں سے نہ ملو جب تم مسجدوں میں اعتکاف میں ہو۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پابندی کے ساتھ ہر سال اعتکاف فرماتے تھے، وفات تک آپؐ کا یہی معمول رہا اور ایک سال کسی وجہ سے آپ اعتکاف نہ کر سکے تھے تو دوسرے سال آپؐ نے بیس دن تک اعتکاف فرمایا۔ اس لئے اگر مسلمان اس سنت کو اجتماعی طور پر چھوڑ دیں گے تو سب ہی گنہگار ہوں گے اور اگر بستی کے کچھ افراد بھی اِس سنت کا اہتمام کرلیں تو چونکہ یہ سنتِ کفایہ ہے اس لئے چند افراد کا اعتکاف سب کی طرف سے کافی ہوجائے گا لیکن یہ بات انتہائی تشویش کی ہوگی کہ پورا مسلمان معاشرہ اس سے بے پروائی برتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ محبوب سنت بالکل ہی مٹ جائے۔

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے، وفات تک آپ کا یہی معمول رہا، اور آپؐ کے بعد آپؐ کی ازواج (مطہرات) اعتکاف کا اہتمام کرتی رہیں۔" (بخاری، مسلم)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خادمِ خاص حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے، ایک سال آپؐ اعتکاف نہ فرما سکے، تو اگلے سال آپؐ نے بیس[۲۰] دن کا اعتکاف فرمایا۔" (جامع ترمذی)

افضل ترین اعتکاف

سب سے افضل اعتکاف وہ ہے جو خانۂ کعبہ یعنی مسجد الحرام میں کیا جائے اس کے بعد وہ اعتکاف ہے جو مسجدِ نبویؐ میں کیا جائے۔ اور اس کے بعد اُس اعتکاف کا درجہ ہے جو بیت المقدس میں کیا جائے، اس کے بعد وہ اعتکاف افضل ہے جو کسی جامع مسجد میں کیا جائے جہاں باقاعدہ

جماعت سے نماز ہوتی ہو، اور اگر جامع مسجد میں نماز باجماعت کا نظم نہ ہو تو محلّہ کی مسجد میں جہاں نماز باجماعت کا اہتمام ہو، اور اس کے بعد ہر اس مسجد میں اعتکاف افضل ہے جہاں نماز باجماعت میں زیادہ لوگ شریک ہوتے ہوں۔

اعتکاف کی شرطیں

اعتکاف کی چار شرطیں ہیں، جن کے بغیر اعتکاف صحیح نہیں۔

(۱) مسجد میں قیام

مردوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ مسجد میں اعتکاف کریں۔ چاہے اس مسجد میں پنج وقتہ نماز باجماعت کا اہتمام ہو یا نہ ہو[۱] مسجد میں قیام کے بغیر مردوں کا اعتکاف صحیح نہیں۔

(۲) نیت

نیت جس طرح دوسری عبادات کے لئے شرط ہے اسی طرح اعتکاف کے لئے بھی شرط ہے، نیت کے بغیر اعتکاف نہ ہوگا۔ اگر کوئی شخص یونہی نیت کئے بغیر مسجد میں ٹھہرا رہا، تو یہ ٹھہرنا اعتکاف نہ ہوگا۔ پھر یہ ظاہر ہی ہے کہ عبادت کی نیت اُسی وقت صحیح ہے جب نیت کرنے والا مسلمان ہو اور ہوشمند بھی ہو، دیوانے اور مجنون کی نیت کا کوئی اعتبار نہیں۔

(۳) حدثِ اکبر سے پاک ہونا

یعنی مرد اور خواتین حالتِ جنابت سے پاک ہوں اور خواتین حیض و نفاس سے پاک ہوں۔

---

[۱] امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تو یہ ضروری ہے کہ جماعت والی مسجد میں اعتکاف کیا جائے لیکن امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہر مسجد میں اعتکاف دُرست ہے اور اس زمانہ میں اسی پر فتویٰ ہے۔ (ردّ المختار)

(۴) روزہ

اعتکاف میں روزے سے رہنا بھی شرط ہے، البتہ یہ صرف اعتکافِ واجب کے لئے شرط ہے، اعتکافِ مستحب میں روزہ شرط نہیں اور اعتکافِ مسنون میں روزہ اس لئے شرط نہیں ہے کہ وہ تو رمضان میں ہوتا ہی ہے۔

اعتکاف کے احکام

(۱) اعتکافِ واجب کم سے کم ایک دن بھر کا ہوسکتا ہے، اس سے کم کا نہیں ہوسکتا اس لئے کہ اعتکافِ واجب میں روزے سے رہنا ضروری ہے۔

(۲) اعتکافِ واجب میں روزے سے ہونا ضروری تو ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ روزہ خاص اعتکاف کی غرض سے ہی رکھا گیا ہو، مثلاً کوئی شخص رمضان میں اعتکاف کی نذر مانے تو یہ اعتکاف صحیح ہوگا اور رمضان کا روزہ اعتکاف کے لئے کافی ہوگا۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ اعتکاف میں جو روزہ رکھا ہے وہ واجب ہو، نفلی روزہ نہ ہو۔

(۳) اعتکافِ واجب میں کم سے کم مدت ایک دن ہے اور زیادہ کی کوئی قید نہیں جتنے دن کی چاہے نیت کرلے۔

(۴) اعتکافِ مستحب کے لئے کوئی مدت مقرر نہیں، چند منٹ کا اعتکاف بھی صحیح ہے۔

(۵) اعتکافِ واجب کے لئے چونکہ روزہ شرط ہے اس لئے اگر کوئی شخص روزہ نہ رکھنے کی نیت کرلے تب بھی اس کے لئے روزہ رکھنا لازم ہے، اور اسی لئے اگر کوئی شخص صرف شب کے اعتکاف کی نیت کرے گا تو وہ لغو سمجھی جائے گی۔

(٦) اگر کوئی شخص شب و روز کے اعتکاف کی نیت کرے یا کئی دن کے اعتکاف کی نیت کرے تو اس میں شب داخل سمجھی جائے گی اور شب میں بھی اعتکاف کرنا ضروری ہوگا۔ ہاں اگر

ایک ہی دن کے اعتکاف کی نذر رہو تو پھر صرف دن بھر کا اعتکاف ہی واجب ہوگا۔ شب کا اعتکاف واجب نہ ہوگا۔

(۷) خواتین کو اپنے گھر ہی میں اعتکاف کرنا چاہئے، خواتین کے لئے کسی مسجد میں اعتکاف کرنا مکروہ تنزیہی ہے، خواتین گھر میں عام طور پر جس جگہ نماز پڑھتی ہوں اُسی مقام پر پردہ وغیرہ ڈال کر اعتکاف کے لئے مخصوص کر لینا چاہئے۔

(۸) رمضان کے اخیر عشرے میں اعتکاف چونکہ سنتِ مؤکدہ کفایہ ہے، اس لئے کوشش کرنی چاہئے کہ بستی میں کچھ لوگ ضرور اس کا اہتمام کریں اگر اِس سنت کے اہتمام سے ایسی غفلت برتی گئی کہ بستی میں کسی نے بھی اعتکاف نہ کیا تو بستی کے سارے ہی لوگ گنہگار ہوں گے۔

(۹) اگر اعتکافِ واجب کسی وجہ سے فاسد ہو جائے تو اس کی قضا واجب ہے، البتہ اعتکاف مسنون اور اعتکافِ مستحب کی قضا واجب نہیں۔

اعتکافِ مسنون کا وقت

اعتکافِ مسنون کا وقت رمضان کی بیس تاریخ کو غروبِ آفتاب سے شروع ہوتا ہے اور عید کا چاند نظر آتے ہی ختم ہو جاتا ہے، چاہے چاند ۲۹ ر رمضان کو نظر آئے یا ۳۰ ر رمضان کو ہر حال میں اعتکافِ مسنون پورا ہو جائے گا۔

اعتکاف کرنے والا ۲۰ ر رمضان کو غروبِ آفتاب سے ذرا پہلے مسجد میں پہنچ جائے اور اگر کوئی خاتون ہو تو اسی وقت گھر میں، اس خاص جگہ پر پہنچ جائے جو اس نے گھر میں نماز پڑھنے کے لئے بنا رکھی ہو اور عید کا چاند نظر آنے تک اپنے معتکف (جائے اعتکاف) سے باہر نہ نکلے، البتہ کسی طبعی ضرورت مثلاً پیشاب پاخانے غسلِ جنابت وغیرہ یا شرعی ضرورت مثلاً نمازِ جمعہ وغیرہ کے لئے معتکف سے باہر جانا جائز ہے، لیکن ضرورت پوری ہونے کے بعد فوراً واپس اپنے معتکف میں پہنچ جانا ضروری ہے۔

اعتکافِ واجب کا وقت

اعتکافِ واجب کے لئے چونکہ روزہ شرط ہے اس لئے اس کا کم سے کم وقت ایک دن ہے، ایک دن سے کم چند گھنٹے کے لئے اعتکاف کی نذر ماننا بے معنیٰ ہے، اس لئے کہ روزے کا وقت طلوعِ آفتاب سے غروبِ آفتاب تک ہے۔

اعتکافِ مستحب کا وقت

نفلی اعتکاف کسی بھی وقت ہوسکتا ہے، نہ اس کے لئے روزہ شرط ہے، اور نہ کوئی خاص مہینہ اور وقت، جب بھی آدمی مسجد میں ہو، اعتکافِ مستحب کی نیت کرسکتا ہے اور مسجد میں چاہے چند لمحے ہی قیام رہے اس کو اعتکاف کا اجر وثواب ملے گا۔

حالتِ اعتکاف میں مستحب امور

(۱) ذکر وفکر کرنا، دینی مسائل اور معلومات پر غور کرنا، تسبیح وتہلیل میں مشغول رہنا۔

(۲) قرآنِ پاک کی تلاوت کرنا، قرآن میں تدبّر کرنا۔

(۳) درود شریف یا دوسرے اذکار کا اہتمام کرنا۔

(۴) دینی علوم پڑھنا پڑھانا۔

(۵) وعظ وتبلیغ اور نصیحت وتلقین میں مصروف ہونا۔

(۶) دینی تصنیف وتالیف کے کام میں مصروف ہونا۔

وہ امور جو اعتکاف میں جائز ہیں

(۱) پیشاب اور قضائے حاجت کے لئے اپنے معتکف سے باہر جانا جائز ہے، مگر یہ لحاظ

رہے کہ یہ ضرورتیں اس جگہ پوری کی جائیں جو معتکف سے قریب ہو، اگر مسجد سے قریب کوئی جگہ نہ ہو یا جگہ تو ہو لیکن بے پردگی یا گندگی کی وجہ سے ضرورت رفع نہ ہو تو پھر اپنے گھر رفعِ حاجت کے لئے جانے کی اجازت ہے۔

(۲) غسلِ جنابت کے لئے بھی معتکف سے باہر جانے کی اجازت ہے۔ ہاں اگر مسجد میں غسل کا انتظام ہو تو پھر مسجد ہی میں غسل کرنا چاہئے۔

(۳) کھانے کے لئے بھی مسجد سے باہر جانا جائز ہے اگر کوئی کھانا لانے والا نہ ہو۔ اور اگر کھانا لانے والا ہو تو پھر مسجد ہی میں کھانا ضروری ہے۔

(۴) جمعہ کی نماز کے لئے بھی معتکف سے باہر جانا جائز ہے اور اگر کسی ایسی مسجد میں اعتکاف کیا ہو جہاں جماعت نہ ہوتی ہو تو پنج وقتہ نماز کے لئے جانا بھی جائز ہے۔

(۵) کہیں آگ لگ جائے یا کوئی شخص کنوئیں میں ڈوب رہا ہو یا کوئی کسی کو قتل کر رہا ہو یا مسجد گر جانے کا خوف ہو تو اِن صورتوں میں معتکف سے باہر آنا نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے، لیکن اعتکاف بہر حال ٹوٹ جائے گا۔

(٦) اگر کوئی شخص کسی طبعی ضرورت مثلاً قضائے حاجت کے لئے معتکف سے نکلا یا شرعی ضرورت مثلاً نمازِ جمعہ کے لئے نکلا اور اِس دوران اُس نے کسی مریض کی عیادت کی یا نمازِ جنازہ میں شریک ہو گیا تو کوئی حرج نہیں۔

(۷) کسی بھی شرعی یا طبعی ضرورت کے لئے مسجد سے باہر نکلنا جائز ہے لیکن ضرورت پوری کر لینے کے بعد فوراً معتکف میں واپس آجائے۔

(۸) جمعہ کی نماز کے لئے اتنی دیر پہلے جانا کہ اطمینان سے تحیۃ المسجد اور جمعہ کی سنتیں پڑھ لی جائیں اور جمعہ کی نماز کے بعد اتنی دیر ٹھہرنا کہ اطمینان سے بعد کی سنتیں ادا کر لی جائیں جائز ہے اور اس وقت کا اندازہ معتکف کی رائے پر ہے۔

(۹) اگر کوئی شخص زبردستی معتکف سے باہر نکال دیا جائے یا کوئی زبردستی معتکف سے باہر

روک لیا جائے تب بھی اعتکاف ختم ہو جائے گا۔

(۱۰) اگر کسی کو کوئی قرض خواہ باہر روک دے یا وہ شخص خود بیمار ہو جائے اور معتکف تک پہنچنے میں تاخیر ہو جائے تب بھی اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔

(۱۱) اگر کوئی خرید وفروخت کرنے والا نہ ہو اور گھر میں کھانے کو نہ ہو تو یہ جائز ہے کہ معتکف بقدرِ ضرورت خرید وفروخت کرلے۔

(۱۲) اذان دینے کے لئے مسجد سے باہر نکلنا بھی جائز ہے۔

(۱۳) اگر کسی معتکف نے اعتکاف کی نیت کرتے وقت یہ نیت کرلی تھی کہ نمازِ جنازہ کے لئے جاؤں گا تو نمازِ جنازہ کے لئے نکلنا جائز ہے اور نیت نہیں کی تھی تو جائز نہیں۔

(۱۴) حالتِ اعتکاف میں کسی کو کوئی دینی یا طبی مشورہ دینا، نکاح کرنا، سونا اور آرام کرنا جائز ہے۔

وہ امور جو اعتکاف میں ناجائز ہیں

(۱) حالتِ اعتکاف میں جنسی لذت حاصل کرنا، یا عورت سے بوس وکنار کرنا، ناجائز ہے، البتہ بوس وکنار وغیرہ سے اگر انزال نہ ہو تو اعتکاف فاسد نہ ہوگا۔

(۲) حالتِ اعتکاف میں کسی دُنیوی کام میں مشغول ہونا مکروہِ تحریمی ہے۔ البتہ مجبوری کی حالت میں جائز ہے۔

(۳) حالتِ اعتکاف میں بالکل خاموش بیٹھنا مکروہ تحریمی ہے ذکر وفکر یا تلاوت یا دینی کتب کے مطالعے وغیرہ میں مشغول رہنا چاہیئے۔

(۴) مسجد میں خرید وفروخت کرنا، یا لڑنا جھگڑنا، غیبت کرنا یا اور کسی طرح کی بے ہودہ باتوں میں مصروف ہونا سب مکروہ اور ناجائز ہے۔

(۵) کسی طبعی اور شرعی ضرورت کے بغیر مسجد سے باہر جانا یا طبعی اور شرعی ضرورت سے باہر

نکلنا اور پھر باہر ہی ٹھہر جانا جائز نہیں ہے اور اس سے اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے۔

لیلۃ القدر

رمضان کے آخری عشرے میں ایک رات ہے جس کو قرآن نے ''لیلۃ القدر'' اور ''لیلۃ المبارکہ'' کہا ہے اور اِس کو ہزار مہینوں سے زیادہ افضل قرار دیا ہے۔

قرآن کا ارشاد ہے

اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِىۡ لَيۡلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ ط

بے شک ہم نے اس (قرآن) کو ایک مبارک رات میں نازل کیا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

اِنَّـآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِىۡ لَيۡلَةِ الۡقَدۡرِ ۝ وَمَـآ اَدۡرٰكَ مَا لَيۡلَةُ الۡقَدۡرِ ۝ لَيۡلَةُ الۡقَدۡرِ خَيۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَهۡرٍ ۝

بے شک ہم نے اس (قرآن) کو قدر و عظمت والی رات میں نازل کیا ہے، جانتے ہو۔

لیلۃ القدر کیا ہے؟ وہ ایک ایسی رات ہے جو ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔

لیلۃ القدر کے معنیٰ

قدر کے دو معنیٰ ہیں۔

(۱) اندازہ کرنا، وقت معین کرنا اور فیصلہ کرنا، یعنی لیلۃ القدر وہ رات ہے جس میں خدا ہر چیز کا صحیح اندازہ فرماتا ہے اس کا وقت معین کرتا ہے، احکام نازل فرماتا ہے، اور ہر ہر چیز کی تقدیر مقرر فرماتا ہے۔

فِيۡهَا يُفۡرَقُ كُلُّ اَمۡرٍ حَكِيۡمٍ ۝ اَمۡرًا مِّنۡ عِنۡدِنَا ط

اس رات میں تمام معاملات کے نہایت محکم فیصلے صادر کئے جاتے ہیں ہمارے یہاں سے حکم ہو کر۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِکَةُ وَالرُّوْحُ فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ کُلِّ اَمْرٍ

اس میں ملائکہ اور رُوح (یعنی جبریلِ امین) کا نزول ہوتا ہے جو اپنے رب کے حکم سے تمام اُمور انجام دینے کے لئے اُترتے ہیں۔

(۲) قدر کے دوسرے معنیٰ ہیں عظمت اور بزرگی۔ یعنی لیلۃ القدر وہ رات ہے جس کو خدا کے نزدیک بڑی عظمت اور فضیلت حاصل ہے اور اس کی قدر و عظمت کے لئے یہ دلیل کافی ہے کہ خدا نے اس میں قرآن جیسی عظیم نعمت نازل فرمائی۔ اس سے زیادہ عظیم تر نعمت کا نہ انسان تصور کرسکتا ہے نہ آرزو۔ اسی خیر و برکت اور عظمت و فضیلت کی بنا پر قرآن نے اس کو ایک ہزار مہینوں سے زیادہ افضل قرار دیا ہے۔

لیلۃ القدر کی تعین

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے کوئی رات ہے، یعنی اکیسویں، تیئیسویں، پچیسویں، ستائیسویں، اور انتیسویں راتوں میں سے کوئی رات ہے۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

''لیلۃ القدر کو رمضان کی آخری دس راتوں میں سے طاق راتوں میں تلاش کرو،، (صحیح بخاری)

واضح تعین نہ کرنے کی حکمت

یہ بات قابلِ غور ہے کہ اس رات کی واضح تعین کیوں نہیں کی گئی۔ دراصل اس رات کی واضح تعین نہ کرنے میں حکمت یہ ہے کہ رمضان کے اس پورے عشرے میں خاص طور سے ذکر و عبادت کا زیادہ اہتمام کیا جائے اور مسلمان توجہ کے ساتھ ان نیک امور کی طرف متوجہ رہیں۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرے میں عبادت وذکر کا وہ اہتمام فرماتے تھے جو دوسرے ایام میں نہ فرماتے تھے۔'' (صحیح مسلم)

اس شب میں زیادہ سے زیادہ قیام وسجود اور ذکر وتسبیح کی ترغیب دیتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب لیلۃ القدر آتی ہے تو جبریل ملائکہ کے جھرمٹ میں زمین پر اُترتے ہیں اور ہر اس بندے کے لئے دُعائے رحمت ومغفرت کرتے ہیں جو کھڑا یا بیٹھا خدا کی یاد اور عبادت میں مشغول ہوتا ہے۔'' (شعب الایمان بیہقی)

اور ارشاد فرمایا:-

''لوگوں تم پر ایک مہینہ آیا ہے جس میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے جو شخص اس رات سے محروم رہ گیا، وہ سارے کے سارے خیر سے محروم رہ گیا۔ اور اس شب کی خیر وبرکت سے وہی محروم رہتا ہے جو واقعی محروم ہے۔'' (ابن ماجہ)

لیلۃ القدر کی خاص دُعا

''حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا، یا رسول اللہ! اگر کسی طرح مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ کون سی رات لیلۃ القدر ہے، تو بتایئے کہ میں اس رات میں خدا سے کیا دُعا کروں؟ ارشاد فرمایا، یہ دُعا مانگو۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ کَرِیْمٌ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّی (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

اے اللہ! تو بہت ہی معاف فرمانے والا اور بڑے ہی کرم والا ہے، معاف کر دینا تجھے پسند ہے، پس تو میری خطاؤں کو معاف فرما دے۔

صدقۂ فطر کے کچھ احکام

مسلمانوں پر جس سال روزے فرض ہوئے اُسی سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ صدقۂ فطر بھی ادا کریں خدا کی فرض کی ہوئی عبادتوں کو بندہ تمام آداب و شرائط کے ساتھ ادا کرنے کا اہتمام تو کرتا ہے لیکن پھر شعوری یا غیر شعوری طور پر بہت سی کوتاہیاں ہو جاتی ہیں، روزے میں انسان سے جو کوتاہیاں ہو جاتی ہیں اُن کی تلافی کے لئے شریعت نے مسلمانوں پر واجب کیا ہے کہ وہ رمضان کے آخر میں صدقۂ فطر ادا کریں، اس سے ان کی کوتاہیوں اور لغزشوں کی تلافی بھی ہوگی اور نادار مسلمان فراخی اور اطمینان کے ساتھ اپنے کھانے پینے اور پہننے کی چیزیں بھی فراہم کر کے تمام مسلمانوں کے ساتھ عید کی نماز میں شریک ہو سکیں گے۔

ہر خوش حال مسلمان جس کے پاس اپنی ضرورتوں سے زیادہ اتنا مال ہو جس کی قیمت بقدر نصاب ہو جائے خواہ اس مال پر زکوٰۃ واجب ہو یا نہ ہو، اس کو صدقۂ فطر ادا کرنا چاہئے، صدقۂ فطر ادا کرنا واجب ہے۔

صدقۂ فطر عید سے دو ایک روز پہلے ہی ادا کر دیا جائے تو زیادہ بہتر ہے ورنہ نمازِ عید سے پہلے تو ادا کر ہی دینا چاہئے۔ نمازِ عید سے پہلے صدقۂ فطر ادا کرنا مستحب ہے۔

اگر گیہوں دینا ہو تو ایک سیر تین چھٹانک[1] دے اور جَو یا جَو کا آٹا دینا ہو تو دو سیر چھ چھٹانک[2] دے، چھوہارے یا منقیٰ دینا چاہے تو وہ بھی دو سیر چھ چھٹانک دینا ہوں گے۔

صدقۂ فطر انہی لوگوں کو دینا چاہئے جن کو زکوٰۃ دی جاتی ہے[3]۔

---

[1] یعنی ایک کلو ایک سو دس گرام (1-110) بعض حنفی علماء کے نزدیک ایک سیر ۶ چھٹانک ہے اور بعض کے نزدیک پونے دو سیر سے بھی زیادہ۔ اور یہ سب اختلافات اس لئے ہیں کہ صاع سے ناپے جانے والے گیہوں کے اوزان میں کمی بیشی رہی۔

[2] یعنی دو کلو دو سو بیس گرام۔ (2-220)

[3] صدقۂ فطر کا تفصیلی بیان صفحہ ۷۹ پر دیکھئے۔

کتابُ الحج

حج کا بیان

حج اِسلام کا پانچواں اہم رُکن ہے، حج کا ایک ایمان افروز تاریخی پس منظر ہے، جس کو نگاہ میں رکھے بغیر حج کی عظمت وحکمت اور اصل مقصود کو سمجھنا ممکن نہیں، کفر وشرک کے طاقتور ماحول میں گھرے ہوئے ایک بندۂ مومن حضرت ابراہیمؑ نے توحیدِ خالص کا اعلان کیا اور باطل کی چھائی ہوئی ظالم طاقتوں اور گوناگوں رکاوٹوں کے باوجود، ایمان وتقویٰ، خلوص وللہیت، عشق ومحبت، جاں نثاری اور فداکاری، ایثار وقربانی، بے آمیز اطاعت اور کامل سپردگی کے بے مثال جذبات و اعمال سے اسلام کی روشن تاریخ تیار کی اور توحید واخلاص کا ایک ایسا مرکز تعمیر کیا کہ رہتی زندگی تک انسانیت کو اس سے توحید واخلاص کا پیغام ملتا رہے۔

اسی تاریخ کو تازہ کرنے اور انہی جذبات سے لوگوں کے دلوں کو گرمانے کے لئے ہر سال دُور دَراز سے توحید کے پروانے اِس مرکز پر جمع ہو کر وہی کچھ کرتے ہیں جو اُن کے پیشوا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا تھا، دو کپڑوں میں ملبوس کبھی بیت اللہ کا والہانہ طواف کرتے ہیں کبھی صفا اور مَروہ کی پہاڑیوں پر دَوڑتے نظر آتے ہیں کبھی عَرفات میں کھڑے اپنے خدا سے مناجات کرتے ہیں کبھی قربان گاہ میں جانوروں کے گلے پر چھری پھیر کر اپنے خدا سے عہد محبت استوار کرتے اور اپنی فداکاری کا ثبوت دیتے ہیں، اور اُٹھتے بیٹھتے، صبح وشام ایک ہی صدا سے حرم کی پوری فضا گونجتی ہے۔

لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ، لَبَّیْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ، اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ

لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ

''اے اللہ تیرے دربار میں تیرا غلام حاضر ہے، حاضر ہے تیرا غلام، تیرا کوئی شریک نہیں، حاضر ہے تیرا غلام، تعریف وحمد تیرا ہی حق ہے احسان کرنا تیرا ہی کام ہے، تیرے اقتدار میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔''

دراصل انہی کیفیات کو پیدا کرنے اور پورے طور پر خود کو اللہ کے حوالے کرنے ہی کا نام حج ہے۔

حج کے معنیٰ

حج کے لغوی معنیٰ ہیں زیارت کا ارادہ کرنا، اور شریعت کی اصطلاح میں حج سے مُراد وہ جامع عبادت ہے جس میں مسلمان بیت اللہ پہنچ کر کچھ مخصوص عبادات اور اعمال کرتا ہے چونکہ حج میں مسلمان بیت اللہ کی زیارت کا ارادہ کرتا ہے، اس لئے اس کو حج کہتے ہیں۔

حج، ایک جامع عبادت

اسلامی عبادات دو طرح کی ہیں ایک بدنی عبادت جیسے نماز، روزہ، اور ایک مالی عبادت جیسے صدقہ وزکوٰۃ وغیرہ۔ حج کا امتیاز یہ ہے کہ وہ مالی عبادت بھی ہے اور بدنی عبادت بھی، دوسری مستقل عبادات سے، خلوص وتقویٰ، عجز واحتیاج، بندگی اور اطاعت، قربانی اور ایثار، فدائیت اور سپردگی، انابت اور عبدیت کے جو جذبات الگ الگ نشوونما پاتے ہیں، حج کی جامعیت یہ ہے کہ اس میں بیک وقت یہ سارے جذبات اُبھرتے اور یہ کیفیات پیدا ہوتی اور پروان چڑھتی ہیں۔

نماز جو دین کا سرچشمہ ہے اس کی اقامت کے لئے روئے زمین پر جو سب سے پہلی مسجد تعمیر ہوئی، حج میں مومن عین اُسی مسجد میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتا ہے۔ اور عمر بھر دُور دراز سے جس گھر کی طرف رُخ کر کے مومن ہمیشہ نماز پڑھتا رہا ہے۔ حج میں مومن کو یہ سعادت نصیب

ہوتی ہے کہ وہ عین اس گھر کے سامنے کھڑے ہو کر اور اس کو نگاہوں میں رکھ کر نماز ادا کرتا ہے، ظاہر ہے۔ اس ماحول اور ان کیفیات کے ساتھ پڑھی جانے والی نماز میں کس قدر خشوع اور انابت و عبدیت کے جذبات ہوں گے۔

روزہ جو نفس و اخلاق کے تزکیہ کا سب سے مؤثر اور لازمی ذریعہ ہے، اور جس میں مومن مرغوباتِ نفس سے دُور رَہ کر صبر و ثبات کی قوتوں کو پروان چڑھاتا ہے اور خدا کی راہ کا سپاہی اور مجاہد بننے کی مشق بہم پہنچاتا ہے، حج میں احرام باندھنے کے وقت سے لے کر احرام کھولنے کے وقت تک زائرِ حرم اسی مجاہدے میں شب و روز بسر کرتا ہے اور قلب و رُوح سے ماسویٰ اللہ کا ایک ایک نقش کُھرچ کر صرف خدا کی محبت کا نقش بٹھاتا ہے، اور ہمہ دم توحید کی صدا لگا کر صرف توحید کا علمبردار بنتا ہے۔

صدقہ و زکوٰۃ میں اپنا دل پسند مال دے کر بندۂ مومن اپنے دل سے زَر پرستی اور حرص و ہوس کے رکیک جذبات دھوتا اور خدا کی محبت کے بیج بوتا ہے، حج میں بھی آدمی عمر بھر کا جمع کیا ہوا مال، محض خدا کی محبت میں دل کھول کر خرچ کرتا ہے، اور اُس کی راہ میں قربانی کر کے اس سے عہدِ وفا اُستوار کرتا ہے، غرض یہ کہ حج کے ذریعے خدا سے والہانہ تعلق، نفس و اخلاق کا تزکیہ اور رُوحانی ارتقا کے سارے مقاصد بیک وقت حاصل ہوتے ہیں، بشرطیکہ حج واقعی حج ہو۔ محض ارکانِ حج ادا کرنے کا عمل نہ ہو۔

حج کی حقیقت

حج کی حقیقت دراصل یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو کامل طور پر اپنے رب کے حوالے کر دے اور مسلم حنیف بن جائے حج کی سعادت درحقیقت خدا کی طرف سے اس بات کی توفیق ہے، کہ اصلاحِ حال کی تمام مستند کوششوں کے باوجود بندے کی زندگی میں جو بھی کھوٹ اور نقص رہ جائے وہ ارکانِ حج اور مقاماتِ حج کی برکت سے دُور ہو جائے اور وہ حج سے ایسا پاک صاف ہو کر لوٹے

کہ گویا اُس نے آج ہی جنم لیا ہے، ساتھ ہی حج حقیقتِ حال کی ایک کسوٹی بھی ہے، کہ کس نے خدا کی اس توفیق سے واقعی فائدہ اُٹھایا ہے اور کون موقع پانے کے باوجود محروم رہ گیا ہے، حج کے بعد کی زندگی اور سرگرمیاں واضح کردیتی ہیں کہ کس کا حج واقعی حج ہے اور کون حج کے سارے ارکان ادا کرتے اور بیت اللہ کی زیارت کرنے کے باوجود محروم رہ گیا ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ حج کی توفیق پانے کے باوجود جو شخص اصلاحِ حال سے محروم رہ جائے ،اس کے بارے میں بہت ہی کم توقع رہ جاتی ہے کہ کسی اور تدبیر سے اس کی اصلاحِ حال ہو سکے گی۔ اس لئے حج کا فریضہ ادا کرنے والے کے لئے انتہائی ضروری ہے کہ وہ اپنے جذبات واحساسات اور ارادوں کا اچھی طرح جائزہ لے اور حج کے ایک ایک رُکن اور عمل کو پورے اخلاص اور شعور کے ساتھ ادا کر کے حج سے وہ کچھ حاصل کرنے کی کوشش کرے جس کے لئے حج فرض کیا گیا ہے۔

حج حضرت جنید بغدادیؒ کی نظر میں

حضرت جنید بغدادیؒ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا جو بیت اللہ سے واپس آیا تھا لیکن اس کی زندگی پر حج کی چھاپ نہ پڑ سکی تھی، آپؒ نے اس سے دریافت فرمایا،تم کہاں سے آرہے ہو؟

حضرت حجِ بیت اللہ سے واپس آرہا ہوں۔ مسافر نے جواب دیا۔

کیا تم حج کر چکے ہو؟ حضرت نے حیرت سے دریافت کیا۔

جی ہاں، میں حج کر چکا ہوں۔ مسافر نے جواب دیا۔

حضرت نے پوچھا جب تم حج کے ارادے سے گھر بار چھوڑ کر نکلے تھے۔ اُس وقت تم نے گناہوں سے بھی کنارہ کر لیا تھا یا نہیں؟

حضرت میں نے تو اس طرح نہیں سوچا تھا، مسافر نے جواب دیا۔

تو پھر تم حج کے لئے نکلے ہی نہیں، پھر دریافت فرمایا۔ اس مبارک سفر میں تم نے جو منزلیں طے کیں اور جہاں جہاں راتوں کو قیام کیا تو کیا تم نے اس دوران قربِ الٰہی کی منزلیں بھی طے

کیں اوراس راہ کے مقامات بھی طے کیے؟

حضرت اس کا تو مجھے دھیان بھی نہ تھا، مسافر نے سادگی سے جواب دیا۔

تو پھر تم نے نہ بیت اللہ کی طرف سفر کیا، اور نہ اس کی طرف کوئی منزل طے کی، پھر دریافت فرمایا، جب تم نے احرام باندھا، اور اپنے روزمرہ کے کپڑے اُتارے، تو کیا تم نے اس کے ساتھ ہی اپنی بری عادتوں اور خصلتوں کے جامے کو بھی اپنی زندگی سے اُتار پھینکا تھا؟

حضرت اس طرح تو میں نے غور نہیں کیا تھا، مسافر نے جواب دیا۔

پھر تم نے احرام بھی کہاں باندھا! حضرت نے پُرسوز لہجے میں فرمایا۔ پھر پوچھا جب تم میدانِ عرفات میں کھڑے ہوئے، تو تمہیں مشاہدے کا کشف بھی حاصل ہوا یا نہیں؟

حضرت میں سمجھا نہیں کیا مطلب؟ مسافر نے کہا۔

مطلب یہ ہے کہ تم نے میدانِ عرفات میں خدا سے مناجات کرتے وقت اپنے اندر یہ کیفیت بھی محسوس کی کہ گویا تمہارا رب تمہارے سامنے ہے اور تم اسے دیکھ رہے ہو؟

حضرت یہ کیفیت تو نہیں تھی، مسافر نے وضاحت کی۔

تو پھر گویا تم عرفات میں پہنچے ہی نہیں، حضرت نے پر جوش لہجے میں کہا، اور پھر یہ دریافت فرمایا، اچھا یہ بتاؤ جب تم مزدلفہ میں پہنچے تو وہاں تم نے اپنی نفسانی خواہشات کو بھی چھوڑا یا نہیں؟

حضرت میں نے تو اس پر کوئی توجہ نہیں کی، مسافر نے جواب دیا۔

تو پھر تم مزدلفے بھی نہیں گئے۔ حضرت نے فرمایا، اس کے بعد پوچھا اچھا یہ بتاؤ جب تم نے بیت اللہ کا طواف کیا تو اس دوران میں تم نے جمالِ الٰہی کے جلوے اور کرشمے بھی دیکھے۔

حضرت اس سے تو میں محروم رہا، مسافر نے کہا۔

تو پھر تم نے طواف کیا ہی نہیں، اور پھر دریافت فرمایا، جب تم نے صَفا اور مَروہ کے درمیان سعی کی تو کیا اس وقت تم نے صفا اور مروہ اور ان کے درمیان سعی کی حکمت وحقیقت اور اس کے مقصود کو بھی پایا۔

حضرت اس کا تو مجھے شعور نہیں، مسافر نے کہا

تو پھر تم نے ابھی سعی بھی نہیں کی ہے، پھر دریافت فرمایا جب تم نے قربان گاہ میں پہنچ کر قربانی کے جانور کو قربان کیا، اس وقت تم نے اپنے نفس اور اس کی خواہشات کو بھی راہِ خدا میں قربان کیا یا نہیں؟

حضرت اس طرف تو میرا دھیان نہیں گیا، مسافر نے کہا

تو پھر تم نے قربانی بھی کہاں کی! اس کے بعد حضرت جنید بغدادیؒ نے پوچھا، اچھا یہ کہو جب تم نے جمرات پر سنگریزے پھینکے تو اس وقت تم نے اپنے برے ہم نشیں اور برے ساتھیوں اور بری خواہشات کو بھی اپنے سے دُور پھینکا یا نہیں،

حضرت ایسا تو نہیں کیا، مسافر نے سادگی سے جواب دیا۔

تو پھر تم نے رَمی بھی نہیں کی۔ حضرت نے افسوس کے ساتھ کہا اور فرمایا جاؤ واپس جاؤ، اور ان کیفیات کے ساتھ ایک بار پھر حج کرو۔ تاکہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے ساتھ نسبت پیدا کرسکو، جن کے ایمان و وفا کا اعتراف کرتے ہوئے قرآن کریم نے شہادت دی ہے۔

وَاِبْرَاهِيْمَ الَّذِىْ وَفّٰى ٥

اور وہ ابراہیم (علیہ السلام) جس نے (اپنے رب سے) وفاداری کا حق ادا کردیا۔

حج کی عظمت و اہمیت

قرآن وسنت میں حج کی حکمت، دین میں حج کا مقام اور اس کی عظمت و اہمیت پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے، قرآنِ پاک کا ارشاد ہے۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا وَّمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ ٥ (آلِ عمران آیت ۹۷)

لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو بیت اللہ تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو، وہ اس کا حج کرے اور جو

اس حکم سے انکار وکفر کی روش اختیار کرے تو وہ جان لے کہ خدا جہان والوں سے بے نیاز ہے۔

اس آیت میں دو حقیقتوں کی طرف اشارہ ہے۔

(۱) حج بندوں پر خدا کا حق ہے، جو لوگ بھی بیت اللہ تک جانے کی استطاعت رکھتے ہوں اُن پر فرض ہے کہ وہ خدا کا حق ادا کریں جو لوگ استطاعت کے باوجود حج نہیں کرتے وہ ظالم خدا کا حق مارتے ہیں۔ آیت کے اسی فقرے سے حج کی فرضیت ثابت ہوتی ہے، چنانچہ حضرت علیؓ کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حج کی فرضیت کا اعلان اسی وقت ہوا تھا جب یہ آیت نازل ہوئی[1] اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے اسی مفہوم کی ایک روایت ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

يَاأَيُّهَا النَّاسُ قَدْفُرِضَ عَلَيْكُمُ الْحَجُّ فَحُجُّوا

''اے لوگو! تم پر حج فرض کیا گیا ہے، پس حج ادا کرو۔''

(۲) دوسری اہم حقیقت جس کی طرف یہ آیت متوجہ کرتی ہے، وہ یہ ہے کہ استطاعت کے باوجود حج نہ کرنا کافرانہ روش ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا وَمَنْ كَفَرَ، جس طرح قرآن میں ترکِ صلوٰۃ کو ایک مقام پر مشرکانہ عمل قرار دیا گیا ہے[2] اسی طرح اس فقرے میں ترکِ حج کو کافرانہ رویہ قرار دیا گیا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَلَكَ زَادًاوَّرَاحِلَةً تُبَلِّغُهُ اِلٰى بَيْتِ اللّٰهِ وَلَمْ يَحُجَّ فَلَا عَلَيْهِ اَنْ يَّمُوْتَ يَهُوْدِيًّا اَوْنَصْرَانِيًّاوَذَالِكَ اَنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى يَقُوْلُ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًاo (جامع ترمذی)

''جس شخص کے پاس حج کا ضروری سامان موجود ہو اور سواری مہیا ہو جو اس کو خانۂ خدا تک پہنچا

---

[1] جامع ترمذی کتاب الحج۔ [2] وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَاتَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (الروم آیت ۳۱) نماز قائم کرو اور مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ۔

سکے، اور پھر وہ حج نہ کرے، تو کوئی فرق نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر اور یہ اس لئے

کہ خدا کا ارشاد ہے وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلاًo

راوی کا مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کی استطاعت رکھنے کے باوجود حج نہ کرنے والوں کو یہود و نصاریٰ کی مانند قرار دیا ہے[1] تو یہ ایک حقیقت ہے کہ خود قرآن میں بھی ایسے لوگوں کو یہی وعید سنائی گئی بطور حوالہ راوی نے آیت کا صرف ابتدائی حصہ پڑھا اور نہ جس وعید کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے وہ آیت کے اس فقرے میں ہے، وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ اور جو لوگ استطاعت کے باوجود کفر و انکار کی روش اختیار کریں وہ جان لیں کہ خدا کو سارے جہان کی پروانہیں''، یعنی ترکِ حج کی کافرانہ روش اختیار کرنے والوں سے خدا بے نیاز ہے، اس کو ہرگز ایسے لوگوں کی پروانہیں کہ وہ کس حال میں مرتے ہیں، یہ تنبیہ اور تہدید کا سخت ترین انداز ہے اور واقعہ یہ ہے کہ جس سے خدا تعالیٰ بیزاری اور بے نیازی کا اظہار فرمائے، وہ ایمان و ہدایت سے کیونکر بہرہ مند ہو سکتا ہے!۔

حضرت حسنؓ کا بیان ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے ارشاد فرمایا:۔

''میرا پختہ ارادہ ہے کہ میں ان شہروں میں (جو اسلامی حکومت میں شامل ہو چکے ہیں) کچھ لوگوں کو روانہ کروں جو جائزہ لے کر دیکھیں کہ کون لوگ حج کی استطاعت رکھنے کے باوجود حج نہیں کر رہے ہیں پھر اُن پر جزیہ[2] مقرر کردوں، یہ لوگ مسلم نہیں ہیں، یہ لوگ مسلم نہیں ہیں۔''[3]

مسلم اس شخص کو کہتے ہیں جو کامل طور پر خود کو اللہ کے حوالے کر دے اور حج کی حقیقت بھی یہی ہے کہ آدمی اپنے آپ کو بالکلیہ خدا کے حوالے کردے، پھر اگر یہ لوگ مسلم ہوتے تو حج کی سعادت سے کیوں کر محروم رہتے، اور استطاعت کے باوجود حج سے غفلت کیوں کر برتتے۔

---

[1] حج نہ کرنے والوں کو یہود و نصاریٰ کے مانند قرار دینے اور نماز نہ پڑھنے والوں کو مشرکوں کے عمل سے تشبیہ دینے میں حکمت یہ ہے کہ اہلِ کتاب حج کو بالکل ترک کر چکے تھے اور مشرکین حج تو کرتے تھے لیکن نماز کھو چکے تھے، اس لئے ترکِ صلوۃ کو مشرکانہ عمل قرار دیا گیا اور ترکِ حج کو یہود و نصاریٰ کا عمل بتایا گیا ہے۔

[2] حفاظتی ٹیکس جو غیر مسلم شہریوں سے ان کی جان و مال کی حفاظت کے بدلے وصول کیا جاتا ہے۔ [3] المنتقیٰ

حج کی فضیلت وترغیب

حج کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طرح طرح سے اس کی ترغیب دی ہے اور اس کی غیر معمولی فضیلت کو مختلف انداز سے واضح فرما کر اس کا شوق دلایا ہے۔

(۱) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ حَجَّ فَلَمْ یَرْفُثْ وَلَمْ یَفْسُقْ رَجَعَ کَیَوْمٍ وَلَدَتْہُ اُمُّہٗ (بخاری، مسلم عن ابی ہریرۃؓ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص بیت اللہ کی زیارت کے لئے آیا، پھر اُس نے نہ کوئی فحش شہوانی عمل کیا، اور نہ خدا کی نافرمانی کا کوئی کام کیا، تو وہ (گناہوں سے ایسا پاک صاف ہو کر) واپس لوٹے گا جیسا پاک صاف وہ اُس دن تھا جس دن اس کی ماں نے اسے جنم دیا تھا۔''

اور آپؐ نے ارشاد فرمایا:

(۲) اَلْحَاجُّ وَالْعُمَّارُ وَفْدُاللّٰہِ اِنْ دَعَوْہُ اَجَابَھُمْ وَاِنِ اسْتَغْفَرُوْہُ غَفَرَلَھُمْ (ابن ماجہ)

''حج اور عمرہ کرنے والے خدا کے مہمان ہیں وہ (اپنے میزبان) اللہ سے دُعا کریں تو وہ ان کی دُعائیں قبول فرمائے اور وہ اس سے مغفرت چاہیں تو وہ ان کی مغفرت فرمائے۔''

(۳) تَابِعُوْابَیْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَۃِ فَاِنَّھُمَا یَنْفِیَانِ الْفَقْرَ وَالذُّنُوْبَ کَمَایَنْفِی الْکِیْرُ خَبَثَ الْحَدِیْدِ وَالذَّھَبِ وَالْفِضَّۃِ وَلَیْسَ لِلْحَجَّۃِ الْمَبْرُوْرَۃِ ثَوَابٌ اِلَّا الْجَنَّۃُ (ترمذی، نسائی)

''حج اور عمرہ پے بہ پے کیا کرو، کیونکہ حج اور عمرہ دونوں ہی فقر و احتیاج اور گناہوں کو اس طرح دُور کر دیتے ہیں جس طرح بھٹی لوہے اور سونے چاندی کے میل کچیل کو صاف کر کے دُور کر دیتی ہے ''حج مبرور'' کا اجر و صلہ تو بس جنت ہی ہے۔''

''حج مبرور'' سے مُراد وہ حج ہے جو پورے اخلاص و شوق [illegible] آداب و شرائط کے ساتھ ادا کیا گیا ہو اور جس میں حج کرنے والے نے خدا کی نافرمانی سے بچنے کا پورا پورا اہتمام کیا ہو۔

نیز آپؐ نے ارشاد فرمایا:

(۴) اِذَا لَقِیْتَ الْحَاجَّ فَسَلِّمْ عَلَیْهِ وَصَافِحْهُ وَمُرْهُ اَنْ یَّسْتَغْفِرَلَكَ قَبْلَ اَنْ یَّدْخُلَ بَیْتَهٗ فَاِنَّهٗ مَغْفُوْرٌ لَّهٗ (مسند احمد)

"جب کسی زائرِ حرم سے تمہاری ملاقات ہو تو اس سے پہلے کہ وہ اپنے گھر میں پہنچے تم اس کو سلام کرو، اس سے مصافحہ کرو، اور اس سے درخواست کرو کہ وہ تمہارے لئے خدا سے مغفرت کی دُعا کرے اس لئے کہ اس کے گناہوں کا فیصلہ کیا جا چکا ہے۔"

(۵) حضرت حسینؓ کا بیان ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا "حضور! میرا جسم بھی کمزور ہے اور میرا دل بھی" ارشاد فرمایا، "تم ایسا جہاد کیا کرو جس میں کانٹا بھی نہ لگے"۔ سائل نے کہا "حضور! ایسا جہاد کون سا ہے، جس میں کسی گزند اور تکلیف کا اندیشہ نہ ہو" ارشاد فرمایا، "تم حج کیا کرو۔"[1]

(۶) حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ ایک شخص میدانِ عرفات میں حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بالکل قریب ہی اپنی سواری پر تھا کہ یکایک سواری سے نیچے گرا اور انتقال کر گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اس کو غسل دے کر احرام ہی میں دفن کر دو، یہ قیامت کے روز تلبیہ[2] پڑھتا ہوا اُٹھے گا۔ اس کا سر اور چہرہ کھلا رہنے دو۔"[3]

(۷) حضرت ابوذرؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام نے خدا سے التجا کی کہ پروردگار! جو بندے تیرے گھر کی زیارت کرنے آئیں ان کو کیا اجر و ثواب عطا کیا جائے گا" اللہ تعالیٰ نے فرمایا، "اے داؤد! وہ میرے مہمان ہیں۔ ان کا یہ حق ہے کہ میں دُنیا میں ان کی خطائیں معاف کر دوں اور آخرت میں جب وہ مجھ سے ملاقات کریں تو میں اُن کو بخش دوں۔" (طبرانی)

---

۱ طبرانی۔ ۲ دیکھئے اصطلاحات [illegible] ۳ بخاری، مسلم

وجوبِ حج کی شرطیں

وجوبِ حج کی شرطیں دس ہیں، ان میں سے کوئی ایک شرط بھی نہ پائی جائے تو حج واجب نہ ہوگا۔

(۱) اسلام :- غیر مسلموں پر حج واجب نہیں ہوسکتا۔

(۲) عقل :- مجنون، دیوانے اور مخبوط الحواس شخص پر حج واجب نہیں۔

(۳) بلوغ :- نابالغ بچوں پر حج واجب نہیں، کسی خوش حال آدمی نے بچپن ہی میں بلوغ سے پہلے حج کرلیا تھا تو اس سے فرض ادا نہ ہوگا۔ بالغ ہونے کے بعد پھر فرض ادا کرنا ہوگا بچپن کا حج نفلی ہوگا۔

(۴) استطاعت :- حج کرنے والا خوش حال ہو اور اس کے پاس اپنی ضرورتِ اصلیہ اور قرض سے محفوظ اتنا مال ہو جو راستے کے مصارف کے لئے بھی کافی ہو، اور حج سے واپس آنے تک اس کے ان متعلقین کے لئے بھی کافی ہو جن کا نان نفقہ شریعت کی رُو سے اس پر واجب ہے۔

(۵) آزادی :- غلام اور باندی پر حج واجب نہیں۔

(۶) جسمانی صحت :- یعنی کوئی ایسی بیماری نہ ہو جس میں سفر کرنا ممکن نہ ہو۔ لہٰذا لنگڑے اپاہج، نابینا اور زیادہ بوڑھے شخص پر خود حج کرنا واجب نہیں، البتہ دوسری تمام شرطیں پائی جائیں تو دوسرے سے حج کراسکتا ہے۔[۱]

(۷) کسی ظالم و جابر حکمراں کی جانب سے جان کا خوف بھی نہ ہو اور آدمی کسی کی قید و بند میں بھی نہ ہو۔

(۸) راستے میں امن وامان ہو :- اگر راستے میں جنگ چھڑی ہوئی ہو، جہاز ڈبوئے جارہے ہوں، یا راستے میں ڈاکوؤں کا اندیشہ ہو، یا سمندر میں ایسی کیفیت ہو کہ جہاز اور کشتی کے لئے خطرہ ہو یا اور کسی قسم کے خطرات ہوں تو ان تمام صورتوں میں حج واجب نہیں ہوتا۔ البتہ ایسے

۱۔ یہی صاحبین کا مسلک ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

شخص کو یہ وصیت کر جانا چاہئے کہ میرے بعد جب حالات سازگار ہوں تو میری جانب سے حج کر لیا جائے۔

خواتین کے لئے مزید دو شرطیں

یہ آٹھ شرطیں تو مَرد اور عورت دونوں کے لئے ہیں اِن کے علاوہ دو شرطیں اور ہیں جو صرف خواتین کے لئے ہیں۔ یعنی خواتین پر حج واجب ہونے کے لئے دس شرطیں ہیں۔

(۹) سفرِ حج میں شوہر یا محرم کی معیت :- اس شرط کی تفصیل یہ ہے کہ اگر سفر تین شبانہ روز سے کم کا ہو تب تو خاتون کے لئے تنہا سفر کی اجازت ہے، لیکن سفر تین شبانہ روز سے زیادہ کا ہو تو پھر شوہر یا محرم کے بغیر سفرِ حج جائز نہیں[۱] ہے۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ یہ محرم عاقل، بالغ، دیندار اور قابلِ اعتماد شخص ہو، نادان بچے یا فاسق اور نا قابلِ اعتماد شخص کے ساتھ سفر جائز نہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ خواتین کو وجوبِ حج کی چوتھی شرط میں یہ بھی پیشِ نظر رکھنا چاہئے کہ سفرِ حج میں ساتھ جانے والے محرم کے مصارفِ سفر کی ذمہ داری بھی حج کو جانے والی خاتون پر ہی ہوگی۔[۲]

(۱۰) حالتِ عدّت میں نہ ہونا، خواہ عدت وفات کی ہو یا طلاق کی ہر حال میں دورانِ عدت حج واجب نہ ہوگا۔[۳]

---

۱ جس خاتون کا شوہر نہ ہو اور کوئی ایسا محرم بھی نہ ہو جس کے ساتھ سفرِ حج میں جا سکے تو پھر وہ ان رفقائے سفر کے ساتھ سفر کر سکتی ہے، جن کی اخلاقی حالت قابلِ اطمینان ہو یہ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا مسلک ہے اور قابلِ اطمینان رفقاءِ سفر کی تشریح امام شافعیؒ نے اس طرح فرمائی ہے چند خواتین بھروسے کے قابل ہوں اور وہ اپنے محرموں کے ساتھ جا رہی ہوں تو ایک بے شوہر اور بے محرم خاتون ان کے ساتھ جا سکتی ہے البتہ صرف ایک خاتون کے ساتھ اسے نہ جانا چاہئے۔ امام شافعیؒ کی یہ رائے بڑی معتدل ہے اس میں ایک بے شوہر اور بے محرم خاتون کیلئے فریضۂ حج کے ادا کرنے کی گنجائش بھی ہے اور اس فتنے کا احتمال بھی نہیں ہے جس کی وجہ سے خاتون کے لئے بلا محرم کی ممانعت ہے

۲ وَنَفَقَةُ الْمَحْرَمِ عَلَيْهَا لِاَنَّهَا تَتَوَسَّلُ بِهٖ اِلَى اَدَاءِ الْحَجِّ ہدایہ ج اول

۳ فَلَا تَخْرُجُ الْمَرْءَةُ اِلَى الْحَجِّ فِيْ عِدَّةِ طَلَاقٍ اَوْ مَوْتٍ عالمگیری ج اول صفحہ ۱۴۱

صحت حج کی شرطیں

صحتِ حج کی چار شرطیں ہیں، ان شرائط کے ساتھ حج کیا جائے تو حج صحیح اور معتبر ہوگا ورنہ نہیں۔

(۱) اسلام :- اسلام حج کے وجوب کی بھی شرط ہے اور صحت کی بھی اگر کوئی غیر مسلم حج کے ارکان ادا کرنے اور اس کے بعد اللہ تعالی اس کو اسلام لانے کی توفیق بخش دے تو اس کا وہ حج کافی نہیں ہوگا جو اس نے اسلام لانے سے پہلے کیا تھا، اس لئے کہ حج صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ حج کرنے والا مسلم ہو۔

(۲) عقل وہوش :- ناسمجھ، اور دیوانے شخص کا حج صحیح نہیں۔

(۳) سارے ارکان مقرّرہ ایّام، مقررہ اوقات اور مقررہ مقامات میں ادا کرنا۔

حج کے مہینے یہ ہیں، شوال، ذوالقعدہ، اور ذوالحجہ کا پہلا عشرہ، اسی طرح حج کے سارے ارکان ادا کرنے کے لئے اوقات بھی مقرر ہیں، مقامات بھی مقرر ہیں، اس کے خلاف ارکانِ حج ادا کئے جائیں گے تب بھی حج صحیح نہ ہوگا۔

(۴) مفسداتِ حج سے بچنا اور حج کے سارے ارکان وفرائض ادا کرنا۔ اگر حج کا کوئی رُکن ادا کرنے سے رہ گیا یا چھوڑ دیا تب بھی حج صحیح نہ ہوگا۔

حج کے احکام

(۱) حج فرض ہونے کی ساری شرطیں موجود ہوں تو حج زندگی میں ایک بار فرض ہے، حج فرضِ عین ہے اور اس کی فرضیت قرآن وحدیث سے صاف صاف ثابت ہے، جو شخص حج کی فرضیت کا انکار کرے، وہ کافر ہے اور جو شخص شرائطِ وجوب پائے جانے کے باوجود حج نہ کرے وہ گنہگار اور فاسق ہے۔

(۲) حج فرض ہوجانے کے بعد فوراً اسی سال ادا کرلینا چاہئے۔ فرض ہوجانے کے بعد

بلاوجہ تاخیر کرنا اور ایک سال سے دوسرے سال پر ٹالنا۔ گناہ ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَرَادَالْحَجَّ فَلْیَتَعَجَّلْ فَاِنَّہٗ قَدْ یَمْرُضُ الْمَرِیْضُ وَتَضِلُّ الرَّاحِلَۃُ وَتَعْرِضُ الْحَاجَۃُ (ابن ماجہ)

"جو شخص حج کا ارادہ کرے اسے جلدی کرنا چاہئے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ بیمار پڑ جائے یا اونٹنی گم ہوجائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی اور ضرورت پیش آجائے۔"

اونٹنی گم ہونے سے مراد یہ ہے کہ سفر کے ذرائع باقی نہ رہیں، راستہ پُرامن نہ رہے یا اور کوئی ایسی ضرورت پیش آجائے کہ پھر حج کا امکان نہ رہے اور آدمی فرض کا بوجھ لئے ہوئے خدا کے حضور حاضر ہو، حالات کی سازگاری یا زندگی کا کیا اعتبار آخر کس بھروسے پر آدمی تاخیر کرے اور جلد حج کرنے کے بجائے ٹالتا چلا جائے۔

(۳) فریضۂ حج ادا کرنے کے لئے جن لوگوں سے اجازت لینا شرعاً ضروری ہے، مثلاً کسی کے والدین ضعیف یا بیمار ہوں اور اس کی مدد کے محتاج ہوں، یا کوئی شخص کسی کا مقروض ہو یا ضامن ہو تو ایسی صورت میں ان سے اجازت لئے بغیر حج کرنا مکروہ تحریمی ہے۔[۱]

(۴) حرام سے کمائے ہوئے مال سے حج کرنا حرام ہے۔

(۵) جو شخص احرام باندھے بغیر میقات کے اندر داخل ہوجائے اس پر حج واجب ہے۔

(۶) حج فرض ہونے کے بعد کسی شخص نے تاخیر کی، اور پھر وہ معذور ہوگیا، نابینا، اپاہج یا سخت بیمار ہوگیا اور سفر حج کے قابل نہ رہا تو وہ اپنے مصارف سے دوسرے کو بھیج کر حج کرائے، اس کو حجِ بدل کہتے ہیں۔[۲]

میقات اور اس کے احکام

(۱) میقات سے مُراد وہ خاص اور متعین مقام ہے جس پر احرام باندھے بغیر مکہ مکرمہ جانا

۱۔ علم الفقہ جلد ۵ ۲۔ حج بدل کا بیان صفحہ ۳۲۴ پر دیکھئے۔

جائز نہیں، کسی بھی غرض سے کوئی مکہ مکرمہ جانا چاہتا ہو اس کے لئے لازم ہے کہ وہ میقات پہنچ کر احرام باندھ لے۔ احرام باندھے بغیر میقات سے آگے بڑھنا مکروہ تحریمی ہے[1]

(۲) مختلف ممالک کے رہنے والوں اور ان ممالک کی طرف سے آنے والوں کے لئے پانچ میقات مقرر ہیں۔

(۱) ذوالحلیفہ

یہ مدینے کے رہنے والے لوگوں کے لئے میقات ہے اور ان تمام لوگوں کے لئے بھی جو اس راستے سے مکہ مکرمہ آنا چاہیں یہ مقام مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ آتے ہوئے تقریبا آٹھ، نو کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے اور یہاں سے مکہ کا فاصلہ تقریبا چار سو کلومیٹر ہوگا۔ یہ مقام آج کل بیرِ علی کے نام سے موسوم ہے جو وادیٔ عتیق میں ہے۔ یہ میقات مکہ سے تمام میقاتوں کے مقابلے میں زیادہ فاصلے پر ہے اور مدینے والوں کا یہ حق بھی ہے اس لئے کہ ہمیشہ سے مدینے والوں نے راہِ حق میں زیادہ قربانیاں دی ہیں۔

(۲) ذاتِ عرق

یہ عراق، ایران اور عراق کی سمت سے آنے والوں کے لئے میقات ہے یہ مکہ معظمہ سے شمالِ مشرق کی جانب مکہ سے تقریباً نواسی (۸۹) کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

(۳) جُحفہ

یہ مقام ملکِ شام، مصر اور اس سمت سے آنے والے لوگوں کے لئے میقات ہے، یہ مکہ سے مغرب کی جانب تقریباً ایک سو ستاسی (۱۸۷) کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ یہ مقام چونکہ اب ویران ہے اس

---

[1] علم الفقہ جلد ۵

لئے لوگ اس سے پہلے ہی مقام ''رابغ'' سے احرام باندھ لیتے ہیں۔

(۴) قرن المنازل

مکہ معظّمہ سے مشرق کی جانب جانے والے راستے پر ایک پہاڑی مقام ہے جو مکے سے اندازاً پچاسی۸۵ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے، اور عرفات سے نظر آتا ہے، یہ اہلِ نجد کے لئے میقات ہے اور ان لوگوں کے لئے جو اس راستے سے ہو کر آتے ہوں۔ آج کل یہ مقام ''سیل'' کے نام سے مشہور ہے۔

(۵) یَلَمْلَمُ

مکہ مکرمہ سے جنوبِ مشرق کی جانب یمن سے آنے والے راستے پر ایک پہاڑی مقام ہے جو مکہ معظّمہ سے تقریباً ساٹھ کلومیٹر کی دُوری پر واقع ہے، یہ یمن اور یمن کی سمت سے آنے والے لوگوں کے لئے میقات ہے، اہلِ ہند اور اہلِ پاکستان کو بھی اسی میقات پر احرام باندھنا ہوتا ہے۔
یہ میقات خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمائے ہیں، جیسا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے اور یہ مواقیت ان لوگوں کے لئے ہیں جو مواقیت سے باہر کے رہنے والے ہیں اور جن کو اصطلاح میں آفاقی کہتے ہیں۔ آفاقی جب ان میقات سے گزریں تو خواہ وہ کسی طرح بھی سفر کر رہے ہوں زمین پر یا فضا میں احرام باندھ کر ہی انہیں ان مقامات سے گزرنا چاہئے۔ حضورؐ کا فرمان ہے:

هُنَّ لَهُنَّ وَلِمَنْ اَتٰى عَلَيْهِنَّ مِنْ غَيْرِ اَهْلِهِنَّ مِمَّنْ اَرَادَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ

(بخاری، مسلم)

رہے وہ لوگ جو میقات کے اندر رہتے ہیں اگر وہ حُدودِ حَرم میں رہتے ہیں تو ان کے لئے حرم ہی میقات ہے اور اگر حُدودِ حَرم سے باہر حِل میں رہتے ہیں تو ان کے لئے حِل میقات ہے،

البتہ حرم میں رہنے والے عُمرے کے لئے احرام باندھیں تو ان کے لئے میقات حِل ہے حرم نہیں۔

حج کے فرائض

حج میں چار باتیں فرض ہیں، ان میں سے کوئی بھی چھوٹ جائے تو حج ادا نہ ہوگا۔

(۱) احرام:- یہ حج کے لئے شرط بھی ہے اور حج کا رُکن بھی ہے۔

(۲) وقوفِ عرفات:- خواہ چند ہی لمحے کے لئے ہو۔

(۳) طوافِ زیارت:- اس کے پہلے چار شوط فرض ہیں اور بعد کے تین شوط واجب

(۴) ان تینوں فرائض کو مقرّرہ مقامات، مقرّرہ اوقات میں متعیّن ترتیب کے مطابق ادا کرنا۔

احرام اور اس کے مسائل

(۱) حج کی نیت کر کے حج کا لباس پہننے اور تلبیہ پڑھنے کو احرام کہتے ہیں۔ حج کی نیت کر کے تلبیہ پڑھ لینے کے بعد آدمی محرم ہو جاتا ہے، جس طرح نماز میں تکبیر کہنے کے بعد آدمی نماز میں داخل ہو جاتا ہے اور کھانا، پینا، چلنا، پھرنا وغیرہ اس کے لئے حرام ہو جاتا ہے، اسی طرح احرام باندھ لینے کے بعد حج شروع ہو جاتا ہے اور بہت سی چیزیں جن کا کرنا احرام سے پہلے جائز اور مباح تھا، حالتِ احرام میں ان کا کرنا حرام اور ممنوع ہو جاتا ہے۔ اسی لئے اس کو احرام کہتے ہیں۔

(۲) کسی بھی مقصد سے مکے جانا ہو، سیر و سیاحت کے لئے ہو، یا تجارت کے لئے یا کسی اور مقصد سے ہو، بہر حال یہ ضروری ہے کہ میقات پہنچ کر احرام باندھ لیا جائے، احرام باندھے بغیر میقات سے آگے نکل جانا مکروہ تحریمی ہے۔[۱]

---

[۱] اہل حدیث کے نزدیک احرام صرف حج اور عمرہ کرنے والوں کے لئے ضروری ہے۔ دوسری اغراض سے مکہ جانے والے بغیر احرام بلا تکلف جاسکتے ہیں۔

(۳) —— احرام باندھنے سے پہلے غسل کرنا سنت مؤکدہ ہے، نابالغ بچوں کے لئے بھی غسل کرنا مسنون ہے اور خواتین اگر حالاتِ حیض ونفاس میں ہوں تب بھی غسل کرنا مسنون ہے۔ ہاں اگر غسل کرنے میں دشواری ہو یا کسی تکلیف کا اندیشہ ہو تو پھر وضو ہی کر لینا چاہئے، یہ غسل یا وضو محض صفائی ستھرائی کے لئے ہے، طہارت اور پاکی حاصل کرنے کے لئے نہیں ہے اس لئے پانی نہ ہونے کی صورت میں اس کے بجائے تیمّم کرنے کی ضرورت نہیں۔

(۴) احرام کے لئے غسل کرنے سے پہلے سر وغیرہ کے لئے بال بنوانا، ناخن کتروانا اور سفید چادر اور سفید تہمد استعمال کرنا اور خوشبو لگانا مستحب ہے۔

(۵) میقات پر پہنچنے سے پہلے بھی احرام باندھنا جائز ہے، اور اگر احرام کے آداب کا پاس و لحاظ ہو سکے تو افضل ہے اور میقات پر پہنچنے کے بعد تو احرام باندھ لینا واجب ہے۔

حالتِ احرام میں ممنوع کام

ان میں سے بعض کام تو وہ ہیں جن کا کرنا ہر حالت میں ممنوع اور گناہ ہے، لیکن احرام میں ان کا ارتکاب اور زیادہ بُرا ہے۔

۱- جنسی افعال میں مبتلا ہونا، یا جنسی گفتگو کرنا، اپنی بیوی سے بھی اس طرح کی گفتگو سے لذت اندوز ہونا ممنوع ہے۔

۲- خدا کی نافرمانی اور گناہ میں مبتلا ہونا۔

۳- لڑائی جھگڑا اور گالی گلوج کرنا، سخت کلامی سے بھی پرہیز کرنا چاہئے۔

۴- جنگلی جانوروں کا شکار کرنا، نہ صرف خود شکار کرنا حرام ہے بلکہ شکار کروانے والے کے ساتھ کسی قسم کا تعاون کرنا، یا شکار کرانے میں اس کی رہنمائی کرنا یا شکار کی طرف اشارہ کرنا بھی ممنوع ہے۔

۵- سلے ہوئے کپڑے پہننا مثلاً قمیض، پاجامہ، شیروانی، کوٹ پتلون، ٹوپی، موزہ

بنیان، دستانے وغیرہ پہننا۔ البتہ خواتین کے لئے جائز ہے کہ شلوار، قمیص وغیرہ پہن لیں، موزے بھی پہن سکتی ہیں اور چاہیں تو زیور بھی استعمال کر سکتی ہیں۔

۶- شوخ اور خوشبودار رنگ میں رنگے ہوئے کپڑے پہننا، ہاں خواتین ریشمی کپڑے پہن سکتی ہیں اور رنگین کپڑے بھی البتہ خوشبودار نہ ہونا چاہئے۔

۷- سر اور چہرے کا چھپانا، خواتین ضرورت کے وقت کسی پنکھے اور چادر وغیرہ سے آڑ کرلیں تو جائز ہے۔

۸- سر اور داڑھی وغیرہ کا خطمی یا صابون وغیرہ سے دھونا۔

۹- جسم کے کسی بھی حصے کے بال منڈوانا۔ یا کسی بھی دوا یا بال اُڑانے والے پاؤڈر وغیرہ سے بال صاف کرنا، یا اُکھاڑنا، یا جلانا سب ممنوع ہے۔

۱۰- ناخون کاٹنا، یا پتھر وغیرہ پر گھس کر صاف کرنا۔

۱۱- خوشبو کا استعمال کرنا۔

۱۲- تیل کا استعمال کرنا۔

حالتِ احرام میں جائز کام

اوپر جن ممنوع باتوں کا ذکر کیا گیا ان کے علاوہ ساری باتیں جائز ہیں چند باتیں بطور مثال لکھی جاتی ہیں۔

۱- کسی چیز کے سایہ میں آرام لینا۔

۲- نہانا، اور سر دھونا، مگر صابون وغیرہ سے نہ دھوئے۔

۳- بدن یا سر کھجانا، البتہ احتیاط کی جائے کہ بال نہ ٹوٹیں اور اگر سر میں جوئیں ہوگئی ہوں تو وہ نہ گریں۔

۴- اپنے پاس رقم رکھنا یا کمر میں ہتھیار یا رقم وغیرہ باندھنا۔

۵- خالی اوقات میں تجارت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

قرآن میں ہے:-

لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَبۡتَغُوۡا فَضۡلاً مِّنۡ رَّبِّكُمۡ

''دورانِ حج اگر اپنے پروردگار کا فضل بھی تلاش کرتے جاؤ تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔''

۶- احرام کے کپڑے بدلنا اور ان کو دھونا۔

۷- انگوٹھی اور گھڑی وغیرہ پہننا۔

۸- سرمہ لگانا، مگر سرمہ خوشبودار نہ ہو۔

۹- ختنہ کرانا۔

۱۰- نکاح کرنا۔

۱۱- موذی جانوروں کو مارنا۔ مثلاً چیل، کوا، چوہا (چوا)، سانپ، بچھو، شیر، چیتا، بھیڑیا، کتا وغیرہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

''حرم میں اور احرام کی حالت میں پانچ قسم کے جانوروں کو مارنے میں کوئی مضائقہ نہیں، چوہا، کوا، چیل، بچھو، اور حملہ کرنے والا کتا'' (یعنی درندہ)۔

۱۲- بحری شکار کرنا بھی جائز ہے اور اگر کوئی غیر محرم اپنے لئے خشکی کا شکار مار کر محرم کو تحفے میں دے تو اس کا کھانا بھی جائز ہے۔

احرام کا طریقہ

اچھی طرح بال ناخن وغیرہ بنوا کر اور غسل کر کے، خوشبو لگائے اور احرام کے کپڑے یعنی ایک چادر اور تہمد زیبِ تن کر لے پھر دو رکعت نفل نماز پڑھ کر حج[1] یا عمرے کی نیت کر کے تلبیہ پڑھے۔ حج

[1] اگر مفرد ہو تو خالی حج کی نیت کرے، قارن ہو تو حج اور عمرہ دونوں کی نیت کرے۔ اور متمتع ہو تو پہلے عمرے کی نیت کر کے عمرہ کرے اور عمرے سے فارغ ہو کر حج کی نیت کرے، قارن، متمتع، مفرد کی تشریح کے لئے دیکھئے اصطلاحات صفحہ ۳۵۴-۳۵۵

یا عمرے کی نیت کر کے تلبیہ پڑھتے ہی احرام بندھ جاتا ہے اور وہ شخص محرم ہو جاتا ہے۔ تلبیہ کے بجائے اگر قربانی کا اونٹ مکے کی طرف روانہ کر دے تو وہ "تلبیہ" کے قائم مقام ہو جائیگا۔

تلبیہ اور اس کے مسائل

حج کی نیت کر کے احرام باندھتے ہی زائرِ حرم جو کلمات کہتا ہے اس کو تلبیہ کہتے ہیں حجۃ الوداع کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ کے مقام پر نمازِ ظہر ادا فرمائی اور احرام باندھ کر سواری پر سوار ہوئے اور تلبیہ پکارنا شروع کیا۔ (بخاری)

تلبیہ یہ ہے:۔

لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْک، لَبَّیْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ (بخاری، مسلم)

"میں حاضر ہوں اے اللہ! میں حاضر ہوں (تیری پکار پر) تیرے حضور حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں، یہ حقیقت ہے کہ حمد و شکر کا مستحق تو ہی ہے، احسان و انعام تیرا ہی کام ہے، اقتدار تیرا ہی حق ہے، تیرے اقتدار میں کوئی شریک نہیں۔"

(۱) احرام باندھنے کے بعد ایک بار تلبیہ کہنا فرض ہے، اور ایک بار سے زیادہ کہنا سنت ہے۔

(۲) احرام باندھنے کے بعد سے دسویں تاریخ کو پہلے جمرے کی رمی تک برابر تلبیہ کا وِرد رکھے، ہر نشیب میں اُترتے وقت، ہر بلندی پر چڑھتے وقت ہر قافلہ سے ملتے وقت ہر نماز سے فارغ ہونے کے بعد اور ہر صبح و شام تلبیہ پڑھتا رہے۔

(۳) تلبیہ بلند آواز سے پڑھنا مسنون ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"میرے پاس جبریل آئے اور انہوں نے خدا کی طرف سے مجھے یہ فرمان پہنچایا کہ میں اپنے ساتھیوں کو حکم دوں کہ وہ بلند آواز سے تلبیہ پڑھیں[۱]۔"

---

[۱] موطّا امام مالک، ترمذی، ابوداؤد وغیرہ، مگر خواتین کے لئے مسنون یہ کہ تلبیہ پڑھتے میں (بقیہ اگلے صفحہ پر)

(۴) جب بھی تلبیہ کہے تو تین بار کہے، تین بار تلبیہ کہنا مستحب ہے۔

(۵) تلبیہ کہتے وقت گفتگو کرنا مکروہ ہے، البتہ سلام کا جواب دینے کی اجازت ہے۔

(۶) جو شخص تلبیہ کہہ رہا ہو اس کو سلام نہ کرنا چاہئے۔ تلبیہ کہنے والے کو سلام کرنا مکروہ ہے۔

(۷) تلبیہ کے بعد درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔

تلبیہ کی حکمت اور فضیلت

تعمیر کعبہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو حکم دیا،

''اور لوگوں کو حج کے لئے عام منادی کرا دو کہ وہ تمہارے پاس دُور دَراز سے پیدل اور اونٹوں پر سوار ہو کر آئیں۔'' (سورہ الحج ۲۷)

دراصل تلبیہ خدا کی اس عام منادی اور پکار کا بندوں کی طرف سے جواب ہے کہ پروردگار ہم نے تیری پکار سنی اور تیری طلبی پر تیرے حضور تیرے دربار میں حاضر ہیں، زائرِ حرم رہ رہ کر بار بار یہ صدا لگاتا ہے تو درحقیقت وہ کہتا ہے کہ پروردگار تو نے ہمیں اپنے گھر میں حاضری کا حکم دیا، اور ہم صرف تیری محبت میں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر دیوانہ وار حاضر ہو گئے۔ ہم تیرے اس احسان اور توفیق کا شکر ادا کرتے ہیں تیری توحید کا اقرار کرتے ہیں، یہ صدا مومن کے رگ وپے میں توحید کے عقیدے کو پیوست کرتی ہے اور اسے تیار کرتی ہے کہ اس کے وجود کا مقصد دُنیا میں صرف یہ ہے کہ وہ توحید کا پیغام عام کرے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تلبیہ کی فضیلت بتاتے

(پچھلے صفحہ کا بقیہ) اپنی آواز بلند نہ کریں، ہدایہ میں ہے۔ وَلَا تَرْفَعُ صَوْتَهَا بِالتَّلْبِيَةِ لِمَا فِيهِ مِنَ الْفِتْنَةِ وَلَا تَرْمَلُ وَلَا تَسْعٰى بَيْنَ الْمِيْلَيْنِ لِاَنَّهٗ مُخِلٌّ لِسَتْرِ الْعَوْرَةِ (کتاب الحج) یعنی خاتون تلبیہ کہنے میں آواز بلند نہ کرے اس لئے کہ اس میں فتنے کا اندیشہ ہے، اور نہ رمل کرے، اور نہ سعی اس لئے کہ دوڑنے سے اس کی پردہ پوشی میں خلل پڑے گا۔ خواتین، بس اتنی آواز سے تلبیہ پڑھیں کہ خود سن سکیں، خواتین کے لئے بلند آواز سے تلبیہ پکارنا مکروہ ہے۔

ہوئے ارشاد فرمایا:۔

’’جب بھی کوئی مسلمان بندہ لبیک کی صدا لگاتا ہے تو اس کے ساتھ وہ ساری چیزیں لبیک پکار اٹھتی ہیں جو اس کے دائیں بائیں موجود ہیں، خواہ وہ پتھر، درخت اور مٹی کے ڈھیلے ہی ہوں یہاں تک کہ یہ زمین ادھر سے بھی ختم ہو جاتی ہے اور اُدھر سے بھی یعنی یہ سلسلہ پوری زمین میں پھیل جاتا ہے۔‘‘ (ترمذی)

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

’’جو محرم بھی پورے دن لبیک، لبیک پکارتا رہے یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے تو اس کے سارے گناہ فنا ہو جاتے ہیں اور وہ ایسا پاک صاف ہو جاتا ہے جیسا کہ اس کی ماں نے اسے جنم دیا تھا۔‘‘

تلبیہ کے بعد کی دُعا

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسۡئَلُکَ رِضۡوَانَکَ وَالۡجَنَّۃَ وَاَعُوۡذُ بِرَحۡمَتِکَ مِنَ النَّارِ۔

’’اے اللہ! میں تجھ سے تیری رضا اور جنت کا بھکاری ہوں اور تیرے دامنِ رحمت میں دوزخ کی آگ سے پناہ ڈھونڈتا ہوں۔‘‘

حضرت عمارہ بن خزیمہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب (احرام باندھنے کے لئے) تلبیہ پڑھتے تو تلبیہ پڑھنے کے بعد اللہ سے اس کی رضا اور جنت کا سوال کرتے اور اس کی رحمت کے طفیل جہنم کی آگ سے پناہ مانگتے۔‘‘ (مسند شافعی)

احرام کے بعد زائرِ حرم جو دُعا چاہے مانگے اور خوب مانگے، لیکن پہلے اس مسنون دُعا کا اہتمام ضرور کرے، یہ بڑی جامع دُعا ہے، خدا کی رضا اور جنت کا حصول اور آتشِ جہنم سے نجات یہی مومن کی انتہائی تمنا اور اس کی دوڑ دھوپ کا حاصل ہے۔

وقوف اور اس کے مسائل

(۱) وقوف کے معنٰی ہیں کھڑا ہونا اور ٹھہرنا، حج کے دوران تین مقامات پر وقوف کرنا ہوتا ہے اور تینوں کے احکام مختلف ہیں، نیز وقوف کا عمل کرنے کے لئے اُن مقامات میں پہنچ جانا ضروری ہے۔ وقوف کی نیت کرنا اور کھڑا ہونا ضروری نہیں۔[1]

(۲) سب سے اہم وقوف عرفات ہے، عرفات ایک نہایت وسیع اور کشادہ میدان ہے، حرم کی حدود جہاں ختم ہوتی ہیں وہیں سے عرفات کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے، یہ میدان مکہ مکرمہ سے تقریباً ۱۵ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے، میدانِ عرفات میں وقوف، حج کے ارکان میں سب سے بڑا رُکن ہے، بلکہ ایک موقع پر تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وقوفِ عرفات ہی کو حج فرمایا ہے، آپؐ کا ارشاد ہے:۔

اَلْحَجُّ عَرَفَۃٌ (جامع ترمذی) عرفہ میں وقوف ہی حج ہے۔

عرفے کے دن جب میدانِ عرفات میں لاکھوں انسان ایک ہی لباس پہنے اپنے خدا کے حضور عجز و نیاز کی تصویر بنے کھڑے ہوتے ہیں تو اتنے وقت کے لئے انسان اس دُنیا سے اُٹھ کر گویا میدانِ حشر میں پہنچ جاتا ہے، یہ بڑا ہی ایمان افروز منظر ہوتا ہے، میدانِ عرفات میں وقوف کر کے دراصل میدانِ حشر کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

وقوفِ عرفات کی اہمیت یہ ہے کہ اگر کسی وجہ سے حاجی ۹ر ذوالحجہ کو دن میں یا اس دن کے بعد والی رات میں کسی وقت بھی عرفات میں نہ پہنچ سکا تو اس کا حج نہ ہوگا۔ حج کے دوسرے مناسک طواف، سعی، رمی وغیرہ رہ جائیں تو اس کی تلافی ممکن ہے لیکن وقوفِ عرفہ رہ جائے تو اس کی تلافی کی کوئی صورت نہیں۔

(۳) وقوفِ عرفات کا وقت ۹ر ذوالحجہ کو بعدِ زوال، ظہر وعصر کی نماز پڑھنے کے بعد ہے، لیکن

---

[1] اہلِ حدیث کے نزدیک وقوف کی نیت کرنا شرط ہے۔

یہ چونکہ حج کا رُکنِ اعظم ہے اور اسی پر حج کا دارو مدار ہے اس لئے اس کے وقت میں کشادگی کر کے سہولت دی گئی ہے، کہ اگر کوئی شخص ۹/۱۰/ذوالحجہ کی درمیانی شب میں صبحِ صادق سے پہلے پہلے کسی وقت بھی لمحے بھر کے لئے عرفات پہنچ جائے تو اس کا وقوف معتبر ہوگا اور اس کا حج ادا ہو جائے گا۔[1]

(۴) وقوفِ عرفات جتنا زیادہ طویل ہو اچھا ہے، اس شعور اور تصور کے ساتھ خدا کے حضور کھڑا ہونا کہ گویا میدانِ حشر ہے اور میں سب سے بے تعلق تنہا اپنا معاملہ چُکانے کے لئے اور اس سے رحم و کرم کی بھیک مانگنے کے لئے سراپا احتیاج، اس کے حضور کھڑا ہوں، مومن کی زندگی کا سب سے قیمتی وقت ہے، اور کیا معلوم زندگی میں پھر یہ سعادت نصیب ہوتی ہے یا نہیں، اس لئے ایمان و احتساب کی قوتوں کو زندہ رکھتے ہوئے پورے شعور کے ساتھ ان روز و شب کے ایک ایک لمحے کی اہمیت کو محسوس کرنا چاہیئے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حضرت جابرؓ کا بیان ہے:

''پھر (ظہر اور عصر کی نماز پڑھنے کے بعد) آپؐ (اپنی ناقہ قصواء پر) سوار ہوئے اور میدانِ عرفات میں خاص وقوف کی جگہ پر آئے اور آپ نے اونٹنی قصواء کا رُخ ادھر کر دیا جدھر پتھر کی بڑی بڑی چٹانیں ہیں، اور پیدل مجمع کو اپنے سامنے کر کے آپؐ قبلہ رُو کھڑے ہو گئے اور وہیں کھڑے رہے، یہاں تک کہ آفتاب بالکل غروب ہو گیا، تو آپؐ (مزدلفہ کے لئے) روانہ ہوئے۔'' (مسلم)

(۵) وقوفِ عرفات کی اہمیت اور فضیلت بتاتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

''(سال کے ۳۶۰/دنوں میں) کوئی دن ایسا نہیں ہے جس میں اللہ عرفے کے دن سے زیادہ وسیع پیمانے پر اپنے بندوں کو جہنم کی آگ سے رہائی بخشتا ہو، اس دن اللہ اپنے بندوں کے بہت قریب آجاتا ہے اور فرشتوں کے سامنے اپنے بندوں پر فخر کرتے ہوئے ان سے کہتا ہے، فرشتو!

---

[1] حضرت عبدالرحمٰن بن یعمر وئلی کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ''حج وقوفِ عرفہ ہی ہے۔ جو شخص مُزدلفہ والی رات میں طلوعِ فجر سے پہلے پہنچ گیا اُس نے حج پالیا۔'' (ترمذی، ابوداؤد)

دیکھتے ہو یہ بندے کیا چاہتے ہیں؟“　(مسلم)

حضرت انس ابن مالکؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میدانِ عرفات میں وقوف فرمایا، آفتاب غروب ہونے ہی کو تھا کہ آپؐ نے حضرت بلالؓ کو اشارہ کیا کہ لوگوں کو خاموش کردو، حضرت بلالؓ نے لوگوں سے کہا ”خاموش ہو جاؤ“ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ”لوگو! ابھی ابھی میرے پاس جبریل آئے تھے، انہوں نے مجھے خدا کا سلام اور یہ پیغام پہنچایا کہ ’اللہ نے تمام عرفات والوں کو بخش دیا‘ حضرت عمرؓ نے کہا، یارسول اللہ! یہ پیغام ہم صحابہ کے لئے خاص ہے یا ساری اُمت کے لئے ہے۔“

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”یہ تمہارے لئے ہے اوران سارے لوگوں کے لئے ہے۔ جو تمہارے بعد یہاں آئیں۔“

(الترغیب)

میدانِ عرفات کی دُعائیں

میدانِ عرفات میں دُعاؤں کا خاص طور سے اہتمام کرنا چاہیئے اور وہاں کے وقوف میں مسلسل خدا کی طرف متوجہ رہنا چاہیئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ”سب سے بہتر اور افضل دُعا عرفے کے دن کی دُعا ہے۔“

ذیل میں چند مسنون دُعائیں نقل کی جاتی ہیں۔

(۱) میدانِ عرفات میں آپؐ نے یہ دُعا کثرت سے مانگی ہے۔

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ کَالَّذِیْ تَقُوْلُ وَخَیْراً مِّمَّا نَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ لَکَ صَلوٰتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ وَاِلَیْکَ مَاٰبِیْ وَلَکَ رَبِّ تُرَاثِیْ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَوَسْوَسَۃِ الصَّدْرِ وَشَتَّاتِ الْاَمْرِ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَاتَجِیْءُ بِہِ الرِّیْحُ　(ترمذی)

”اے اللہ تو ایسی ہی حمد و تعریف کا مستحق ہے جیسی تو نے خود اپنی تعریف فرمائی ہے اور اس سے بہتر تعریف کا مستحق ہے جیسی ہم کر سکتے ہیں۔ اے اللہ! تیرے ہی لئے ہے میری نماز، اور میری قربانی، میری موت اور میری زندگی، اور تیری ہی طرف مجھے لوٹ کر آنا ہے، اور تیرے ہی لئے ہے میرا سب کچھ، اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں قبر کے عذاب سے، دلوں میں پیدا ہونے والے وسوسوں سے معاملات کی خرابی اور خلفشار سے اور اے اللہ! میں تیری پناہ میں آتا ہوں ان فتنوں سے جنہیں ہوائیں لے کر آئیں۔“

(۲) الحزب المنقول میں ایک نہایت جامع دُعا منقول ہے اس کا اہتمام بھی باعثِ برکت ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ خَیْرِ مَا سَئَلَكَ بِهٖ نَبِیُّكَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّمَا اسْتَعَاذَ بِهٖ نَبِیُّكَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ط رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابِ o رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا ط رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّكَ رَؤُفٌ رَّحِیْمٌ o رَبَّنَا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ وَتُبْ عَلَیْنَآ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ o وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ o

”اے اللہ! میں تجھ سے اس بھلائی کا طالب ہوں جو تجھ سے تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگی ہے اور ان ساری چیزوں کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں جن کے شر سے تیرے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تیری پناہ ڈھونڈی ہے، پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر بڑا ہی ظلم کیا ہے، اور اگر تو ہماری مغفرت نہ فرمائے اور ہم پر رحم نہ کھائے تو ہم ان میں سے ہیں جو سراسر گھاٹے میں ہیں،

اے میرے رب! مجھے نماز قائم کرنے والا بنا اور میری اولاد کو بھی اس کی توفیق دے پروردگار! ہماری دُعا کو شرفِ قبول عطا فرما! پروردگار! میری مغفرت فرمادے میرے والدین کی مغفرت فرمادے اور اس روز سارے ہی مسلمانوں کو بخش دے جس روز حساب کتاب ہوگا۔

اے میرے رب! میرے ماں باپ دونوں پر رحم فرما، جس طرح دونوں نے میرے بچپن میں (رحم وشفقت کے ساتھ) میری پرورش کی ہے، پروردگار! ہماری مغفرت فرما، اور ہمارے ان بھائیوں کی مغفرت فرما جو ایمان لانے میں ہم سے سبقت لے گئے ہیں اور ہمارے دلوں میں ان کے خلاف کوئی کینہ کپٹ نہ ہونے دے، جو ایمان لائے، ہمارے پروردگار! بلاشبہ تو بہت ہی مہربان اور بڑا رحم کرنے والا ہے، پروردگار! تو سب کچھ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے، تو ہماری توبہ قبول فرما، بے شک تو بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا اور بہت زیادہ رحم کھانے والا ہے، معصیت سے بچنے کی کوئی طاقت اور فرمانبرداری کی استطاعت کہیں سے حاصل نہیں ہوسکتی سوائے اللہ کے جو بہت ہی بلند اور بڑی ہی عظمت والا ہے۔"

(۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ میدانِ عرفات میں یہ دُعا کثرت سے کرتے رہو۔

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰ خِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِo

(البقرہ آیت ۲۰۱)

"اے ہمارے پروردگار! ہمیں دُنیا میں بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھلائی دے اور ہمیں جہنم کی آگ سے بچا۔"

ان مسنون دُعاؤں کے علاوہ اور کچھ مسنون دُعائیں بھی ہیں جو پڑھی جاسکتی ہیں اور ان کے علاوہ بھی آدمی دُنیا اور آخرت کی بھلائی کی جو دُعائیں مانگنا چاہے مانگے اور خوب مانگے، اس لئے کہ اس وقت خدا بندے پر بہت ہی مہربان ہوتا ہے اور اپنے مہمان کو محروم نہیں کرتا۔

(۷) مزدلفے میں وقوف واجب ہے اور مزدلفے کی حدود میں پا پیادہ داخل ہونا مسنون ہے، مزدلفے میں وقوف کا وقت طلوعِ فجر سے شروع ہوکر طلوعِ آفتاب تک رہتا ہے اگر طلوعِ فجر

سے پہلے وقوف کیا، یا طلوعِ آفتاب کے بعد کیا تو یہ وقوف معتبر نہ ہوگا۔

(۸) مزدلفے میں وقفے، وقفے سے تلبیہ، تہلیل اور تحمید کہنا مستحب ہے، اور مزدلفے میں ایک شب گزارنا مسنون ہے، حدیث میں ہے کہ سورج غروب ہونے کے بعد آپ مزدلفہ کے لئے روانہ ہوئے اور وہاں آپؐ نے مغرب اور عشاء کی نماز ایک ساتھ ادا کی پھر وہاں لیٹ گئے اور طلوعِ فجر تک آرام فرماتے رہے۔

(۹) ذوالحجہ کی آٹھ تاریخ کو کسی وقت منٰی میں پہنچنا مسنون ہے اور مستحب یہ ہے کہ طلوعِ آفتاب کے بعد وہاں پہنچ کر وہیں ظہر کی نماز پڑھی جائے اور وہیں شب میں آرام کیا جائے۔

طواف اور اس کے مسائل

طواف کے لغوی معنٰی ہیں کسی چیز کے اردگرد چکر لگانا اور گھومنا۔ اور اصطلاح میں طواف سے مُراد ہے بیت اللہ کے گرد والہانہ گھومنا اور چکر لگانا۔

بیت اللہ کی عظمت اور مرتبہ

بیت اللہ اینٹ پتھر کی محض ایک عمارت نہیں ہے بلکہ وہ روئے زمین پر خدا کی عظمت کا مخصوص نشان اور اس کے دین کا محسوس مرکز ہے جو خود اللہ نے اپنی نگرانی اور ہدایت کے تحت ایک ایسے اولوالعزم پیغمبر سے تعمیر کرایا ہے[1] جن کی امامت پر یہود، نصارٰی اور مسلمان سب ہی متفق ہیں اور قرآنِ پاک کی شہادت ہے کہ سطحِ زمین پر خدا کی عبادت کے لئے سب سے پہلا گھر جو تعمیر کیا گیا وہ یہی بیت اللہ ہے۔

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ (آل عمران:۹۶)

بلاشبہ سب سے پہلا عبادت کا گھر جو انسانوں کے لئے تعمیر کیا گیا وہ وہی ہے جو مکے میں ہے۔

---

[1] الحج آیت ۲۶ وَاِذْبَوَّانَا لِاِ بْرَاھِیْمَ مَکَانَ الْبَیْتِ الخ۔

دراصل بیت اللہ دین کا منبع اور مرکز ہے، قرآن کی وضاحت کے مطابق یہ توحید کا سرچشمہ اور نماز کی اصل جگہ ہے، اور یہی توحید ونماز پورے دین کا مغز اور خلاصہ ہیں، عقیدے کے پہلو سے توحید دین کی اصل بنیاد ہے، اور عمل کے پہلو سے نماز دین کی اساس ہے، اور بیت اللہ کی تعمیر انہی دو بنیادی مقاصد کے لئے ہے، اسی لئے خدا نے اس کو خیر و برکت کا سرچشمہ اور ہدایت کا منبع قرار دیا ہے۔

مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ٥ (آل عمران:۹۶)

اس کو خیر و برکت دی گئی اور تمام جہان والوں کے لئے اس کو منبعِ ہدایت بنایا گیا ہے۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اس گھر کو دو مقامات[1] پر ''بَیْتِیَ'' (میرا گھر) کہا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنی ذریّت کو مکے کی چٹیل وادی میں بساتے ہوئے کہا ہے خدایا! میں ان کو ''تیرے[2] قابلِ احترام گھر'' کے پڑوس میں بسا رہا ہوں، اور بیت اللہ کی عظمت اِس سے زیادہ اور کیا ہوگی کہ اللہ نے اس گھر کے حج کو مسلمانوں پر اپنا ایک حق بتایا ہے، اور حج یہی تو ہے کہ مومن احرام باندھ کر یعنی خود کو بیت اللہ میں حاضری کے لائق بنا کر والہانہ انداز میں اس کے گرد طواف کرے، اس میں لگے ہوئے پتھر کو بوسہ دے، ملتزم سے چمٹے، مسجد حرام میں نماز پڑھے اور عرفات میں وقوف کرے۔

---

[1] سورۃ البقرہ آیت ۱۲۵ میں ہے۔ وَعَھِدْنَآ اِلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَھِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَالْعٰکِفِیْنَ وَالرُّکَّعِ السُّجُوْدِ ٥ ''اور ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل (علیہما السلام) کو وصیت کی تھی کہ میرے اس گھر کو طواف اور رُکوع اور سجود کرنے والوں کے لئے پاک رکھو۔'' اور سورۃ الحج آیت ۲۶ میں ہے ''وَاِذْ بَوَّأْنَا لِاِبْرٰھِیْمَ مَکَانَ الْبَیْتِ اَلَّا تُشْرِكْ بِیْ شَیْئًا وَّ طَھِّرْ بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَالْقَآئِمِیْنَ وَ الرُّکَّعِ السُّجُوْدِ ٥ ''اور یاد کرو وہ وقت جبکہ ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کے لئے اس گھر کی تجویز کی تھی (اس ہدایت کے ساتھ کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔ اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام و رُکوع وسجود کرنے والوں کے لئے پاک رکھو۔''

[2] سورۃ ابراہیمؑ آیت ۳۷ میں ہے، رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ، پروردگار! ''میں نے اس بے آب و گیاہ وادی میں کچھ ذرّیّت کو لا بسایا ہے تیرے محترم گھر کے پاس۔''

طواف کی فضیلت

بیت اللہ کی تعمیر کا مقصد یہ ہے کہ اس کا طواف کیا جائے، خدا نے ابراہیم (علیہ السلام) کو اسی کی تاکید فرمائی اور یہ تاکید قرآن میں دو جگہ فرمائی:۔

وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ (البقرہ آیت: ۱۲۵، الحج: ۲۶)

''اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لئے پاک رکھو۔''

نیز مسلمانوں کو حکم دیا کہ

وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ

اور اس قدیم گھر کا طواف کرنا چاہئے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کی فضیلت بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:۔

''بیت اللہ کا طواف نماز کی طرح ایک عبادت ہے، فرق یہ ہے کہ طواف میں تم گفتگو کر سکتے ہو (اور نماز میں اس کی اجازت نہیں ہے) تو جو شخص طواف کے دوران کوئی بات کرے تو اس کو چاہئے کہ منھ سے اچھی ہی بات نکالے۔'' (ترمذی، نسائی)

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا'' (حجرِ اَسود اور رُکن یمانی) ان دونوں پر ہاتھ پھیرنا گناہوں کا کفارہ ہے۔'' اور میں نے آپؐ کو یہ بھی فرماتے سنا ''جس نے خدا کے اس گھر کا سات مرتبہ طواف کیا اور شعور و توجہ کے ساتھ کیا، تو اس کا صِلہ ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ہے۔''

اور یہ بھی فرماتے سنا کہ ''طواف میں بندہ جو بھی قدم رکھے گا اور جو بھی قدم اُٹھائے گا تو خدا اس کے ہر قدم کے بدلے ایک گناہ معاف کرے گا اور ایک بھلائی اس کے لئے لکھے گا۔'' (ترمذی)

استلام

استلام کے لغوی معنٰی ہیں چھونا اور بوسہ دینا اور اصطلاح میں استلام سے مُراد ہے حجرِ اسود

کو بوسہ دینا اور رُکنِ یمانی کو چھونا، طواف کا ہر شوط شروع کرتے وقت حجرِ اسود کا استلام کرنا، اور اسی طرح طواف کے ختم پر حجرِ اسود کا استلام کرنا سنت ہے، اور رُکنِ یمانی کا استلام کرنا مستحب ہے۔

حجرِ اسود کا استلام کرتے وقت لحاظ رہے کہ منہ سے بوسے کی آواز نہ نکلے صرف حجرِ اسود پر منہ رکھنا مسنون ہے، اور یہ بھی خیال رہے کہ اگر غیر معمولی اِزدحام ہو اور حجرِ اسود کا بوسہ لینے میں لوگوں کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو تو پھر کسی چھڑی کو حجرِ اسود سے مَس کر کے اس کا بوسہ لیا جائے، اور یہ بھی دُشوار ہو تو پھر دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں حجرِ اسود کی طرف کر کے ہاتھ کانوں تک اٹھا لے اور پھر دونوں ہاتھوں کو بوسہ دے لے۔

حجرِ اسود اور رُکنِ یمانی کے استلام کی فضیلت کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

''اللہ کی قسم! قیامت کے روز اللہ اس کو زندگی بخش کر اُٹھائے گا، اس کی دو آنکھیں ہوں گی، جن سے یہ دیکھے گا۔ اور زبان ہوگی، جس سے یہ بولے گا اور جن بندوں نے اس کا استلام کیا ہوگا ان کے حق میں سچی سچی گواہی دے گا۔'' (ترمذی، ابن ماجہ)

رُکنِ یمانی کی دُعا

اور رُکنِ یمانی کے استلام کی فضیلت بتاتے ہوئے آپؐ نے فرمایا:-

''رُکنِ یمانی پر ستّر فرشتے مقرّر ہیں جو ہر اُس بندے کی دُعا پر آمین کہتے ہیں جو اُس کے پاس یہ دُعا کرتا ہے۔''

اَللّٰھُمَّ اِنِّیٓ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَةَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (ابن ماجہ)

''اے اللہ! میں تجھ سے دُنیا اور آخرت میں درگزر اور عافیت کا طالب ہوں، پروردگار! ہم کو دُنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی اور ہم کو جہنم کے عذاب سے بچا۔''

طواف کی قسمیں اور ان کے احکام

طوافِ بیت اللہ کی چھ قسمیں ہیں اور ہر ایک کا حکم الگ الگ ہے۔

(۱) طوافِ زیارت

اس کو طوافِ افاضہ اور طوافِ حج بھی کہتے ہیں، طوافِ زیارت حج کے ارکان میں سے ایک رُکن ہے، قرآن کا حکم ہے:-

وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ — اور اس قدیم گھر کا طواف کرنا چاہئے۔

ائمہ کا اتفاق ہے کہ اس سے طوافِ زیارت مُراد ہے جو وقوفِ عرفات کے بعد دس تاریخ کو کیا جاتا ہے اور اگر کسی وجہ سے ۱۰/ذوالحجہ کو نہ ہو سکے تو ۱۱/۱۲/ذوالحجہ کو بھی کیا جا سکتا ہے۔

(۲) طوافِ قدوم

اس کو طوافِ تحیۃ بھی کہتے ہیں۔ مکے میں داخلے کے بعد سب سے پہلے جو طواف کیا جاتا ہے اس کو طوافِ قدوم کہتے ہیں، یہ صرف ان لوگوں پر واجب ہے جو میقات سے باہر کے باشندے ہوں[1] اور جن کو اصطلاح میں آفاقی کہتے ہیں، اس کو طواف اللقا اور طواف التحیۃ بھی کہتے ہیں۔

(۳) طوافِ وداع

بیت اللہ سے رُخصت ہوتے وقت جو آخری طواف کرتے ہیں اس کو طوافِ وداع یا طوافِ

---

[1] علم الفقہ پنجم اور قدوری میں اس کو مسنون کہا گیا ہے، امام مالک کے نزدیک البتہ طواف قدوم واجب ہے ان کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ جو شخص بیت اللہ کی زیارت کو آئے اس کو چاہئے کہ وہ طوافِ تحیۃ کرے۔ (عین الہدایہ جلد اول ص ۹۹۷)

صدر کہتے ہیں، یہ طواف بھی آفاقی پر واجب ہے، اس طواف کے بعد ملتزم سے چمٹ کر سینا اور داہنا رُخسار اس سے لگا کر اور داہنے ہاتھ سے بیت اللہ کا پردہ پکڑ کر انتہائی گریہ وزاری اور خشوع کے ساتھ دُعا مانگنا چاہئے۔ یہ بیت اللہ سے رُخصت کا وقت ہے معلوم نہیں پھر کب یہ سعادت نصیب ہو، طوافِ وداع کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی ہے۔

''کوئی شخص 'طوافِ رُخصت' کئے بغیر بیت اللہ سے واپس نہ ہو، مگر اس خاتون کے لئے جو حالتِ حیض میں ہو۔'' (بخاری)

(۴) طوافِ عمرہ

وہ طواف جو عُمرہ میں کیا جاتا ہے، یہ عُمرے کا رُکن ہے، اس کے بغیر عُمرہ ادا نہ ہوگا۔

(۵) طوافِ نذر

یعنی کسی نے طواف کی نذر مانی ہو، نذر کا طواف واجب ہے۔

(٦) طوافِ نفلی

یہ کسی وقت بھی کیا جاسکتا ہے اور مکے میں جب تک رہنے کا موقع ملے اس سے بڑی سعادت اور کیا ہوگی کہ آدمی زیادہ سے زیادہ طواف کرے۔

طواف کے واجبات

طواف میں (۹) چیزوں کا اہتمام واجب ہے

(۱) نجاست حکمیہ[1]:۔ یعنی حدثِ اصغر اور حدثِ اکبر سے پاک ہونا، خواتین کے لئے حیض

---

[1] تشریح کے لئے دیکھئے آسان فقہ ج اول ''اصطلاحات''

ونفاس کی حالت میں طواف کرنا جائز نہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حج کے سفر میں یہ ایام شروع ہو گئے تو وہ رونے لگیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''رونے کی کیا بات ہے یہ تو ایک ایسی چیز ہے جو آدم کی بیٹیوں کے دم کے ساتھ ہے، تم وہ سارے عمل کرتی رہو جو حاجیوں کے کرنے کے ہوتے ہیں مگر بیت اللہ کا طواف اُس وقت تک نہ کرو، جب تک کہ اس سے پاک صاف نہ ہو جاؤ۔''[1]

(۲) سترِ عورت :- یعنی جسم کے اُن حصوں کو چھپائے رکھنا جن کا چھپائے رکھنا ضروری ہے، آپؐ کا ارشاد ہے، لَا یَطُوفُ بِالْبَیْتِ عُرْیَانٌ ''برہنہ ہو کر کوئی طواف نہ کرے۔''[2]

(۳) حجرِ اسود کے استلام سے طواف شروع کرنا۔

(۴) طواف کی ابتداء اپنی داہنی جانب سے کرنا، حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکے تشریف لائے تو سب سے پہلے آپؐ حجرِ اسود کے پاس آئے، اس کا استلام کیا، اور پھر آپؐ نے اپنی داہنی جانب سے طواف شروع کیا۔

(۵) پا پیادہ طواف کرنا، عذر کی حالت میں سوار ہو کر بھی طواف جائز ہے، اور نفلی طواف تو بغیر عذر بھی سوار ہو کر کرنا جائز ہے، لیکن افضل یہی ہے کہ پیدل طواف کیا جائے۔

(۶) طواف کے پہلے چار فرض چکروں کے بعد باقی تین شوط[3] پورے کرنا۔

(۷) ہر طواف یعنی سات شوط پورے کرنے کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا۔ حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ ہم لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیت اللہ پہنچے، تو آپؐ نے پہلے حجر اسود کا استلام کیا، پہلے تین چکروں میں آپ نے رمل[4] کیا پھر چار چکروں میں معمول کے مطابق چلے، پھر آپؐ مقام ابراہیم (علیہ السلام) کی طرف بڑھے اور یہ آیت تلاوت فرمائی ''وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِیْمَ مُصَلًّی'' ''اور ابراہیم (علیہ السلام) کے مقامِ عبادت کو مستقل جائے نماز بنالو۔'' پھر آپ اس طرح کھڑے ہوئے کہ ''مقامِ ابراہیم (علیہ السلام) آپ کے اور بیت اللہ

---

[1] بخاری، مسلم [2] بخاری [3] و [4] دیکھئے اصطلاحات صفحہ ۳۵۱، ۳۵۰

کے درمیان تھا، اور آپ نے نماز پڑھی۔ (مسلم)

(۸) حطیم کے باہر باہر سے طواف کرنا تاکہ حطیم بھی طواف میں شامل رہے۔

(۹) ممنوعاتِ احرام[۱] سے اجتناب کرنا۔

طواف کی دُعا

خانۂ کعبہ کا طواف کرنے کے لئے جب حجرِ اسود کے پاس پہنچے تو بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ کہے، پھر یہ دُعا پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ اِيْمَانًا بِكَ وَتَصْدِيْقًا بِكِتَابِكَ وَوَفَاءً بِعَهْدِكَ وَاتِّبَاعًا لِسُنَّةِ نَبِيِّكَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ[۲]

اور طواف شروع کردے، طواف کرتے ہوئے آہستہ آہستہ یہ دُعا پڑھے۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ[۳]

اور جب رُکنِ یمانی پر پہنچے تو رُکنِ یمانی اور حجرِ اسود کے درمیان یہ دُعا پڑھے۔

رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ[۴]

۱۔ تفصیل صفحہ ۱۹۴ پر دیکھئے۔

۲۔ نیل الاوطار، ترجمہ:- اے اللہ! تجھ پر ایمان لاکر، تیری کتاب کی تصدیق کرکے، اور تیرے عہد کو پورا کرتے ہوئے اور تیرے نبی صلی اللہ کی سنت کی اتباع میں (یہ استلام اور طواف کررہا ہوں)۔

۳۔ ابن ماجہ نیل الاوطار، ترجمہ:- ''اللہ پاک و برتر ہے، تمام حمد و شکر اسی کیلئے ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ سب سے بڑا ہے، اور اللہ کے سوا کوئی طاقت نہیں جو نیکی کرا سکے اور کوئی طاقت نہیں جو برائی سے روک سکے۔''

۴۔ ترجمہ:- اے اللہ ہمیں دُنیا میں بھی بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی اور ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا۔

اور یہ دُعا بھی پڑھے۔

اَللّٰھُمَّ قَنِّعْنِیْ بِمَارَزَقْتَنِیْ وَبَارِكْ لِیْ فِیْهِ وَاخْلُفْ عَلٰی كُلِّ غَائِبَةٍ لِّیْ بِخَیْرٍ[1]

اور یہ بھی پڑھے۔

لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَعَلٰی كُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرٌ[2]

طواف کے مسائل

(۱) ہر طواف یعنی سات شوط پورے کرنے کہ بعد دو رکعت نماز پڑھنا واجب ہے دوطوافوں کوملانا، اور درمیان میں نماز نہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔

(۲) سات چکر لگا لینے کہ بعد کسی نے قصداً آٹھواں چکر لگالیا تو اب چھ چکر مزید لگا کر ایک طواف اور کرنا ضروری ہے اس لئے کہ نفل عبادت شروع کرنے کے بعد لازم ہو جاتی ہے۔

(۳) جن اوقات میں نماز مکروہ ہے ان میں طواف مکروہ نہیں ہے۔

(۴) طواف کرتے ہوئے اگر پنج وقتہ نمازوں میں سے کسی نماز کا وقت آجائے ، یا نمازِ جنازہ آجائے یا وضو کی ضرورت پیش آجائے ، تو واپس آنے کے بعد دوبارہ نئے سرے سے طواف کرنے کی ضرورت نہیں، جہاں سے چھوڑ کر گیا تھا وہیں سے پورا کرے۔

(۵) طواف کرتے ہوئے اگر بھول جائے کہ کتنے شوط کئے ہیں تو پھر نئے سرے سے

---

[1] حصن حصین، ترجمہ:- اے اللہ! تو مجھے قناعت دے اسی پر جو کچھ تو نے مجھے عطا کر رکھا ہے، اور اسی میں میرے لئے برکت عطا فرما، اور ہر غائب چیز میں تو خیر اور بھلائی کے ساتھ نگراں بن جا۔

[2] حصن حصین، ترجمہ:۔اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔وہ یکتا ہے۔اس کا کوئی شریک نہیں، اقتدار اسی کا حق ہے، تعریف کا وہی مستحق ہے، اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔

شروع کرے ہاں اگر کوئی قابلِ اعتماد شخص یاد دلا دے تو اس کی یاد دہانی کے مطابق عمل کرسکتا ہے۔

(۶) طواف کے دوران کوئی چیز کھانا، پینا، خرید وفروخت کرنا اشعار گنگنانا اور بے ضرورت باتیں کرنا مکروہ ہے۔

(۷) حالتِ طواف میں نجاستِ حقیقیہ[۱] سے پاک ہونا مسنون ہے اور نجاستِ حکمیہ[۲] سے پاک ہونا واجب ہے۔

(۸) حج اور عمرہ دونوں کے پہلے طواف میں رمل کرنا مسنون ہے اور اضطباع بھی مسنون ہے۔[۳]

رمل

شانے ہلا کر ذرا تیز چلنا جس سے قوت اور طاقت کا مظاہرہ ہو، اس کو ڈلکی چال چلنا بھی کہتے ہیں۔ اصطلاح میں اس کا نام رمل ہے۔

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب ۷ھ میں صحابۂ کرامؓ کی ایک کثیر تعداد کے ساتھ عمرہ ادا کرنے کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو وہاں کے لوگوں نے آپس میں کہا کہ "ان لوگوں کا کیا حال ہو رہا ہے! یہ تو بڑے ہی کمزور اور نحیف ہو گئے ہیں، دراصل مدینے کی آب وہوا نے ان کی صحت برباد کر دی ہے، مدینے کی آب وہوا خراب ہے۔" نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب مکے والوں کی اس گفتگو کا پتہ چلا تو آپؐ نے حکم دیا کہ "طواف کے پہلے تین شوطوں میں سب رَمل کریں" یعنی ڈلکی چال چل کر قوت وطاقت کا مظاہرہ کریں۔ چنانچہ رَمل کیا گیا، اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کی اس وقت کی یہ ادا ایسی بھائی کہ ایک مستقل سنت قرار دے دی گئی۔

رمل صرف اسی طواف میں مسنون ہے جس کے بعد سعی ہو، پس جو شخص طوافِ قدوم کے بعد

---

۱ و ۲ تشریح کے لئے دیکھئے آسان فقہ اوّل "اصطلاحات"۔

۳ رمل اور اضطباع صرف مردوں کے لئے مسنون ہے، خواتین نہ رمل کریں اور اضطباع (عین الہدایہ)

سعی نہ کرنا چاہتا ہو، وہ اس طواف میں رمل نہ کرے، بلکہ طوافِ زیارت میں رمل کرے، جس کے بعد اس کو سعی کرنا ہے، اسی طرح حجِ قِران کرنے والا جو طوافِ عمرہ میں رمل کر چکا ہو وہ پھر طوافِ حج میں رَمل نہ کرے۔ اور اگر کوئی شخص پہلے تین شوطوں میں رمل کرنا بھول جائے تو پھر رمل بالکل ہی چھوڑ دے، دوسرے شوطوں میں نہ کرے، اور ساتوں شوطوں میں رمل کرنا مکرہ تنزیہی ہے۔

اضطباغ

چادر وغیرہ کو اس طرح اوڑھا جائے کہ اس کا ایک کنارہ داہنے شانے پر ڈالنے کے بجائے داہنی بغل کے نیچے سے نکال کر اوڑھا جائے اور داہنا شانہ کھلا رہے، یہ عمل بھی اظہارِ قوت وطاقت کے لئے ہے۔

حج کے واجبات

حج میں نو باتیں واجب ہیں۔

(۱) سعی کرنا، یعنی صفا اور مَروہ کے درمیان دوڑنا واجب ہے۔[۱]

(۲) مزدلفے میں وقوف کرنا، یعنی طلوعِ فجر سے طلوعِ آفتاب تک کسی بھی وقت وہاں پہنچنا۔

(۳) رمی کرنا، یعنی جمرات پر کنکریاں مارنا۔

(۴) طوافِ قدوم کرنا۔ یعنی مکے میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے خانہ کعبہ کا طواف کرنا، طوافِ قدوم صرف ان لوگوں پر واجب ہے جو میقات سے باہر رہتے ہیں اور جن کو آفاقی کہتے ہیں۔

---

[۱] قرآنِ پاک کے بیان سے یہی معلوم ہوتا ہے، لیکن علمائے اہلِ حدیث کے نزدیک سعی فرض ہے اور ان کی دلیل صحیح مسلم کی یہ حدیث ہے۔ مَا اَتَمَّ اللّٰهُ حَجَّ امْرِءٍ وَلَا عُمْرَتَهٗ لَمْ يَطُفْ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ اللہ تعالیٰ اس شخص کا حج اور عمرہ کامل قرار نہیں دیتا جو صفا اور مَروہ کے درمیان سعی نہ کرے۔

(۵) طواف وداع کرنا، خانہ کعبہ سے رُخصت ہوتے وقت آخری رُخصتی طواف کرنا، طوافِ وداع بھی صرف آفاقی پر واجب ہے۔

(۶) حلق یا تقصیر، یعنی حج کے ارکان سے فارغ ہو کر بال منڈوانا یا صرف کتروانا، دسویں ذوالحجہ کو جمرۃ العقبہ کی رمی سے فارغ ہونے کے بعد حلق یا تقصیر واجب ہے۔

(۷) قربانی، یہ صرف قارن یا متمتّع پر واجب ہے، مفرد پر واجب نہیں۔

(۸) مغرب اور عشاء کی نماز ایک ساتھ پڑھنا۔ یعنی مغرب کی نماز مؤخّر کر کے مُزدلفے میں عشاء کی نماز کے ساتھ ادا کرنا، اور میدانِ عرفات میں ظہر و عصر کی نماز ایک ساتھ پڑھنا واجب نہیں ہے۔

(۹) رمی، قربانی اور حلق و تقصیر میں ترتیب کا لحاظ رکھنا۔

سعی

لغت میں سعی کے معنیٰ ہیں، اہتمام سے چلنا، دوڑنا، اور کوشش کرنا وغیرہ، اصطلاح میں سعی سے مُراد حج کا وہ واجب عمل ہے جس میں زائرِ حرم صفا، مَروہ نام کی دو پہاڑیوں کے درمیان دوڑتا ہے۔ صفا بیت اللہ کے جنوب میں ہے، اور مروہ شمال کی سمت میں واقع ہے۔ آج کل ان دو پہاڑیوں کا معمولی سا نشان باقی ہے اور ان کے درمیان دو سڑکیں تعمیر کر دی گئی ہیں، ایک صفا سے مروہ تک دوڑنے کے لئے اور دوسری مروہ سے واپس صفا تک دوڑنے کے لئے اور ان پر بہت بڑا شیڈ ڈال کر ان سڑکوں کو پاٹ دیا گیا ہے تاکہ سعی کرنے والے دھوپ کی شدت اور بارش سے محفوظ رہیں۔

سعی کی حقیقت و حکمت

قرآن پاک میں ہے۔

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ (البقرہ آیت ۱۵۸)

''بے شک صَفا اور مَروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔''

''شَعَائِر'' ''شعیرۃ'' کی جمع ہے، کسی رُوحانی اور معنوی حقیقت اور کسی مذہبی یادگار کو محسوس کرانے اور یاد دلانے کے لئے جو چیز بطور نشان اور علامت مقرر کی گئی ہو اس کو شعیرہ کہتے ہیں دراصل یہ مقامات خدا پرستی اور اسلام کے عملی اظہار کے یادگار مقامات ہیں، مروہ وہی مقام ہے جہاں خدا کے خلیل حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے اکلوتے فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو زمین پر پیشانی کے بل لٹا کر گردن پر چھری رکھ دی تھی، کہ اپنے خواب کو سچا کر دکھائیں اور اپنی زندگی کی سب سے زیادہ عزیز چیز کو خدا کی رضا پر قربان کر کے اپنے قول (اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ) (میں نے کامل طور پر خود کو اللہ رب العالمین کے حوالے کر دیا) کی عملی شہادت پیش کر دیں۔

اسلام اور سپردگی کا یہ عجیب وغریب منظر دیکھتے ہی خدا نے ان کو پکارا اور کہا ابراہیم تم نے اپنے خواب کو سچا کر دکھایا، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بہت بڑی آزمائش تھی۔

وَنَادَيْنَاهُ اَنْ يّٰاِبْرَاهِيْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا اِنَّا كَذَالِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَo اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِيْنُo

اور ہم نے ان کو پکارا، کہ اے ابراہیم (علیہ السلام) تم نے اپنے خواب کو سچا کر دکھایا، بلاشبہ ہم محسنوں کو ایسا ہی صلہ دیتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ یہ ایک کھلی ہوئی زبردست آزمائش تھی۔

صفا، مروہ پر نگاہ ڈالتے ہی فطری طور پر مومن کے ذہن میں قربانی کی یہ پوری تاریخ تازہ ہو جاتی ہے، اور ابراہیم واسمٰعیل علیہ السلام کے اسلام اور بندگی کی پوری تصویر نگاہوں میں پھر جاتی ہے۔

اسی حقیقت کو ذہن نشین کرانے اور اس ولولہ انگیز تاریخ کو یاد کرنے کے لئے خدا نے سعی کو مناسکِ حج میں شامل فرمایا، خدا کا ارشاد ہے:۔

فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ o (البقرہ آیت ۱۵۸)

لہٰذا جو شخص بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے تو مضائقہ نہیں کہ وہ اِن دونوں کے درمیان سعی کرے، اور جو شخص دل کی رغبت اور شوق کے ساتھ بھلا کام کرے گا تو خدا کو ہر چیز معلوم ہے اور وہ اس کی قدر کرنے والا ہے۔

دَورِ جاہلیت میں مشرکینِ مکہ نے ان دو پہاڑیوں پر بتوں کے استھان بنائے تھے۔ صفا پر اساف اور مروہ پر نائلہ کا استھان تھا، اور ان کے گرد طواف ہوتا تھا، اسی لئے مسلمانوں کو تردّد تھا کہ وہ ان کے درمیان سعی کریں یا نہ کریں، تو خدا نے وضاحت کی کہ ان کے درمیان سعی کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اس لئے کہ سعی دراصل مناسکِ حج میں سے ہے، اور حضرت ابراہیمؑ کو جو مناسک تعلیم دیئے گئے تھے ان میں صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنے کی ہدایت بھی تھی، اس لئے کسی کراہیت کے بغیر مسلمان پورے شوق اور دل کی رغبت سے صفا اور مروہ کی سعی کریں، خدا دل کے حالات سے پوری طرح باخبر ہے اور وہ انسان کے اچھے جذبات اور اعمالِ صالحہ کی قدر کرتا ہے۔

سعی کے مسائل

(۱) طوافِ کعبہ سے فارغ ہونے کے بعد سعی کرنا واجب ہے۔ طواف سے پہلے سعی کرنا جائز نہیں۔

(۲) سعی کی حالت میں نجاستِ حکمیہ یعنی حدثِ اصغر اور حدثِ اکبر سے پاک ہونا واجب تو نہیں ہے، لیکن مسنون ہے۔

(۳) سعی میں بھی سات شوط ہوتے ہیں اور یہ ساتوں شوط واجب ہیں، ان میں سے کوئی شوط بھی فرض نہیں ہے۔

(۴) طواف سے فارغ ہوتے ہی سعی شروع کرنا مسنون تو ہے لیکن واجب نہیں۔

(۵) سعی کی ابتداء صفا سے کرنا واجب ہے۔

(۶) سعی پا پیادہ کرنا واجب ہے البتہ کوئی عذر ہو تو سواری پر بھی کر سکتے ہیں۔

(۷) پورے حج میں صرف ایک ہی بار سعی کرنا چاہئے، چاہے طوافِ قدوم کے بعد کرے یا طوافِ زیارت کے بعد، بہتر یہ ہے طوافِ زیارت کے بعد سعی کی جائے۔

(۸) صفا اور مروہ پر چڑھنا اور بیت اللہ کی طرف رُخ کر کے دونوں ہاتھوں کو دُعا کے لئے اُٹھانا اور دُعا کرنا مسنون ہے۔

(۹) سعی کے دوران خرید وفروخت کرنا مکروہ ہے البتہ ضرورت کے وقت بات چیت کرنا جائز ہے۔

سعی کا طریقہ اور دُعائیں

طوافِ قدوم یا طوافِ زیارت جس کے بعد بھی سعی کرنے کا ارادہ ہو اس سے فارغ ہو کر پہلے صفا پہاڑی پر پہنچا جائے، صفا پر پہنچ کر یہ آیت پڑھی جائے، اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ، بلاشبہ صفا اور مروہ خدا کی نشانیوں میں سے ہیں، اور پھر صفا پر اتنی اونچائی تک چڑھا جائے کہ بیت اللہ نظر آنے لگے۔ پھر بیت اللہ کی طرف رُخ کر کے دونوں ہاتھ اُٹھا کر تین بار ''اللہ اکبر'' کہا جائے اور پھر یہ دُعا پڑھی جائے۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ اَنْجَزَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ (مسلم)

خدا کے سوا کوئی معبود نہیں جو یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اقتدار اسی کا حق ہے، حمد وشکر کا وہی مستحق ہے، اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یکتا ہے، اس نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا اور اپنے بندے کی مدد کی اور اس نے تنہا تمام کافر گروہوں کو شکست دی۔

پھر درود شریف پڑھ کر جو دُعائیں مانگنی ہوں مانگی جائیں، اپنے لئے اپنے عزیز اور رشتہ داروں کے لئے، یہ قبولیتِ دُعا کا مقام ہے اس لئے دُنیا اور عقبیٰ کی بھلائی اور سعادت کے لئے خوب ہی دُعا کی جائے اور پھر یہ دُعا پڑھی جائے۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّكَ قُلْتَ اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ وَاِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ كَمَا ھَدَیْتَنِیْ لِلْاِسْلَامِ اَنْ لَّا تَنْزِعَهٗ مِنِّیْ حَتّٰی تَوَفَّانِیْ وَاَنَا مُسْلِمٌ (موطا)

اے اللہ! تیرا ارشاد ہے کہ مجھ سے مانگو، میں قبول کروں گا، اور تو کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا، میرا تجھ سے یہ سوال ہے کہ جس طرح تو نے مجھے اسلام لانے کی توفیق عطا فرمائی ہے، تو اس دولت کو مجھ سے کبھی دُور نہ کر یہاں تک کہ تو مجھے موت نصیب فرمائے، تو میرا خاتمہ اسلام پر ہو۔

اس کے بعد صفا سے اُتر کر مروہ کی طرف روانہ ہونا چاہئے اور چلتے ہوئے زبان پر یہ دُعا رہے۔

رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعَزُّ الْاَكْرَمُ۔

میرے رب! میری مغفرت فرمادے، میری حالت پر رحم فرمادے، تو انتہائی غالب اور انتہائی بزرگ ہے۔

صفا اور مروہ کے درمیان مروہ کو جاتے ہوئے بائیں جانب کو دو سبز نشان ہیں، ان کو میلینِ اخضرین کہا جاتا ہے۔ ان دونوں نشانوں کے درمیان دوڑنا مسنون ہے[1] پھر مروہ پر چڑھ کر وہی دُعائیں مانگی جائیں جو صفا پر مانگی تھیں، اور دیر تک ذکر و تسبیح میں مشغول رہا جائے۔ اس لئے کہ یہ دُعا قبول ہونے کا مقام ہے، پھر مروہ سے اُتر کر صفا کی طرف واپس جاتے ہوئے وہی دُعا پڑھی جائے جو آتے وقت پڑھی تھی اور میلینِ اخضرین کے درمیان دوڑا جائے اور اسی طرح سات شوط پورے کئے جائیں۔

---

[1] لیکن یہ صرف مَردوں کے لئے مسنون ہے، خواتین میلینِ اخضرین کے درمیان بھی معمول کے مطابق چلیں۔ دوڑیں نہیں اس لئے کہ دوڑنا پردہ پوشی میں خلل ڈالے گا۔

رمی

لغت میں رمی کے معنیٰ ہیں پھینکنا اور نشانہ لگانا، اور اصطلاح میں رمی سے مُراد حج کا وہ عمل ہے جس میں حاجی پتھر کے تین ستونوں پر کنکریاں مارتا ہے، رمی جمرات واجب ہے، جمرات یا جمار، جمرہ کی جمع ہے، جمرہ کنکری کو کہتے ہیں، منٰی کے راستے میں کچھ کچھ فاصلے سے پتھر کے تین ستون قدِ آدم کے برابر کھڑے ہیں ان پر چونکہ کنکریاں پھینکی جاتی ہیں، اس لئے ان ستونوں ہی کو جمرات کہنے لگے، اور یہ تین جمرات ، ـــــ جمرۂ اولیٰ، جمرۂ وسطیٰ اور جمرۂ عقبیٰ کے نام سے مشہور ہیں، ان میں سے جو مکہ مکرمہ کے قریب ہے اس کو جمرہ عقبیٰ کہتے ہیں بعد والے کو وسطیٰ اور اس کے بعد والے کو جو مسجدِ خیف کے قریب ہے، جمرۂ اولیٰ کہتے ہیں۔

رمی کی حقیقت و حکمت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے چند ہی یوم پہلے حبشہ کے عیسائی حکمراں ابرہہ نے مکہ معظّمہ پر اس ناپاک ارادے سے چڑھائی کی کہ وہ کعبہ کو ڈھادے گا چنانچہ وہ ہاتھیوں پر سوار ایک زبردست لشکر کے ساتھ حملہ آور ہوا اور برابر آگے بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ مکے کے بالکل قریب، ''وادی محسّر'' میں پہنچ گیا۔ خدا نے اس کے ناپاک ارادے کو بری طرح ناکام بنایا اور سمندر کی جانب سے ننھے ننھے پرندوں کے جھنڈ پرے کے پرے بن کر نمودار ہوئے جن کے پنجوں اور چونچوں میں ننھی ننھی کنکریاں تھیں۔ اور انہوں نے اس ہاتھی سوار فوج پر کنکریوں کی ایسی بے پناہ اور ہلاکت خیز بارش کی کہ پوری فوج تہس نہس ہو کر رہ گئی، بیشتر تو وہیں ڈھیر ہو کر رہ گئے اور کچھ بڑی بُری حالت میں عبرتناک موت کے لئے وہاں سے بھاگے۔

رمی جمرات دراصل اسی بے پناہ سنگ باری کی یادگار ہے، جمرات پر اللہ اکبر کہہ کر خدا کی کبریائی کا اعلان کرتے ہوئے کنکریاں مارنا دراصل اس حقیقت سے دُنیا کو خبر دار کرنا اور اپنے

اس عزم کا اظہار کرنا ہے کہ مومنوں کا وجود دُنیا میں خدا کے دین کی حفاظت کے لئے ہے کوئی طاقت بھی اگر اس کے دین پر بُری نیت سے نگاہ ڈالنے کی ناپاک جرأت کرے گی اور اس کی جڑوں کو ڈھانے کا ارادہ کر کے اس کی طرف بڑھے گی تو ہم اس کو تہس نہس کر دیں گے۔

رمی کے مسائل

(۱) رمی کرنا واجب ہے[1]

(۲) نشیب میں کھڑے ہو کر رمی کرنا مسنون ہے اونچے مقام سے رمی کرنا مکروہ ہے۔

(۳) ہر رمی کے ساتھ "اَللّٰہُ اَکْبَر" کہنا مسنون ہے۔

(۴) کنکری اگر جمرہ پر نہ لگے اور نشانہ خطا کر جائے تو کوئی حرج نہیں، رمی دُرست ہے، بشرطیکہ کنکری جمرہ کے قریب کہیں گرے۔

(۵) ذوالحجہ کی دس تاریخ کو یعنی پہلے دن صرف جمرۂ عقبہ کی رمی کی جائے اور پھر گیارہ بارہ تاریخ کو تینوں جمرات کی رمی کی جائے اور تیرھویں تاریخ کی رمی صرف مستحب ہے۔ واجب نہیں۔

(۶) ایک بڑا کنکر توڑ کر سات کنکریاں بنانا مکروہ ہے۔

(۷) سات مرتبہ سے زیادہ رمی کرنا مکروہ ہے۔

(۸) واجب یہ ہے کہ سات کنکریاں سات مرتبہ میں ماری جائیں گی، اگر کوئی شخص ایک ہی مرتبہ میں ایک ساتھ سات کنکریاں مار دے تو یہ ایک ہی رمی قرار پائے گی۔

(۹) رمی کے لئے مزدلفے سے آتے وقت "وادی محسّر" میں سے کنکریاں ساتھ لانا مستحب ہے۔ جمرہ کے پاس سے کنکریاں اُٹھانا مکروہ ہے[2]

---

[1] امام مالکؒ کے نزدیک جمرۂ عقبیٰ کی رمی فرض ہے۔ اگر یہ رمی ترک کر دی جائے تو حج باطل ہو جائے گا۔

[2] دراصل جمرہ کے پاس صرف وہی کنکریاں رہ جاتی ہیں جو خدا کے یہاں مقبول نہیں ہوتیں، اور جو کنکریاں مقبول ہو جاتی ہیں وہاں سے فرشتے اُٹھا لے جاتے ہیں، لہٰذا رد کی ہوئی کنکریوں سے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

(۱۰) جس کنکری کے بارے میں یقینی طور پر معلوم ہو کہ یہ ناپاک ہے، اس سے رمی کرنا مکروہ ہے۔

(۱۱) دسویں تاریخ کی رمی شروع کرتے ہی تلبیہ بند کر دینا چاہئے۔ بخاری میں ہے کہ آپؐ جمرۂ عقبہ کی رمی تک لبیک کہتے رہے۔

(۱۲) دس ذوالحجہ کی رمی کا مسنون وقت طلوعِ آفتاب سے زوال تک ہے، اس کے بعد غروبِ آفتاب تک بھی جائز ہے، لیکن غروبِ آفتاب کے بعد رمی کرنا مکروہ ہے۔ اور باقی تاریخوں میں زوال کے بعد سے غروبِ آفتاب تک مسنون وقت ہے۔

(۱۳) رمی کرنے کے لئے ایک شب منیٰ میں گزارنا مسنون ہے۔

(۱۴) دسویں تاریخ کو جمرۂ عقبہ کی رمی کرنے کے بعد دوسری تاریخوں میں اس ترتیب کے ساتھ رمی کرنا مسنون ہے، پہلے جمرۂ اولیٰ کی رمی کی جائے جو مسجدِ خیف کے قریب ہے، پھر جمرۂ وسطیٰ کی اور پھر جمرۂ عقبہ کی۔

(۱۵) جمرۂ اولیٰ اور جمرۂ وسطیٰ کی رمی پاپیادہ کرنا افضل ہے اور جمرۂ عقبہ کی رمی سوار ہوکر کرنا افضل ہے۔

(۱۶) جمرۂ اولیٰ اور جمرۂ وسطیٰ کی رمی کے بعد اتنی دیر جس میں سورۂ فاتحہ کی تلاوت کی جاسکے، کھڑا رہنا اور تحمید و تہلیل اور تکبیر اور درود وغیرہ پڑھنے میں مشغول رہنا اور ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگنا مسنون ہے۔

(۱۷) رمی سے فارغ ہونے کہ بعد مکہ مکرمہ آتے وقت کچھ دیر کے لئے محصّب میں قیام کرنا مسنون ہے۔

(پچھلے صفحہ کا بقیہ) رمی کرنا مکروہ ہے، حضرت ابو سعید خدریؓ نے نبی ﷺ سے پوچھا: ''یا رسول اللہ! ہر سال ہم جن کنکریوں سے رمی کرتے ہیں ہمارا خیال ہے کہ وہ کم ہو جاتی ہیں'' ارشاد فرمایا ''ہاں ان میں سے جو قبول ہو جاتی ہیں وہ اُٹھالی جاتی ہیں، اگر ایسا نہ ہوتا تو تم پہاڑوں کی طرح ان کنکریوں کے ڈھیر دیکھتے۔'' (دار قطنی)

(۱۸) منیٰ اور مکے کے درمیان ایک میدان تھا اس کو محصّب کہتے تھے، اب وہ آباد ہوگیا ہے۔ اور آج کل اس کو معابدہ کہتے ہیں، حجۃ الوداع میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں قیام فرمایا تھا۔ حضرتِ انسؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نماز محصّب میں ادا فرمائی، پھر یہاں کچھ دیر آرام فرمایا اور پھر سوار ہوکر یہاں سے بیت اللہ تشریف لے گئے اور بیت اللہ کا طواف کیا۔ (بخاری)

مگر یہاں قیام کی حیثیت صرف سنت کی ہے، واجب اور لازم نہیں ہے اگر کوئی قیام نہ کرے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

(۱۸) رمی ان تمام چیزوں سے کی جاسکتی ہے جن سے تیمّم کرنا جائز ہے اینٹ، پتھر، ٹھکری، سنگریزہ، مٹی کا ڈھیلا، مٹی وغیرہ، لکڑی اور مُشک وعنبر یا جواہرات سے رمی کرنا جائز نہیں۔

رمی کا طریقہ اور دُعا

جمرۂ عقبہ کی پہلی رمی شروع کرنے سے پہلے ہی تلبیہ ترک کردینا چاہئے اور پھر رمی شروع کی جائے، رمی کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ نشیب کے مقام پر کھڑے ہوکر پہلے یہ دُعا پڑھے:۔

بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ رَغْمًا لِلشَّيْطٰنِ وَرِضًا لِلرَّحْمٰنِ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ حَجًّا مَّبْرُوْرًا وَذَنْبًا مَّغْفُوْرًا وَسَعْيًا مَّشْكُوْرًا۔

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں، اللہ سب سے بڑا ہے۔ شیطان کی خواہش کو پامال کرنے اور اللہ کی رضا کو حاصل کرنے کے لئے، اے اللہ! اس حج کو حجِ مبرور بنادے اور گناہوں کو معاف فرمادے اور اس کوشش کو قبول فرمالے۔"

پھر کنکریوں کو انگلیوں کے پوروں میں پکڑکر "اَللّٰهُ اَكْبَرُ" کہتے ہوئے ہر کنکری مارے اور خوب تاک کر مارے، جمرۂ عقبہ کو پہاڑی کے اوپر سے مارنا، یا بڑی بڑی اینٹوں اور پتھروں سے مارنا یا جمرہ کے پاس کی پڑی ہوئی کنکریوں سے مارنا مکروہ ہے۔

تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، بے شک حمد و شکر کا مستحق تو ہی ہے، احسان و انعام کرنا تیرا ہی حق ہے، اقتدار تیرا ہی ہے تیرا کوئی شریک نہیں۔"

آپؐ کے رفقاء سفر نے بھی بلند آواز سے اپنا تلبیہ پڑھا، (شاید اس میں کچھ کلمات کا اضافہ تھا) مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تردید نہیں فرمائی، البتہ آپ اپنا وہی تلبیہ برابر پڑھتے رہے۔

حضرت جابرؓ نے فرمایا، اس سفر میں ہماری نیت دراصل حج ادا کرنے کی تھی، عمرہ ہمارے پیشِ نظر نہ تھا، یہاں تک کہ جب ہم سب لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں، بیت اللہ پہنچے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے حجرِ اسود کا استلام کیا، پھر طواف شروع کیا اور پہلے تین چکروں میں آپؐ نے رمل فرمایا پھر چار چکروں میں معمولی رفتار سے چلے پھر آپؐ مقامِ ابراہیم پر آئے اور یہ آیت تلاوت فرمائی۔

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى ط

اور مقامِ ابراہیم کو اپنے لئے عبادت گاہ قرار دے لو۔

پھر آپؐ اس طرح کھڑے ہوئے کہ مقامِ ابراہیم آپؐ کے اور بیت اللہ کے درمیان میں تھا (یہاں آپؐ نے دو رکعت نماز ادا فرمائی) ان دو رکعتوں میں آپ نے "قُلْ يٰاَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ" اور "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" کی قرأت فرمائی پھر حجرِ اسود کے پاس لوٹ کر آئے، حجر اسود کا استلام کیا، پھر ایک دروازے سے صفا کی طرف چلے، جب صفا کے قریب پہنچے تو آپؐ نے یہ آیت پڑھی:-

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ

بلاشبہ صفا اور مروہ اللہ کے شعائر میں سے ہیں۔

اور فرمایا:-

اَبْدَأُ بِمَا بَدَءَ اللّٰهُ بِهٖ

میں صفا سے ہی اپنی سعی شروع کرتا ہوں جس طرح اللہ نے اس آیت میں اس کے ذکر سے شروع کیا ہے۔

پس آپ پہلے صفا پر آئے، اور صفا پر اتنے اونچے تک چڑھے کہ بیت اللہ آپ کو صاف نظر آنے لگا اور آپ قبلے کی طرف رُخ کر کے کھڑے ہو گئے۔ پھر آپؐ توحید اور تکبیر میں مصروف ہوئے اور آپ نے فرمایا:-

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ اَنْجَزَ وَعْدَہٗ وَنَصَرَ عَبْدَہٗ وَھَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَہٗ

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اقتدار اسی کے لئے ہے، حمد و شکر کا مستحق وہی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے، اس نے اپنا وعدہ پورا کر دیا (اور دین کو سارے عرب میں غالب فرما دیا) اپنے بندے کی اس نے پوری پوری مدد فرمائی۔ اور کفر و شرک کی فوجوں کو اس نے تنہا شکست دی۔

تین بار آپؐ نے یہ کلمات دُہرائے اور ان کے درمیان دُعا مانگی پھر آپ صفا سے نیچے آئے اور مروہ کی طرف چلے اور مروہ پر بھی وہی کچھ کیا جو صفا پر کیا تھا۔ یہاں تک کہ آپؐ آخری چکر پورا کر کے مروہ پر پہنچے تو آپؐ نے اپنے رفقاء سفر سے خطاب فرمایا۔ آپؐ اوپر مروہ پر تھے اور ساتھی نیچے نشیب میں تھے۔

اگر مجھے اس بات کا احساس پہلے ہو جاتا، جس کا احساس بعد میں ہوا۔ تو میں ہدی کا جانور ساتھ نہ لاتا اور اس طواف و سعی کو عمرے کی سعی و طواف قرار دے کر اس کو عمرہ بنا لیتا اور احرام کھول دیتا (البتہ تم میں سے جو لوگ ہدی کا جانور ساتھ نہ لائے ہوں وہ اس طواف اور سعی کو عمرہ کا طواف قرار دے کر حلال ہو سکتے ہیں۔)

یہ سن کر سراقہ ابن مالک کھڑے ہوئے اور پوچھا یا رسول اللہؐ! یہ حکم اسی سال کے لئے ہے یا یہ اب ہمیشہ کے لئے ہے[1] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں

---

[1] اہل مکہ کے نزدیک حج کے مہینوں میں مستقل طور پر عمرہ کرنا سخت گناہ کی بات تھی، (بقیہ اگلے صفحہ پر)

میں اچھی طرح ڈالیں اور فرمایا عمرہ حج میں اسی طرح داخل ہو گیا[1] صرف اسی سال کے لئے نہیں بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔

اور (حضرت جابرؓ نے اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے فرمایا) علیؓ یمن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مزید قربانی کے جانور لے کر مکہ معظّمہ پہنچے انہوں نے اپنی بیوی فاطمہ زہراؓ کو دیکھا کہ وہ احرام ختم کر کے حلال ہوگئی ہیں، رنگین کپڑے بھی پہن رکھے ہیں اور سرمہ بھی لگا ہوا ہے، حضرت علیؓ کو یہ بات غیر مناسب معلوم ہوئی، اور نا گواری کا اظہار کیا، تو حضرت فاطمہؓ نے جواب دیا مجھے ابا جان نے اس کا حکم دیا تھا (یعنی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے احرام ختم کیا ہے)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا جب تم نے احرام باندھا اور تلبیہ پڑھا تو کیا نیت کی (یعنی صرف حج کی نیت کی تھی یا حج اور عمرہ دونوں کی نیت کی تھی؟

علیؓ نے جواب میں کہا، میں نے کہا تھا، اے اللہ! میں بھی اسی چیز کا احرام باندھتا ہوں جس کا احرام تیرے رسولؐ نے باندھا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا، میں تو چونکہ اپنے ساتھ ھدی کا جانور لے کر آیا ہوں، اس لئے میرے لئے احرام کھولنے کی گنجائش نہیں ہے اور تم نے بھی وہی نیت کر لی ہے جو میری ہے لہٰذا تمہارے لئے بھی احرام کھول کر حلال ہونے کی گنجائش نہیں ہے۔

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ھدی کے اونٹ جو علیؓ یمن سے لے کر آئے تھے اور خود رسول اللہ

(پچھلے صفحہ کا بقیہ) اب جو سراقہ ابن مالک نے دیکھا کہ ایامِ حج میں اس طواف وسعی کو مستقل عمرہ قرار دیا جا رہا ہے تو انھوں نے سوال کیا کہ کیا اب ایسا ہی حکم ہمیشہ کے لئے ہے یا یہ حکم خاص طور پر اسی سال کے لئے ہے۔

---

[1] یعنی ایامِ حج میں عمرہ کرنا، اور حج کے ساتھ ایک ہی سفر میں عمرہ کرنا بالکل دُرست ہے۔ اس کو غلط سمجھنا اور گناہ قرار دینا سراسر غلط ہے، اور یہ حکم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہے۔

صلی اللہ علیہ وسلم جو اپنے ہمراہ لائے تھے، یہ سب ننوا تھے۔[1]

سارے صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق احرام کھول دئے اور اپنے بال کٹوا کر حلال ہو گئے۔ البتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور وہ صحابہ جو ہدی کا جانور ساتھ لائے تھے احرام باندھے رہے۔

پھر جب یوم الترّویہ آیا (یعنی ذوالحجہ کی ۸؍تاریخ ہوگئی) تو سارے لوگ منیٰ کی طرف روانہ ہوئے، اور ان لوگوں نے حج کا احرام باندھا، جو عمرہ کر کے احرام ختم کر چکے تھے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم قصواء پر سوار ہو کر منیٰ کو روانہ ہوئے، وہاں آپؐ نے ظہر، عصر، مغرب، عشا اور فجر کی پانچوں نمازیں ادا فرمائیں، فجر کی نماز کے بعد آپ منیٰ میں کچھ دیر ٹھہرے رہے، یہاں تک کہ جب سورج نکل آیا تو آپؐ عرفات کی طرف روانہ ہوئے، اور آپ نے حکم دیا کہ ''نمرہ[2]'' کے مقام پر آپ کے لئے صُوف کا خیمہ نصب کیا جائے۔ قریش کو اس میں ذرا شک نہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشعر الحرام کے پاس ہی وقوف فرمائیں گے جیسا کہ زمانۂ جاہلیت میں ہمیشہ سے قریش کرتے رہے تھے، لیکن آپ مشعر الحرام کی حدود سے آگے نکل آئے اور میدانِ عرفات کی حدود میں آئے، آپؐ نے حکم دیا تھا کہ ''نمرہ'' کے مقام پر آپ کے لئے خیمہ نصب کیا جائے، چنانچہ خیمہ نصب کر دیا گیا تھا اور آپؐ نے اسی خیمہ میں قیام فرمایا:۔

پھر جب سورج ڈھلنے لگا، تو آپ نے حکم دیا کہ آپؐ کی اونٹنی ''قصواء'' پر کجاوا کس دیا جائے،

---

[1] بعض روایات میں یہ صراحت ملتی ہے ۶۳ اونٹ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہمراہ لائے تھے اور ۳۷، اونٹ حضرت علیؓ یمن سے اپنے ساتھ لے کر آئے تھے۔

[2] نمرہ دراصل وہ سرحدی مقام ہے جہاں حرم کی حد ختم ہوتی ہے اور عرفات کی حد شروع ہوتی ہے، زمانۂ جاہلیت میں قریش کے لوگ حرم کے حدود میں مشعر الحرام کے پاس ہی وقوف کرتے تھے اور عام لوگ میدانِ عرفات میں وقوف کرتے تھے، اس لئے قریش کا خیال تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی جگہ وقوف فرمائیں گے، لیکن آپؐ نے وقوف کے اصل مقام پر ہی اپنا خیمہ نصب کرنے کا حکم پہلے ہی سے دے دیا تھا۔

چنانچہ اونٹنی پر کجاوا کس دیا گیا۔ آپؐ اونٹنی پر سوار ہوئے اور ''وادیٔ عُرنہ'' کے نشیب میں پہنچے۔ وہاں آپؐ نے اونٹنی پر سوار ہوکر لوگوں کو خطاب کیا۔

''لوگو! ناحق کسی کا خون بہانا اور ناروا طریقے پر کسی کا مال لینا تمہارے لئے حرام ہے، بالکل اسی طرح حرام ہے جس طرح آج کے دن اس مہینے اور اس شہر میں تمہارے لئے حرام ہے (اور تم حرام سمجھتے ہو)

خوب سمجھ لو کہ دَورِ جاہلیت کی ساری چیزیں میرے دونوں قدموں کے نیچے روند دی گئی ہیں، اور زمانۂ جاہلیت کا خون معاف ہے اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا خون، یعنی ربیعہ بن الحارث بن عبد المطلب کے فرزند کا خون معاف کرنے کا اعلان کرتا ہوں، جو بنی سعد کے قبیلے میں دودھ پینے کے لئے رہا کرتے تھے ان کو قبیلۂ ہذیل کے لوگوں نے قتل کر ڈالا تھا، اور دَورِ جاہلیت کے سارے سودی مطالبے اب سوخت ہو گئے اور اس سلسلے میں بھی سب سے پہلے میں اپنے چچا عباس بن عبد المطلب کے سودی مطالبات کے ختم کرنے کا اعلان کرتا ہوں، آج ان کے سارے سودی مطالبات ختم ہیں۔

اے لوگو! خواتین کے حقوق کے معاملے میں خدا سے ڈرتے رہو، تم نے ان کو اللہ کی امانت کے طور پر اپنے قید نکاح میں لیا ہے اور ان سے لذت اندوزی اللہ کے کلمہ اور قانون ہی کے ذریعہ تمہارے لئے حلال ہوئی ہے، تمہارا اُن پر خاص حق یہی ہے کہ جس شخص کا تمہیں اپنے گھر میں آنا ناپسند ہو اُن کو وہ تمہارے بستر پر بیٹھنے کا موقع نہ دیں، اور اگر وہ یہ خطا کر بیٹھیں تو تنبیہ کے لئے تم ان کو معمولی سزا دے سکتے ہو اور ان کا خاص حق تم پر یہ ہے کہ تم اپنی حیثیت اور وسعت کے مطابق کشادہ دلی سے ان کے لباس اور کھانے پینے کا اہتمام کرو، اور میں تمہارے درمیان وہ سرچشمۂ ہدایت چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر تم اسے مضبوط پکڑے رہے اور اس کی رہنمائی میں چلتے رہے۔ تو کبھی تم راہِ حق سے نہ بھٹکو گے۔ یہ سرچشمۂ ہدایت ہے، ''اللہ کی کتاب''

اور قیامت کے روز اللہ تعالیٰ تم سے میرے بارے میں دریافت فرمائے گا (کہ میں نے خدا کا

پیغام تم لوگوں تک پہنچادیا یا نہیں؟ بتاؤ تم وہاں میرے بارے میں خدا کو کیا جواب دو گے۔
حاضرین نے یک زبان ہو کر کہا، ہم گواہی دیتے ہیں آپؐ نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا، آپ نے سب کچھ پہنچا دیا اور آپؐ نے نُصح و خیر خواہی میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔ اس پر آپ نے اپنی شہادت کی اُنگلی آسمان کی طرف اُٹھائی پھر لوگوں کی طرف اس سے اشارہ کرتے اور جھکاتے ہوئے تین بار کہا ''اے اللہ! تو بھی گواہ رہ، اے اللہ تو بھی گواہ رہ، اے اللہ! تو بھی گواہ رہ، میں نے تیرا پیام اور تیرے احکام تیرے بندوں تک پہنچا دئے اور تیرے یہ بندے گواہ ہیں کہ میں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔''

پھر حضرت بلالؓ نے اذان دی، اور اقامت کہی، اور آپؐ نے ظہر کی نماز پڑھائی۔ اس کے بعد حضرت بلالؓ نے دوبارہ اقامت کہی اور آپؐ نے عصر کی نماز پڑھائی، ظہر اور عصر کی نمازیں ایک ساتھ پڑھنے کے بعد آپؐ ٹھیک اس مقام پر آئے جہاں وقوف کیا جاتا ہے، پھر آپ نے اپنی اونٹنی قصواء کا رُخ ادھر موڑ دیا جدھر بڑی بڑی چٹانیں ہیں اور سارا مجمع آپ کے سامنے ہو گیا جس کے سب ہی لوگ پیدل تھے، آپ قبلہ رُو ہو گئے۔ اور آپؐ نے وہیں وقوف فرمایا، یہاں تک کہ آفتاب کے غروب کا وقت آ گیا اور شام کی زردی بھی ختم ہو گئی اور سورج بالکل غروب ہو گیا آپؐ (عرفات سے مزدلفے کی طرف) روانہ ہوئے اور اُسامہ بن زید کو آپؐ نے اپنی اونٹنی پر اپنے پیچھے بٹھا لیا۔ اور آپؐ مزدلفے آ پہنچے یہاں پہنچ کر آپؐ نے مغرب، اور عشاء کی نماز ایک ساتھ پڑھی، اذان ایک ہوئی اور اقامت دونوں کے لئے الگ الگ اور ان دونوں نمازوں کے درمیان آپ نے کوئی سنت یا نفل نماز نہیں پڑھی اس کے بعد آپ آرام فرمانے کے لئے لیٹ گئے اور آرام فرماتے رہے، یہاں تک کہ صبحِ صادق ہو گئی اور فجر کا وقت ہو گیا۔ صبح صادق ہوتے ہی آپؐ نے اذان اور اقامت کہلوا کر فجر کی نماز اوّل وقت ادا فرمائی، نمازِ فجر سے فارغ ہو کر آپؐ مشعر الحرام کے پاس تشریف لائے یہاں آ کر آپؐ قبیلے کی طرف رُخ کر کے کھڑے ہوئے اور دُعا تکبیر تہلیل اور توحید و تسبیح میں مصروف ہو گئے اور دیر تک مصروف رہے، جب خوب اُجالا

ہو گیا تو طلوعِ آفتاب سے ذرا پہلے آپؐ وہاں سے منیٰ کے لئے روانہ ہوئے، اور اُس وقت آپؐ نے اپنے ناقہ کے پیچھے فضل بن عباسؓ کو سوار کر لیا اور روانہ ہوئے جب آپؐ وادیٔ ''محسّر'' کے درمیان پہنچے تو آپؐ نے اپنی اونٹنی کو ذرا تیز کر دیا۔ پھر ''محسّر'' سے نکل کر آپؐ درمیانی راستے سے چلے جو بڑے جمرے کے پاس جا کر نکلتا ہے۔ پھر اس جمرے کے پاس پہنچ کر جو درخت کے پاس ہے آپؐ نے رمی فرمائی، سات کنکریاں اس پر پھینک کر ماریں اور ہر کنکری پھینکتے ہوئے آپؐ ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ'' کہتے جاتے تھے۔ یہ کنکریاں چھوٹی چھوٹی ٹھیکریوں کی طرح تھیں۔ آپؐ نے نشیبی مقام سے جمرہ پر یہ رَمی کی، جب آپؐ رَمی سے فارغ ہوئے تو قربان گاہ کی طرف روانہ ہوئے، وہاں آپؐ نے تریسٹھ اونٹ اپنے دستِ مبارک سے قربان کئے اور باقی اونٹ حضرت علیؓ کے حوالے کئے۔ جن کی قربانی حضرت علیؓ نے کی اور آپؐ نے حضرت علیؓ کو اپنے ہدایا کے اونٹوں میں شریک فرمایا پھر آپؐ نے حکم دیا کہ قربانی کے ہر ہر اونٹ میں سے ایک ٹکڑا لیا جائے چنانچہ ہر ایک میں سے ایک ایک ٹکڑا لے کر دیگچے میں ڈالا گیا اور پکایا گیا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علیؓ دونوں نے اس گوشت میں سے تناول فرمایا اور اس کا شوربا بھی پیا — پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے اور طوافِ زیارت کے لئے بیت اللہ کی طرف روانہ ہوئے، ظہر کی نماز آپؐ نے مکے میں پہنچ کر ادا فرمائی۔ نمازِ ظہر سے فارغ ہو کر آپؐ (اپنے اہل خاندان) بنی عبدالمطلب کے پاس آئے۔ جو زمزم سے پانی کھینچ کھینچ کر لوگوں کو پلا رہے تھے، آپؐ نے ان سے فرمایا۔ ڈول نکال کر پلاؤ۔ اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ (مجھے دیکھ کر) دوسرے لوگ تم سے زبردستی یہ خدمت چھین لیں گے تو میں خود اپنے ہاتھ سے تمہارے ساتھ زمزم سے ڈول کھینچتا۔ ان لوگوں نے آپ کو ڈول بھر کر دیا۔ تو آپ نے اس میں سے نوش فرمایا۔'' [1]

---

[1] مسلم عن جعفر بن محمد عن ابیہ

جنایت کا بیان

جنایت کے لغوی معنٰی ہیں، کوئی حرام کام کرنا، گناہ کرنا، وغیرہ لیکن حج کے باب میں جنایت سے مُراد کوئی ایسا کام کرنا ہے جو حرم میں ہونے کی وجہ سے یا احرام باندھ لینے کی وجہ سے حرام ہو، اس طرح جنایت کی دو قسمیں ہو جاتی ہیں۔

(۱) جنایتِ حرم

(۲) جنایتِ احرام

آدمی سے کوئی ایسا کام سرزد ہو جائے جو حدودِ حرم میں حرام ہے یا کوئی ایسا کام سرزد ہو جائے جو حالتِ احرام میں حرام ہے دونوں کی تلافی کے لئے کفارے اور قربانی کے کچھ الگ الگ احکام ہیں جن کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

حرمِ مکّہ اور اس کی عظمت

روئے زمین پر سب سے مقدس، سب سے زیادہ بابرکت اور سب سے زیادہ قابل احترام وہ عمارت ہے جس کو خدا نے ''اپنا گھر'' قرار دیا ہے، جو توحید اور نماز کا مرکز ہے اور رُوئے زمین پر وہ سب سے پہلی عمارت ہے جس کو خدا کی عبادت کے لئے تعمیر کیا گیا ہے، جو ہدایت و برکت کا سرچشمہ ہے اور ساری انسانیت کا مرجع اور پناہ گاہ ہے۔

پھر یہ بیت اللہ جس مبارک مسجد کے درمیان میں واقع ہے اس کو مسجدِ الحرام (یعنی قابلِ احترام مسجد) کہا گیا ہے، اور اس کو تمام دُنیا کی مسجدوں سے افضل ہی نہیں بلکہ اصل مسجد قرار دیا گیا ہے، رُوئے زمین کی دوسری مسجدوں میں اسی لئے نماز صحیح ہے کہ وہ اس مسجدِ حرام کے قائم مقام ہیں اور اسی کی طرف ان سب کا رُخ ہے، مسجد الحرام کی عظمت یہ ہے کہ اس میں ایک نماز پڑھنے والے کو ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا ہے۔ (ابن ماجہ)

خدا کا گھر اور مسجدِ الحرام، جس مبارک شہر میں واقع ہے اس کو "بلد اللہ الحرام" (اللہ کا حرمت والا شہر) کہا گیا ہے، اور خدا کے رسولؐ نے اس کو روئے زمین کے تمام شہروں سے بہتر اور اللہ کی نظر میں تمام بستیوں میں زیادہ محبوب بتایا ہے، نیز آپ نے اس کو نہایت پاکیزہ، دل پسند اور اپنا محبوب ترین شہر قرار دیا ہے۔ اور یہاں تک فرمایا ہے کہ اگر میری قوم کے لوگ مجھے یہاں سے نکلنے پر مجبور نہ کرتے تو میں تجھے چھوڑ کر کہیں سکونت اختیار نہ کرتا۔ (جامع ترمذی)

پھر اللہ تعالیٰ نے نہ صرف اس شہر مکہ ہی کو حرم قرار دیا ہے بلکہ اس کی ہر ہر سمت میں کئی کئی کلومیٹر کے علاقے کو حُدودِ حرم میں داخل فرما کر "حرم" (یعنی واجب الاحترام علاقہ) قرار دیا ہے، اور اس کی عظمت واحترام کے کچھ آداب واحکام مقرر فرمادئے ہیں، اِن حدود میں بہت سے وہ کام اس علاقے کی حرمت کے تعلق سے حرام اور ناجائز ہیں جو باقی ساری دُنیا میں جائز اور مباح ہیں۔

حرم کے یہ حدود پہلے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے مقرر فرمائے تھے اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہدِ رسالت میں ان حدود کی تجدید فرمائی۔ یہ حدود معلوم اور معروف ہیں مدینے کی جانب تقریبا ۵ کلومیٹر تک حرم کی حد ہے، یمن کی سمت میں تقریباً گیارہ کلومیٹر، طائف کی سمت میں بھی تقریباً گیارہ کلومیٹر اور تقریباً اتنے ہی کلومیٹر تک عراق کی جانب بھی حرم کی حد ہے اور جدے کی طرف تقریباً سولہ کلومیٹر تک حرم کی حد ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت معاویہؓ نے بھی اپنے اپنے دَور میں اس حد بندی کی تجدید فرمائی اور اب یہ حدود معلوم ومعروف ہیں، حدودِ حرم کی عظمت وعزت خدا اور اس کے دین سے تعلق اور وفاداری کی علامت ہے اور اُمت بحیثیت مجموعی جب تک اس عظمت واحترام کو باقی رکھے گی اس پر خدا کی حفاظت اور رحمت کا سایہ ہوگا اور وہ دُنیا میں رفعت اور سربلندی کی زندگی گزارے گی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"میری یہ اُمت جب تک حرمِ مقدّس کی عظمت واحترام کا حق ادا کرتی رہے گی بخیر رہے گی اور جب وہ اس کا احترام اور اس کا احساس ضائع کردے گی تباہ وبرباد ہوجائے گی۔" (ابن ماجہ)

جنایاتِ حرم

(۱) حرم کی خودرَو گھاس، پیڑ، پودے اور ہرا بھرا سبزہ کاٹنا یا اُکھاڑنا جنایت ہے، اگر یہ کسی کی ملکیت نہ ہوں تو اس کا کفارہ صرف یہ ہے کہ اس کی قیمت راہِ خدا میں خرچ کردی جائے اور اگر یہ کسی کی ملکیت ہوں تو پھر دوگنی قیمت ادا کرنا واجب ہے، صدقہ بھی کرنا ہوگا اور مالک کو بھی قیمت دینا پڑے گی۔

(۲) اذخر[۱] کاٹنے یا اُکھاڑنے کی اجازت ہے۔ حضرت عباسؓ کے مطالبے پر آپؐ نے اذخر کاٹنے کی اجازت دے دی تھی۔

(۳) خودرَو پودے چاہے وہ جھاڑ جھنکاڑ ہی کیوں نہ ہوں اُن کا کاٹنا یا اُکھاڑنا بھی جنایت ہے۔

(۴) جو پیڑ پودے خودرَو نہ ہوں بلکہ بوئے اور لگائے گئے ہوں، اُن کو توڑنا جنایت نہیں، اسی طرح کسی درخت کے چند پتّے توڑنا بھی جنایت نہیں، بشرطیکہ یہ کسی کی ملکیت نہ ہوں، اگر کسی کی ملکیت کے ہوں تو اس کی اجازت کے بغیر نہ توڑے جائیں ہاں مالک خود توڑے تو جنایت نہیں ہے۔

(۵) حرم کے شکار کا قتل کرنا بھی جنایت ہے۔ قتل کرنے والے کو اس کا تاوان دینا ہوگا۔

(۶) حرم کے پرندے کے انڈے توڑنا یا بھون لینا بھی جنایت ہے، اسی طرح حرم کی ٹڈّیاں مارنا بھی جنایت ہے۔

(۷) اگر کسی کے پاس کوئی شکار ہو اور وہ شخص حرم میں داخل ہو رہا ہو تو اس پر واجب ہے کہ وہ اس شکار کو چھوڑ دے، ہاں اگر شکار رسی میں بندھا ہو اور رسی اس کے ہاتھ میں ہو یا شکار کسی پنجرے اور کٹہرے میں بند ہو تو اس کا چھوڑنا واجب نہیں۔

(۸) میقات سے احرام باندھے بغیر حرم میں داخل ہونا بھی جنایت ہے اور ایسے شخص پر

---

[۱] ایک قسم کی خوشبودار گھاس ہے جس کو لوہار لوگ بھی استعمال کرتے تھے اور چھتوں پر بھی ڈالی جاتی تھی۔

ایک قربانی واجب ہے۔

(۹) حرم کے حدود میں ان موذی جانوروں کا مارنا جنایت نہیں۔ بھیڑیا، سانپ، بچھو، چوہا یعنی بلوں میں رہنے والے جانور، کچھوا، چھپکلی، مچھر، کھٹمل، پسو، مکھی، بھڑ، چیونٹی، اور وہ جانور جو حملہ کریں اور ان کے حملے سے بچنے کے لئے ان کو مار ڈالنا ناگزیر ہو۔

(۱۰) حرم سے باہر حلق یا تقصیر کرانا بھی جنایت ہے اور اس سے ایک قربانی واجب ہوگی۔

جنایاتِ احرام

احرام کی جنایات تین قسم کی ہو سکتی ہیں۔

(۱) جن میں دو قربانیاں واجب ہیں۔

(۲) جن میں صرف ایک قربانی واجب ہے۔

(۳) جن میں صرف صدقہ واجب ہے۔

وہ جنایات جن میں دو قربانیاں واجب ہیں

مَرد اگر کوئی گاڑھی خوشبو یا گاڑھی مہندی سر میں لگالے اور ایک شب و روز وہ لگی رہے، پورے سر میں لگائے یا چوتھائی سر میں، اس پر دو قربانیاں واجب ہونگی البتہ کوئی خاتون ایسا کرے تو ایک ہی قربانی واجب ہوگی۔

وہ سارے جنایات جن سے حجِ اِفراد کرنے والے پر ایک قربانی واجب ہوتی ہے اُن سے قارن پر دو قربانیاں واجب ہوتی ہیں۔

حجِ تمتع کرنے والا اگر ہدی کا جانور ساتھ لایا ہو تو اس پر ان ساری جنایات میں دو قربانیاں واجب ہوں گی جن سے مفرد پر ایک قربانی واجب ہوتی ہے۔

وہ جنایات جن میں ایک قربانی واجب ہے

صرف دوصورتوں میں اونٹ یا گائے کی قربانی واجب ہوتی ہے اس کے علاوہ جہاں جہاں قربانی کا ذکر آیا ہے اس سے مُراد بکری یا بھیڑ کی قربانی ہے۔

(۱) طوافِ زیارت اگر کوئی جنابت کی حالت میں کرلے تو ایک اونٹ یا گائے کی قربانی واجب ہوگی۔

(۲) وقوفِ عرفات کے بعد طوافِ زیارت اور حلق یا تقصیر سے پہلے اگر مباشرت کرلی تو اونٹ یا گائے کی قربانی واجب ہوگی۔ان دونوں صورتوں کے علاوہ باقی صورتوں میں بکری یا بھیڑ کی قربانی واجب ہوگی۔

(۳) ''طواف کے واجبات[۱]'' میں سے کوئی بھی واجب ترک کردیا جائے تو ایک قربانی واجب ہے۔

ممنوعاتِ احرام سے بچنا بھی طواف کے واجبات میں سے ہے ان میں سے بعض ممنوعات میں وجوبِ قربانی کے تعلق سے کچھ مسائل ہیں ذیل میں ان کو بیان کیا جاتا ہے۔

(۴) اگر زیادہ خوشبو کا استعمال کیا تو ایک قربانی واجب ہے اور اگر تھوڑی سی خوشبو استعمال کی لیکن جسم کے کسی بڑے عضو پر مثلاً سر، ہاتھ، پیر وغیرہ پر ملی تب بھی ایک قربانی واجب ہے۔

(۵) اگر ایک ہی مجلس میں پورے بدن پر خوشبو لگائی تو ایک ہی قربانی واجب ہے اور اگر مختلف مجلسوں میں پورے بدن پر لگائی تو ہر مرتبہ کے عوض قربانی واجب ہوگی۔

(۶) خوشبو لگانے کے بعد قربانی تو کرلی لیکن خوشبو زائل نہیں کی تو پھر قربانی کرنا ہوگی۔

(۷) خوشبودار لباس پہنا اور دن بھر پہنے رہا تو ایک قربانی واجب ہوگی۔

(۸) رقیق مہندی سر، ڈاڑھی یا ہاتھ پیر میں لگائی تو ایک قربانی واجب ہوگی۔

---

[۱] طواف کے واجبات صفحہ ۲۱۰ پر دیکھئے

(۹) سلے ہوئے کپڑے پہننے میں قربانی واجب ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ ایک دن یا ایک رات پہنے رہے، اس سے کم وقت پہننے سے قربانی واجب نہ ہوگی بلکہ صرف صدقہ واجب ہوگا۔اسی طرح یہ بھی شرط ہے کہ سلے ہوئے کپڑے کو رواج کے مطابق پہنے اگر کوئی اپنا کرتہ یا شیروانی یونہی کندھے پر ڈال لے اور ہاتھ آستینوں میں نہ ڈالے تو کوئی جنایت نہیں ہے۔

نجاستِ حکمی سے پاکی حاصل کئے بغیر طواف کرنے میں بھی وجوبِ قربانی کے تعلق سے کچھ مسائل ہیں ذیل میں ان کو بیان کیا جاتا ہے۔

(۱۰) طوافِ زیارت کے علاوہ کوئی بھی طواف حالتِ جنابت میں کیا جائے تو ایک قربانی واجب ہوگی۔

(۱۱) طوافِ زیارت حدثِ اصغر کی حالت میں کیا جائے تو ایک قربانی واجب ہوگی اور عمرے کا طواف بھی حدثِ اصغر کی حالت میں کرنے سے ایک قربانی واجب ہوگی۔

(۱۲) طوافِ زیارت کے زیادہ سے زیادہ تین شوط ترک کر دینے سے قربانی واجب ہے اور اگر تین شوط سے زیادہ ترک کر دئے تو پھر قربانی سے اس کی تلافی نہ ہوگی بلکہ دوبارہ طواف کرنا ہوگا۔

(۱۳) واجباتِ حج میں سے کوئی واجب ترک کر دیا جائے تو ایک قربانی واجب ہے۔

(۱۴) مفرد حلق یا تقصیر یا طوافِ زیارت دسویں ذی الحجہ کے بعد کرے تو قربانی واجب ہوگی۔

(۱۵) قارن ذبح سے پہلے یا رَمی سے پہلے حلق کرا لے تو ایک قربانی واجب ہوگی۔

وہ جنایات جن میں صرف صدقہ واجب ہے

(۱) خوشبو کا استعمال اس مقدار میں کیا جائے جس سے قربانی واجب نہیں ہوتی تو ایسی صورت میں صدقہ[۱] واجب ہوگا۔مثلاً ایک عضو سے کم میں خوشبو لگائی، یا لباس میں ایک بالشت

۱؎ صدقہ سے مُراد ایک شخص کا صدقۂ فطر ہے جو اسّی روپے والے سیر کے حساب سے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

مربع سے کم جگہ میں لگائی یا زیادہ لگائی لیکن لباس کو پورے ایک دن یا پورے ایک رات استعمال نہیں کیا۔

(۲) سلا ہوا لباس ایک دن یا ایک رات سے کم پہنا یا اتنے ہی وقت کے لئے سر ڈھانک لیا تو ایک صدقہ واجب ہوگا۔ اور اگر معمولی سے وقت کے لئے سر ڈھانکا یا سلا ہوا کپڑا پہنا مثلاً ایک گھنٹہ سے بھی کم تو ایک مٹھی آٹا دینا کافی ہے۔

(۳) طوافِ قدوم یا طوافِ وداع یا اور کوئی نفلی طواف حدثِ اصغر کی حالت میں کرنے سے ایک صدقہ واجب ہوگا۔

(۴) طوافِ قدوم یا طوافِ وداع یا سعی کے تین یا تین سے کم شوط ترک کردئے تو ہر شوط کے عوض میں ایک صدقہ واجب ہوگا۔

(۵) ایک دن میں جس قدر رَمی واجب ہے ان میں سے آدھی سے کم ترک کردے مثلاً ۱۰/ ذوالحجہ کو جمرہ عقبہ کی سات رمی واجب ہیں، ان میں سے کوئی شخص تین رمی ترک کردے تو ہر کنکری کے بدلے ایک صدقہ واجب ہوگا۔

(۶) کسی دوسرے شخص کے سر یا گردن کے بال بنادئے، چاہے یہ دوسرا شخص محرم ہو یا غیر محرم ایک صدقہ واجب ہوگا۔

(۷) پانچ ناخن کٹوائے یا پانچ سے زیادہ لیکن کسی ایک ہاتھ پیر کے نہیں بلکہ متفرق طور سے کٹوائے تو ایک صدقۂ فطر واجب ہوگا۔

اصولی ہدایات

(۱) اگر ایک ہی صدقہ کی قیمت یا چند واجب صدقات کی قیمت ایک قربانی کے برابر

(پچھلے صفحہ کا بقیہ) ایک کلو ایک سو دس گرام کے برابر ہے، (علم الفقہ ج ۴ ص ۱۵) اور بہشتی زیور میں ایک شخص کا صدقۂ فطر ایک سیر ساڑھے بارہ چھٹانک بتایا گیا ہے۔

ہو جائے، چاہے قربانی کے جانور ارزاں ہونے کی وجہ سے ہو یا چند صدقات کی قیمت اتنی ہو جائے کہ قربانی کے برابر ہو جائے تو اس قیمت میں سے اتنی رقم کم کر لینا چاہئے کہ بقیہ رقم قربانی کی قیمت سے کم رہ جائے۔

(۲) حج کے واجبات میں سے کوئی واجب اگر کسی عذر کے بغیر ترک کیا جائے تو قربانی واجب ہے اور اگر عذر[1] کی وجہ سے چھوڑ دیا جائے تو نہ قربانی واجب ہے اور نہ صدقہ۔

(۳) احرام کی حالت میں جو کام ممنوع ہیں ان کو کر لینے سے بعض صورتوں میں قربانی واجب ہوتی ہے اور بعض صورتوں میں صدقہ (جیسا کہ جنایات کی اقسام کے بیان سے واضح ہوا) قربانی واجب ہونے کی صورت میں یہ بھی اختیار ہے کہ قربانی کے بجائے چھ مسکینوں کو ایک ایک صدقہ[2] دے دیا جائے اور یہ بھی اختیار ہے کہ جب اور جہاں چاہے صرف تین روزے رکھ لے۔ صدقہ واجب ہونے کی صورت میں اختیار ہے کہ صدقہ کے بجائے ایک روزہ رکھ لے۔

شکار کی جزا

ممنوعاتِ احرام میں سے وحشی جانور کا شکار بھی ہے، شکار کرنا بھی ممنوع ہے اور شکار کرنے والے کی اعانت کرنا بھی ممنوع ہے، وحشی کا شکار کرنے سے جزا لازم آتی ہے۔ جزا کے لغوی معنٰی بدلے کے ہیں اور شکار کے باب میں اس سے مراد شکار کی وہ قیمت ہے جو دو مُنصف مزاج صاحبِ نظر اور معاملہ فہم افراد تجویز کریں، قرآنِ پاک میں ہے:۔

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَقْتُلُوا۟ ٱلصَّيْدَ وَأَنتُمْ حُرُمٌ ۚ وَمَن قَتَلَهُۥ مِنكُم مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ ٱلنَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِۦ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ هَدْيًۢا بَـٰلِغَ ٱلْكَعْبَةِ أَوْ كَفَّـٰرَةٌ طَعَامُ مَسَـٰكِينَ أَوْ عَدْلُ ذَٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوقَ

[1] عذر کی مثالیں، بخار، سردی کی شدت، زخم، سر میں درد وغیرہ پھر عذر میں یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ ہر وقت رہے، نہ یہ ضروری ہے کہ اس سے جان جانے کا خطرہ ہو۔ [2] صدقہ سے مُراد ایک شخص کا صدقۂ فطر ہے۔

وَبَالَ اَمْرِہٖ۔ (المائدہ - ۵۹)

''اے ایمان والواحرام کی حالت میں شکار مت مارو، اور تم میں سے کوئی جان بوجھ کر اگر شکار مارلے تو جو جانور اُس نے مارا ہے اس کے ہم پلہ ایک جانور نذر دینا ہوگا جس کا فیصلہ تم میں سے دو عادل افراد کریں گے اور یہ ہدی کعبہ بھیجی جائے گی یا اس جنایت کے کفارے میں چند مسکینوں کو کھانا کھلانا ہوگا یا اس کے بقدر روزے رکھنے ہوں گے تا کہ وہ اپنے کئے کا مزہ چکھ لے۔''

اس آیت میں جس چیز کو حرام قرار دیا ہے وہ خشکی کا شکار ہے، بحری شکار حالتِ احرام میں جائز ہے چاہے اس کا کھانا جائز ہو یا نہ ہو، قرآن کی صراحت ہے۔

اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَادُمْتُمْ حُرُمًا ؕ

تمہارے لئے سمندر کا شکار اور اس کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے تمہارے لئے قیام کی صورت میں بھی اور قافلے والوں کے لئے زادِ راہ کے طور پر بھی۔ البتہ خشکی کا شکار جب تک تم حالت احرام میں ہو تم پر حرام کیا گیا ہے۔

شکار اور جزا کے مسائل

(۱) خود شکار کرنا بھی ممنوع ہے اور شکار کرنے والے کی مدد کرنا بھی ممنوع ہے، جس طرح شکار کرنے والے پر جزا ہے اسی طرح مدد کرنے والے پر بھی جزا ہے۔

(۲) اگر کئی مُحرم مل کر ایک شکار ماریں یا ایک مارے اور چند مدد کریں تو سب پر الگ الگ جزا واجب ہوگی۔

(۳) اگر ایک مُحرم کئی شکار مارے تو جتنے شکار مارے گا اتنی ہی جزائیں واجب ہوں گی۔

(۴) صرف وحشی جانور کا شکار کرنے سے جزا واجب ہوتی ہے، پالتو جانوروں کے مارنے سے جزا واجب نہیں ہوتی مثلاً کوئی شخص بکری، گائے، اونٹ، مرغی وغیرہ کو مار دے تو اس سے جزا

خواتین کا احرام

خواتین کو اللہ نے بڑی سہولت دی ہے ان کا احرام بس یہ ہے کہ وہ احرام میں اپنا چہرہ کھلا رکھیں باقی سلے ہوئے کپڑے بدستور پہنی رہیں، دوپٹے سے سر بھی ڈھانکیں، البتہ غیر محرموں کی نگاہ سے بچنے کے لئے وہ پنکھے یا دفتی وغیرہ سے اوٹ کر سکتی ہیں اور ہاتھوں کو بھی کپڑوں سے چُھپا سکتی ہیں مگر دستانے نہ پہنیں۔

احرام کے بعد

عمرے کی نیت کر کے تلبیہ پڑھتے ہی احرام بندھ گیا، اب زائرینِ حرم پورا پورا اہتمام کریں کہ کوئی کام احرام کے خلاف نہ ہونے پائے۔ احرام کی حالت میں جو کام ممنوع ہیں، ان سے سختی کے ساتھ پرہیز کرنے کی کوشش کریں۔[1]

حدود حرم میں داخلہ

جدّے سے مکہ معظّمہ کے لئے روانہ ہونے کے بعد جب مکہ صرف ۱۶ کلومیٹر کے فاصلے پر رہ جاتا ہے تو ایک مقام آتا ہے جس کو شمسیہ کہتے ہیں یہی وہ تاریخی مقام ہے جہاں ۶ھ میں کفارِ مکہ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جاں نثار ساتھیوں کو عمرہ کرنے سے روک دیا تھا، اور اسی مقام پر وہ تاریخی صلح ہوئی تھی جسے اسلامی تاریخ میں صلح حُدیبیہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور جو اسلامی تحریک کی کامیابی کی کلید تھی —— اس مقام پر پہنچ کر زائرینِ حرم حُدودِ حرم میں داخل ہو جاتے ہیں، زائرینِ حرم پر عجیب والہانہ کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور اشتیاق و محبت میں سرمست ہو کر جب لبیک اللھم لبیک کی پُر جوش صدا بلند کرتے ہیں تو ایمان میں تازگی محسوس

---

[1] احرام میں ممنوع کام دیکھئے صفحہ ۱۹۴ پر۔

ہونے لگتی ہے — اور جو لوگ اللہ کی ہیبت وجلال سے لرزلرز جاتے ہیں، اس وقت زائرینِ حرم کی زبانوں پر بے اختیار یہ دُعا جاری ہونی چاہئے۔

"اے اللہ یہ تیرا اور تیرے رسولِ پاکؐ کا حرم ہے یہاں جانوروں کے لئے بھی امن ہے تو اس کی برکت سے میرے گوشت پوست اور میرے سارے جسم پر دوذخ کی آگ حرام کردے اور قیامت کے عذاب سے مجھے امن عطا فرما۔"

پھر جب زائرینِ حرم مکہ معظّمہ میں داخل ہو جائیں تو اشتیاق ومحبت کے والہانہ جذبات کے ساتھ بلند آواز سے تلبیہ پکاریں اور شکرِرب کے جذبات سے سرشار ہوکر خوشی کے آنسو بہائیں کہ پروردگار تونے اپنے کرم سے یہ دن دکھایا کہ ہم تیرے مبارک شہر میں موجود ہیں، اس کے بعد مسجدِ حرام میں پہنچنے کی تیاری کریں۔

مسجد حرام میں حاضری

نہایت خشوع وخضوع اور ڈرتے لرزتے شوق ومحبت سے سرشار لبیک کہتے ہوئے مسجدِ حرام کی طرف بڑھیں، اور بَا بُ السَّلَام سے بِسْمِ اللّٰهِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ۔ کہتے ہوئے پہلے دایاں پاؤں اندر رکھیں اور یہ دُعا پڑھیں:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِىْ ذُنُوْبِىْ وَافْتَحْ لِىْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ [1]

"اے اللہ میرے تمام گناہوں کو بخش دے اور میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔"

زائرینِ حرم کس قدر خوش نصیب ہیں اب ان کی نگاہوں کے سامنے خدا کا وہ مبارک گھر ہے، جس کی طرف رُخ کرکے وہ عمر بھر نمازیں پڑھتے رہے ہیں، بیت اللہ پر نظر پڑتے ہی بے اختیار یہ کلمات زبان سے ادا کریں۔

---

[1] مسجدِ حرام میں داخلہ کے لئے کوئی مخصوص دُعا منقول نہیں ہے۔ یہ وہی دُعا ہے جو ہر مسجد میں داخل ہوتے وقت پڑھنی چاہئے۔

اَللّٰهُمَّ زِدْ هٰذَا الْبَيْتَ تَشْرِيْفًا وَّتَعْظِيْمًا وَّمَهَابَةً وَّبِرًّا [1]

''اے اللہ! تو اس گھر کی بزرگی اور عظمت اور بڑھا دے اور اس کی ہیبت اور بھلائی میں مزید اضافہ فرمادے۔''

اب خوش بخت زائرین اپنے رب کے خاص گھر کے سامنے کھڑے ہیں جو چاہیں مانگیں، گڑگڑا گڑگڑا کر مانگیں، اپنے قصوروں کو معاف کرائیں آئندہ کے لئے عہد و پیمان باندھیں، صحت، توانائی، خوش حالی، خدمتِ دین، استقامت، خاتمہ بالخیر کی دُعائیں مانگیں مگر ایک حقیقت ہمہ وقت نگاہوں کے سامنے رہے کہ زائرِ حرم کی حقیقی منزل آخرت ہے اور وہیں کی کامیابی اصل کامیابی ہے۔ اس لئے دونوں جہان کی بھلائی اور کامیابی کی دُعائیں کرتے رہیں، اور یہ دُعا برابر وردِ زبان رکھیں۔

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝

''اے ہمارے رب! ہمیں دُنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور ہمیں آتشِ جہنم سے بچالے۔''

اور یہ مسنون دُعا بھی پڑھے:

اَعُوْذُ بِرَبِّ الْبَيْتِ مِنَ الدَّيْنِ وَالْفَقْرِ وَمِنْ ضِيْقِ الصَّدْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ۔

''میں اس گھر کے رب کی پناہ چاہتا ہوں، قرض سے، افلاس سے، دل کی تنگی سے اور قبر کے عذاب سے۔''

طوافِ عمرہ

عمرے کا طواف کرنے کے لئے حجرِ اسود کے پاس آئیں اور بیت اللہ کی طرف رُخ کر کے

---

[1] مسند شافعیؒ

کھڑے ہوں، پھر حجرِ اسود کی طرف رُخ کر کے دونوں ہاتھ کانوں کی طرف اُٹھائیں اور کہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ۔

''اللہ کے نام سے اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور اللہ سب سے بڑا ہے۔''

اور طوافِ عمرہ کی نیت کریں، پھر حجرِ اسود کو بوسہ دیں، بھیڑ بھاڑ زیادہ ہو تو دھینگا مشتی نہ کریں، ممکن ہو تو سنجیدگی کے ساتھ صرف ہاتھ سے چھونے پر اکتفا کریں، اس کا بھی موقع نہ ہو تو دُور سے دونوں ہتھیلیاں حجرِ اسود کی طرف کر کے چوم لیں۔ یہی حجرِ اسود کا استلام ہے۔

اضطباع

اس طواف کے بعد چونکہ سعی کرنا ہے اس لئے اضطباع بھی کریں اور رمل بھی، یعنی سیدھے بازو کے نیچے سے احرام کی چادر نکال کر بائیں کندھے، پر ڈال لیں اور دایاں بازو کھول لیں، اور سینہ تان کر پہلے تین چکروں میں ذرا تیز چال چلیں۔ یہی سپاہیانہ شان خدا کو پسند ہے، اور یہی مومن سے مطلوب ہے، وہ دین کی آبرو کی حفاظت میں ہمہ وقت مستعدی اور فداکاری کا ثبوت دے۔

طواف اپنی داہنی جانب سے شروع کریں، طواف شروع کرتے ہی ملتزم آئے گا حجرِ اسود اور بیت اللہ کے درمیانی دیوار کے حصے کو ملتزم کہتے ہیں، داہنی جانب مقامِ ابراہیم ہے جس گوشے میں حجرِ اسود نصب ہے اُسے رُکن ہندی کہتے ہیں، اس سے اگلے گوشے کا نام رُکنِ شامی ہے۔ اور اسی سے ملا ہوا حطیم کا حصہ ہے جسے طواف میں شامل رکھ کر اس کے باہر باہر طواف کرنا ہوتا ہے۔ اس کے بعد کے گوشے کا نام رُکنِ عراقی ہے اور اُس کے بعد کے گوشے کو رُکنِ یمانی کہتے ہیں، حجرِ اسود کا استلام سنت ہے اور رُکنِ یمانی کا استلام یعنی رُکنِ یمانی پر ہاتھ پھیرنا مستحب ہے۔ اگر بھیڑ بھاڑ نہ ہو ورنہ دُور سے صرف اشارہ کافی ہے۔

رُکنِ یمانی کا استلام کرتے ہوئے یہ دُعا پڑھیں اور حجرِ اسود کی طرف چلتے رہیں۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَۃَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّار (ابن ماجہ)

’’اے اللہ میں تجھ سے دُنیا اور آخرت میں درگزر اور عافیت کا طالب ہوں، پروردگار ہم کو دُنیا میں بھی بھلائی عطا فرما، اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما، اور ہم کو جہنم کے عذاب سے بچا۔‘‘

طواف کے دوران ان تمام مذکورہ مقام پر نگاہ رکھیں۔[1]

طواف حجرِ اسود کے استلام سے شروع ہوتا ہے، اور حجرِ اسود پر آکر ایک شوط یعنی ایک چکر پورا ہو جاتا ہے اب پھر استلام کر کے اسی طرح طواف کریں پہلے تین چکروں میں رمل کرتے رہیں۔ بعد کے چار چکروں میں رمل کی ضرورت نہیں ہے معمول کی رفتار کے ساتھ طواف کر کے سات چکر پورے کریں۔ سات بار طواف کر لینے کے بعد مقامِ ابراہیم پر آئیں۔

مقامِ ابراہیمؑ

مقامِ ابراہیم پر آکر نہایت خشوع اور توجہ کے ساتھ یہ آیت پڑھیں:

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاھِیْمَ مُصَلّٰی

’’اور ابراہیمؑ کے مقام کو سجدہ گاہ بنالو۔‘‘

اور دو رکعت نمازِ شکر ادا کریں، طواف کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا واجب ہے ان دونوں رکعتوں میں قُلْ یٰاَیُّھَا الْکَافِرُوْنَ اور قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ پڑھنا مستحب ہے۔

ملتزم پر حاضری

مقامِ ابراہیم پر دو رکعت نماز پڑھ کر اور اللہ کا شکر ادا کر کے کہ اُس نے اپنے مبارک گھر کی

---

[1] طواف کی مزید دُعائیں صفحہ ۲۱۲ پر دیکھیں۔

زیارت کرائی ملتزم پر حاضری دیں اور ملتزم سے لپٹ لپٹ کر دونوں بازو پھیلا پھیلا کر ہتھیلیاں دیوارِ کعبہ پر رکھیں اس سے کبھی دایاں رُخسار رگڑیں کبھی بایاں رُخسار رگڑیں۔ یہ رب کی چوکھٹ ہے اس پر روئیں، توبہ و استغفار کریں، پچھلے گناہ معاف کرائیں آئندہ کے لئے عہد و پیمان کریں، استقامت کی دُعائیں مانگیں، صحت و توانائی کی دُعائیں مانگیں، رزق کی کشادگی اور عافیت کی دُعائیں مانگیں۔ اپنے ماں باپ اور اساتذہ کی مغفرت کی دُعائیں مانگیں، ماں باپ اور اساتذہ زندہ ہوں تو اس چوکھٹ پر حاضری کی توفیق کی دُعائیں مانگیں۔ رشتہ داروں، عزیزوں اور دوستوں کے لئے دُعائیں مانگیں، اور یہ دُعا مانگیں کہ پروردگار آئندہ زندگی میں گناہوں سے بچنے اور سچائی پر قائم رہنے کی قوت عطا فرما۔

غرض اپنے رب کی اس چوکھٹ سے اسی وقت ہٹیں جب دین و دُنیا کی ساری مرادیں مانگ لیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ملتزم سے اس طرح لپٹ جاتے تھے جس طرح بچہ اپنی ماں سے لپٹ جاتا ہے، ملتزم پر دُعا مانگنا مسنون ہے اور نبیؐ کا ارشاد ہے کہ "جو کوئی بھی مصیبت کا مارا اور آفت رسیدہ شخص یہاں پر دُعا مانگے گا وہ ضرور عافیت پائے گا۔"[1]

زمزم کا پانی

ملتزم پر اپنی مرادوں سے جھولی بھر کر اور بامراد ہو کر زمزم پر آئیں۔ اور بیت اللہ کی طرف رُخ کر کے کھڑے ہو کر اور بسم اللہ پڑھ کر تین سانسوں میں اطمینان کے ساتھ زمزم پئیں، اتنا پئیں کہ پسلیاں تن جائیں، اور خوب ہی سیراب ہو جائیں، پھر دُعا مانگیں، حضرت عبداللہ بن عباسؓ زمزم پینے کے بعد یہ دُعا پڑھا کرتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسْئَلُکَ عِلْمًا نَافِعًا وَعَمَلًا مُتَقَبَّلًا وَرِزْقًا وَاسِعًا وَشِفَاءً مِّنْ کُلِّ دَاءٍ (متدرک حاکم)

[1] ابوداؤد باب الملتزم

''اے اللہ میں تجھ سے نفع بخش علم کا سوالی ہوں، مقبول عمل کا سوالی ہوں، کشادہ روزی کا طالب ہوں، اور ہر مرض سے شفا کا خواستگار ہوں۔''

زمزم کو پینے کے ساتھ ساتھ منہ پر اور جسم پر بھی ملے، اور اگر جسم میں کوئی بیماری ہو تو دُعا کرتے ہوئے ملے۔

سعی

زمزم کے پانی سے خوب سیراب ہونے کے بعد سعی کرنے کے لئے پہلے حجر اسود کے پاس آئیں حجرِ اسود کا استلام کریں، موقع ہو تو بوسہ دینے کی سعادت ضرور حاصل کریں ورنہ ہاتھوں کے اشاروں سے استلام کریں اور حرم کے باب الصّفا سے نکل کر صَفا پہاڑی پر پہنچیں اور وہ کلمات کہیں جو اس موقع پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کہے تھے:

اِنَّ الصَّفَاوَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ أَبْدَءُ بِمَا بَدَءَ اللّٰهُ بِهٖ۔ (مسلم)

''بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں، —— میں اسی سے آغاز کرتا ہوں جس کا ذکر اللہ نے پہلے فرمایا ہے۔''

پھر صفا کی پہاڑی پر اتنی اونچائی تک چڑھ جائیں کہ اللہ کا گھر پوری طرح نگاہوں کے سامنے ہو اور پھر دونوں ہاتھوں کو مونڈھوں تک اُٹھا کر تین بار اللہ اکبر کہیں اور پھر یہ دُعا پڑھیں، یہاں دُعا مانگنا مسنون ہے۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ لَآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ اَنْجَزَ وَعْدَهٗ، وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ (مسلم)

''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اقتدار اسی کا حق ہے، حمد اسی کے لئے ہے اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے اللہ واحد کے سوا کوئی معبود نہیں اس نے اپنا وعدہ پورا

کر دکھایا اور اس نے اپنے بندے کی مدد فرمائی، اس نے تنہا تمام کافر لشکروں کو شکست دی۔"

پھر درود شریف پڑھ کر جو دُعائیں مانگنی ہوں مانگیں، یہ قبولیتِ دُعا کی جگہ ہے اور یہاں دُعا مانگنا مسنون ہے، پھر یہ دُعا بھی پڑھیں:

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ قُلْتَ اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ وَاِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ كَمَا هَدَيْتَنِیْ لِلْاِسْلَامِ اَنْ لَّا تَنْزِعَهٗ مِنِّیْ حَتّٰى تَوَفَّانِیْ وَاَنَا مُسْلِمٌ　　(مسلم)

"اے اللہ تیرا ارشاد ہے کہ مجھ سے مانگو میں قبول کروں گا اور تو کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا، میرا تجھ سے یہ سوال ہے کہ جس طرح تو نے مجھے اسلام لانے کی توفیق عطا فرمائی ہے تو اسی طرح تو اس سعادت کو مجھ سے کبھی دُور نہ کر یہاں تک کہ تو مجھے موت نصیب فرمائے۔ تو میرا خاتمہ اسلام پر ہو۔"

پھر صَفا سے اُتر کر مَروہ کی طرف چلے اور زبان پر یہ کلمات جاری ہوں۔

رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعَزُّ الْاَكْرَمُ　　(ابن ابی شیبہ)

"میرے رب میری مغفرت فرما اور مجھ پر رحم کر، بے شک تو انتہائی غالب اور انتہائی بزرگ ہے۔"

صفا اور مروہ کے درمیان کا میدان اب ایک طویل اور عظیم الشان دالان کی شکل میں ہے، صفا اور مروہ کے درمیان دو سبز رنگ کے ستون ملتے ہیں جن کو میلین اخضرین کہتے ہیں ان کے درمیان کسی قدر دوڑ کر چلیں ان کے درمیان دوڑنا مسنون ہے[1]۔ ان سے گزرنے کے بعد پھر معمولی رفتار سے سعی کریں۔

مروہ پر پہنچ کر ذرا بلندی پر چڑھیں اور کعبہ کی طرف رُخ کر کے وہی تکبیر اور کلماتِ

---

[1] مگر دوڑنا صرف مردوں کے لئے مسنون ہے خواتین میلین اخضرین کے درمیان بھی معمول کی رفتار سے ہی چلیں۔ دوڑیں نہیں اس لئے کہ دوڑنا پردہ پوشی میں خلل ڈالے گا۔"

حمد وثنا کہیں جو صفا پر کہے تھے اور دیر تک ذکر وتسبیح اور دُعا میں مصروف رہیں اس لئے کہ یہ قبولیتِ دُعا کا مقام ہے، یہ ایک شوط پورا ہوا، پھر مروہ سے صفا کی طرف جاتے ہوئے بھی وہی دُعائیں مانگتے رہیں جو آتے وقت مانگی تھیں اور درود شریف کا ورد بھی رکھیں اور میلین اخضرین کے درمیان دوڑتے ہوئے گزریں، اسی طرح سات شوط پورے کرنے ہیں، صفا اور مروہ پہاڑیوں کے درمیان کا یہی میدان تو ہے جہاں اللہ کے رسول اور ان کے فداکار صحابیوں کے قدم پڑے تھے، ان نشاناتِ قدم پر چلنے کا موقع اور توفیق کتنی بڑی سعادت اور خدا کی کتنی بڑی نوازش ہے۔

مطاف میں دوگانۂ شکر

سعی سے فارغ ہوکر پھر مطاف میں آئیں اور دو رکعت نمازِ شکر ادا کریں کہ رب العزۃ نے اپنے گھر کا طواف کرنے اور صفا مروہ کے درمیان سنتِ رسولؐ کے مطابق دوڑنے کی توفیق عطا فرمائی۔ یہ نماز مسنون ہے۔

حلق یا قصر

دو رکعت نمازِ شکر ادا کرنے کے بعد عمرے کا آخری عمل، حلق یا قصر ہے۔ بال منڈوالیں یا صرف تھوڑے سے کتروالیں، خواتین سر کے کسی حصے سے بھی بقدر ایک انگل بال خود کترلیں۔ خوش نصیب زائرین حرم کا احرام ختم ہوگیا وہ حلال ہوگئے۔ احرام کی ساری پابندیاں بھی ختم ہوگئیں، عمرے کے صرف چار عمل ہیں، احرام اور طواف یہ دونوں فرض ہیں اور سعی وحلق یا قصر یہ دونوں واجب ہیں۔

عمرے کے بعد

عمرہ ادا کرنے کے بعد مکہ مکرمہ میں بھی قیام کرسکتے ہیں، اور مکے کے باہر بھی مدینہ منورہ

یا کسی اور مقام پر ایام حج کے انتظار میں قیام کر سکتے ہیں، البتہ اپنے وطن میں پڑاؤ نہ کریں، عمرے کا احرام کھولنے کے بعد اپنے وطن میں اُتر پڑنے کو المام کہتے ہیں اور حجِ تمتع کرنے والوں کے لئے المام جائز نہیں ہے۔

مکّہ مکرّمہ میں قیام

عمرے کا احرام کھولنے کے بعد اگر مکہ مکرمہ میں ہی قیام ہے تو زائرینِ حرم اپنی خوش قسمتی پر ناز کریں، ان دنوں کے ایک ایک لمحے کو زندگی کا حاصل سمجھیں خدا کے گھر کی زیارت سے آنکھیں روشن کریں، مسجدِ حرام میں جماعت سے نمازوں کا پورا پورا اہتمام کریں، تہجد کی اذان سنتے ہی مسجدِ حرام کی طرف دوڑیں اور کوشش کریں کہ تہجد کی نماز میں بھی پابندی کریں، بیت اللہ کے سائے میں بیٹھ کر تلاوت کریں ذکر و تسبیح اور تکبیر و تہلیل کریں، کثرت سے طواف کریں۔ اور اپنے شب و روز کی کوئی گھڑی غفلت میں نہ گزرنے دیں زندگی کے یہ لمحات زریں لمحات ہیں پتہ نہیں پھر یہ لمحات نصیب ہو سکیں یا نہ ہو سکیں۔

۷/ذوالحجہ یوم الزّینہ

اور زائرینِ حرم نے مکہ کے علاوہ کہیں اور قیام کیا ہے مثلاً مدینہ منورہ یا جدہ وغیرہ تو ان کو چاہئے کہ وہ ۷/ذوالحجہ تک مکہ مکرمہ واپس آجائیں حج تو ۸/ذوالحجہ سے شروع ہوتا ہے۔ لیکن ۷/ذوالحجہ کو مکہ مکرمہ میں حاضر رہنے کی مصلحت یہ ہے کہ یہ یوم الزینتہ ہے، اس دن بال اور خط وغیرہ بنوائیں، نہانے دھونے کا اہتمام کریں اور کل کے لئے آج ہی ہر طرح تیار ہو کر ظہر کی نماز مسجدِ حرام میں پڑھیں، ۷/ذوالحجہ کو مسجدِ حرام میں بعد نمازِ ظہر خطبہ ہوتا ہے، خطبے میں امام صاحب حج کے مسائل واحکام بیان کرتے ہیں یہ خطبہ غور سے سنیں، یہ خطبہ مسنون ہے، اور اس کا سننا مستحب ہے، زائرِ حرم خدا کی رضا کے لئے گھر سے نکلا ہے تو کوئی مستحب عمل بھی کیوں چھوڑے۔

حج کے پانچ دن — ۸/، ۹/، ۱۰/، ۱۱/، ۱۲/ ذوالحجہ

۸/ ذوالحجہ منیٰ کو روانگی

وہ مبارک گھڑی بھی آگئی، جس کے لئے زائرینِ حرم بے چینی سے گھڑیاں گن رہے تھے، مسجدِ حرام میں فجر کی نماز جماعت سے ادا کرکے، احرام باندھنے کی تیاری شروع کردیں، غسل کرلیں، موقع نہ ہو تو صرف وضو پر اکتفا کریں اور احرام باندھ کر مسجدِ حرام میں پہنچیں احرام کی دو رکعت نماز پڑھیں، نماز پڑھتے ہی سر کھول لیں اور حج کی نیت کریں۔

لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْحَجَّ فَیَسِّرْہُ لِیْ وَتَقَبَّلْہُ مِنِّیْ

”میں حاضر ہوں اے اللہ! میں حج کی نیت کررہا ہوں، اسے میرے لئے آسان فرمادے اور میرے اس حج کو قبول فرمالے۔“

پھر بلند آواز سے تین بار تلبیہ پڑھیں۔ تلبیہ کے بعد اپنے رب سے گڑگڑا کر دارین کی بھلائیوں اور سعادت کی دُعائیں کریں[1]، اور اس قدر آنسو بہائیں کہ دل کی سیاہی بالکل دُھل جائے اور دل صاف شفاف ہوجائے۔

سعی، منیٰ جانے سے پہلے

حج کے اعمال میں ایک بار سعی کرنا واجب ہے یہ سعی منیٰ کو روانگی سے پہلے ۸/ ذوالحجہ کو بھی کی جاسکتی ہے اور ۱۰/ ذوالحجہ کو طوافِ زیارت کے بعد بھی، بعض علماء کے نزدیک طوافِ زیارت کے بعد ہی سعی کرنا بہتر ہے، لیکن ۸ ذوالحجہ کو سعی کرلینے میں قطعاً کوئی حرج نہیں ہے، بہت سے لوگ

---

[1] تلبیہ کے بعد کی دُعا دیکھئے صفحہ ۱۹۹ پر

۸/ذوالحجہ ہی کو اس لئے سعی کر لیتے ہیں کہ ۱۰/ذوالحجہ کو خاصی تکان ہوتی ہے اور ۸/ذوالحجہ کو آدمی تازہ دم ہوتا ہے، اگر ۸/ذوالحجہ ہی کو سعی کریں، تو پہلے طواف کریں اس لئے کہ سعی طواف کے بغیر نہیں ہوتی، اور طواف میں رمل بھی کریں یعنی پہلے تین چکروں میں ذرا تیز دوڑیں اور اضطباع بھی کریں یعنی دائیں بازو کے نیچے سے احرام کی چادر نکال کر دایاں بازو کھول دیں جس طواف کے بعد سعی ہوتی ہے، اس میں رمل کرنا ضروری ہے، حج کی واجب سعی ۸/ذوالحجہ کو کر لینے کے بعد اب ۱۰/ذوالحجہ کو طوافِ زیارت کے بعد سعی کرنے کی ضرورت نہ رہے گی۔ سعی سے فارغ ہو کر قیام گاہ پر پہنچیں اور منیٰ کو چلنے کی تیاری کریں، منیٰ مکہ سے تقریباً ۵ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے، اب پانچ دن چونکہ قیام گاہ سے الگ خیموں یا میدان میں رہنا ہوگا۔ اس لئے ضرورت کا ہلکا پھلکا سامان اور کھانے پینے کی کچھ خشک چیزیں ساتھ لے لیں مزدلفے میں تو کھلے میدان میں شب گزارنی ہوگی اس لئے چادر وغیرہ بھی لے لیں۔

منیٰ جاتے ہوئے

منیٰ جاتے ہوئے برابر بلند آواز سے تلبیہ پڑھتے رہیں، ہر قافلے سے ملتے وقت اور ہر نشیب و فراز میں اُترتے چڑھتے وقت لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ کی صدائیں والہانہ انداز میں برابر بلند کرتے رہیں، اور کسی لمحے بھی ذکر و فکر اور تسبیح و تہلیل سے غافل نہ ہوں، یہ پانچ دن ایک فداکار سپاہی ایک حاضر باش خادم اور ایک سچے عاشق کی طرح والہانہ انداز میں گزاریں۔

منیٰ میں

منیٰ پہنچنے کے بعد مسجدِ خیف میں نمازِ ظہر باجماعت ادا کریں۔ یہاں ۸/ذوالحجہ کی ظہر سے ۹/ذوالحجہ کی فجر تک پانچ نمازیں ادا کرنا ہوتی ہیں، تقریباً ایک شب و روز کے اس قیام میں، جماعت سے نماز پڑھنے کا پورا اہتمام کریں، تلاوتِ قرآن، ذکر و تسبیح اور دُعاؤں میں یہ پورا وقت گزاریں۔

۹/ذوالحجہ — عرفات کو روانگی

عرفات کا میدان منٰی سے ،نو، دس کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ منٰی میں فجر کی نماز اول وقت اندھیرے میں ادا کی جاتی ہے۔اور پھر جب ذرا سورج طلوع ہو جاتا ہے تو توحید پرستوں کے سرمست قافلے میدانِ عرفات کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں اور زوال سے پہلے ہی پہنچ جاتے ہیں، زوال سے پہلے اگر موقع ہو تو تھوڑی دیر آرام کر لینا چاہئے اور غسل کرنے کو طبیعت چاہے تو غسل بھی کر لیا جائے مگر میل اُتارنے کی کوشش ہرگز نہ کی جائے۔ میدانِ عرفات میں دُور دُور تک خیمے ہی خیمے ہیں، اور سب ہی تقریباً یکساں ہیں، اس لئے بہتر یہی ہے کہ حاجی اپنے خیموں سے دُور نہ جائیں، مگر مسجدِ نمرہ میں نماز کے لئے اور جبلِ رحمت کے دامن میں دُعاؤں کے لئے تو جانا ہی ہے اس لئے بہتر ہے کہ اپنے خیموں پر کوئی نمایاں علامت اور نشانی لگائی جائے ،تاکہ ساتھی گم نہ ہو جائے۔

وقوفِ عرفات

عرفات میں وقوف کا وقت نمازِ ظہر وعصر کے بعد سے غروبِ آفتاب تک ہے،عرفات کا وقوف ہی حج کا رُکنِ اعظم اور حج کا حاصل ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے — الحج عرفۃ — حج عرفے کے وقوف ہی کا نام ہے۔عرفات میں وقوف کی اہمیت یہ ہے کہ دوسرے ارکان اگر رہ جائیں تو ان کی تلافی ممکن ہے، لیکن وقوفِ عرفات اگر رہ جائے تو اس کی تلافی ممکن نہیں ہے، وقوف رہ جائے تو حج ہی نہیں ہوتا وقوفِ عرفات کی اس اہمیت کو ذہن میں رکھ کر زائرینِ حرم اپنی سی کوشش کریں کہ وقوفِ عرفات کا حق ادا ہو جائے۔

عرفات کا میدان، دراصل میدانِ حشر کا نمونہ ہے،کل آنکھ بند ہونے کے بعد جو کچھ ہونے والا ہے،عرفات کے میدان میں آج کھلی آنکھوں سے آدمی دیکھ لیتا ہے۔ایک ہی لباس میں

لاکھوں بندے ،فقر و بیچارگی کا پیکر بنے کھڑے ہیں،طویل و عریض میدان میں جب لاکھوں انسان ایک ہی انداز کا لباس پہنے عجز و احتیاج کی تصویر بنے ہر ایک سے بے نیاز صرف اپنے اللہ کی طرف متوجہ کھڑے ہوئے ہیں تو اتنی دیر کے لئے آدمی اس دُنیا سے اُٹھ کر گویا میدانِ حشر میں پہنچ جاتا ہے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوا یہ منظر اگر ذہن میں نقش ہو جائے تو یہ عبرت خیز منظر زندگی مین وہ خوش گوار انقلاب لاتا ہے جو اللہ کو مطلوب ہے۔ چند لمحے عرفات میں ٹھہرنے سے حج کا رُکن تو ادا ہو جاتا ہے لیکن یہ وقوف جس قدر طویل ہو اچھا ہے۔

جمع بین الصلاتین ــــ ظہر و عصر

زوال ہوتے ہی مسجدِ نمرہ میں پہنچنے کی کوشش کریں امام کے ساتھ نمازِ ظہر و عصر ایک ساتھ ادا کریں، پہلے امام صاحب خطبہ دیتے ہیں، جس میں حج کے احکام و مسائل بیان کرتے ہیں پھر ظہر کی دو رکعت پڑھاتے ہیں پھر فوراً ہی عصر دو رکعت ظہر کے وقت ہی میں پڑھا دیتے ہیں۔ یہ جمع بین الصلاتین سنت ہے، اللہ کے رسولؐ نے اس مقام پر اسی طرح ظہر کے وقت میں ظہر و عصر کی نماز ایک ساتھ پڑھی ہے۔ ان فرضوں کے درمیان کوئی نفل نماز نہیں پڑھی جاتی۔

نمازِ ظہر و عصر کے بعد

نماز کے بعد سارا وقت وقوفِ عرفات کا ہے سورج ڈھلنے تک دُعا و استغفار میں لگے رہیں، تلاوتِ قرآن کریں، تسبیح و تہلیل کریں، ذکر و فکر میں مشغول رہیں، لبیک لبیک کی صدائیں بلند کریں، دُرود شریف کثرت سے پڑھیں، اپنے محسن رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کر کے روئیں آپؐ کی سچی اتباع کی توفیق کی دُعا مانگیں۔ اپنے لئے اپنے ماں باپ کے لئے ،عزیزوں رشتہ داروں کے لئے خوب خوب دُعائیں مانگیں ،اس لئے کہ میدانِ عرفات کے حاضر باش کی دُعائیں سب کے حق میں مقبول ہیں، حدیث میں ہے:۔

يَغْفِرُ لِلْحَاجِّ وَلِمَنْ يَّسْتَغْفِرُ لَهُ الْحَاجُّ (مستدرک، حاکم)

''حاجی بخشا جاتا ہے اور جس کے لئے حاجی دُعا مانگتا ہے وہ بھی بخشا جاتا ہے۔''

آج مانگنے کا دن ہے، رورو کر مانگیں نہایت عجز اور احتیاج کے ساتھ مانگیں، ایک بھکاری کی طرح ہاتھ پھیلا پھیلا کر مانگیں — آج کا دن حج کا نچوڑ ہے، اور یہی مبارک دن زندگی کا حاصل بھی ہے۔ اس کا کوئی لمحہ ہرگز ضائع نہ ہونے دیں — جبلِ رحمت کے دامن میں پہنچ کر ایک مسکین بندے کی طرح رب سے الحاح وزاری کریں، یہی وہ مبارک پہاڑی ہے جس پر حجۃ الوداع میں اللہ کے آخری رسولؐ نے آخری خطبہ دیا تھا۔ اس مبارک پہاڑی کے دامن میں کھڑے ہو کر دل کی گہرائی سے ایسی سچی توبہ کریں کہ رب کی رحمت کو جوش ہی آجائے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

خَيْرُ الدُّعَاءِ دُعَاءُ يَوْمِ عَرَفَةَ (ترمذی، مسند احمد)

''سب سے بہتر دُعا عرفے کے دن کی دُعا ہے۔''

آج کے دن کے لئے حدیث کی کتابوں میں جو مسنون دُعائیں ملتی ہیں ان کا اہتمام کیجئے۔ الحزب المقبول میں ایک نہایت ہی جامع دُعا منقول ہے اس کا اہتمام کیجئے۔[1]

اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِمَا سَئَلَكَ بِهٖ نَبِيُّكَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّمَا اسْتَعَاذَبِهٖ نَبِيُّكَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ، رَبِّ اجْعَلْنِىْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ، رَبَّنَا اغْفِرْلِىْ وَلِوَالِدَىَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابِ ۝ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِىْ صَغِيْرًا، رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِىْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَؤُفٌ رَّحِيْمٌ، رَبَّنَا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ

[1] میدانِ عرفات کی مسنون دُعاؤں کے لئے مزید دیکھئے صفحہ ۲۰۲

الْعَلِيْمُ، وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْم وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔

''اے اللہ! میں تجھ سے اس بھلائی کا طالب ہوں جو تجھ سے تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگی ہے اور ان ساری چیزوں کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں جن کے شر سے تیرے نبیؐ نے تیری پناہ چاہی ہے، پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر بڑا ہی ظلم کیا ہے اور اگر تو ہماری مغفرت نہ فرمائے اور ہم پر رحم نہ کھائے تو ہم اُن میں سے ہیں جو سراسر گھاٹے میں ہیں۔

اے میرے رب! مجھے نماز قائم کرنے والا بنا، اور میری اولاد کو بھی اس کی توفیق دے، پروردگار! ہماری دُعا قبول فرما، پروردگار میری مغفرت فرمادے۔ میرے والدین کی مغفرت فرمادے۔ اور اس روز سارے ہی مسلمانوں کو بخش دے جس روز حساب کتاب ہوگا۔

اے میرے رب! میری ماں اور میرے باپ دونوں پر رحم فرما،

جس طرح دونوں نے بچپن میں رحم وشفقت کے ساتھ میری پرورش کی ہے۔ پروردگار ہماری مغفرت فرما، اور ہمارے ان بھائیوں کی مغفرت فرما جو ایمان لانے میں ہم سے سبقت لے گئے ہیں، اور ہمارے دلوں میں ان کے خلاف کوئی کینہ کپٹ نہ ہونے دے۔ جو ایمان والے ہیں۔

اے ہمارے پروردگار! تو بہت ہی مہربان اور بڑا ہی رحم کرنے والا ہے۔ پروردگار! بے شک تو سب کچھ سننے والا۔ اور سب کچھ جاننے والا ہے، تو ہماری توبہ قبول فرما بے شک تو بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا ہے، اور بہت زیادہ رحم کھانے والا ہے، معصیت سے بچنے کی کوئی طاقت اور فرماں برداری کی استطاعت کہیں سے حاصل نہیں ہوسکتی سوائے اللہ کے جو بہت ہی بلند اور بڑی ہی عظمت والا ہے۔''

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ میدانِ عرفات میں قرآن کی یہ دُعا کثرت سے پڑھی جائے۔

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔

”اے ہمارے رب! ہمیں دُنیا میں بھی بھلائی عطا کر، اور آخرت میں بھی بھلائی عطا کر، اور ہمیں جہنم کی آگ سے بچا۔“

دن ڈھلنے تک برابر ذکر و تسبیح، دُعا و استغفار اور گریہ وزاری میں مشغول رہیں۔

مزدلفے کی طرف کوچ

جب دن ڈھل جائے اور آفتاب غروب ہو جائے تو مغرب کی نماز پڑھنے کے بجائے مزدلفے کی طرف کوچ کریں، مزدلفہ، میدانِ عرفات سے ۵ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ مزدلفے میں وادی مُحسّر کے علاوہ ہر جگہ ٹھہر سکتے ہیں، یہ وہ جگہ ہے جہاں اصحابِ فیل کو ابابیل کے ذریعے تہس نہس کیا گیا تھا، بہتر یہی ہے کہ اپنی سواری کے قریب ہی پڑاؤ ڈال لیں۔ اور اِدھر اُدھر کہیں دُور نہ جائیں، خدانخواستہ بھٹک نہ جائیں۔ کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر وضو کر کے نمازِ عشاء کا وقت شروع ہونے کا انتظار کریں، آج کی رات، مزدلفہ میں ہی قیام کرنا ہے۔

جمع بین الصلاتین — مغرب وعشاء

مزدلفہ میں آج پھر دو نمازیں ملا کر پڑھنی ہیں، مغرب کو مؤخر کر کے عشاء کی نماز کے ساتھ ملا کر پڑھنا ہے ایک اذان اور ایک تکبیر سے پہلے مغرب کی دو رکعت پڑھی جائیں گی اور پھر فوراً ہی عشاء کی دو رکعت، یہ جمع بین الصلاتین واجب ہے۔ مغرب اور عشاء کی سنتیں وغیرہ، مغرب اور عشاء کی فرض نمازوں کے بعد پڑھی جائیں گی۔ نماز سے فارغ ہو کر پھر ذکر و تسبیح اور دُعا و استغفار میں لگ جائیں۔ اور جس قدر ہمت ہو شب بیداری کریں، تہجد کے لئے تو اُٹھ ہی جائیں، اور خدا کے حضور رو رو کر اپنی عاقبت سنوارنے کی درخواست کرتے رہیں۔ اس میدان میں ایک مسجد ہے۔ اسی کا نام مسعر الحرام ہے۔ اس کے قریب اور اس کے اندر جا کر بھی اگر ہو سکے تو ذکر و تسبیح، تلاوتِ قرآن اور توبہ و استغفار کریں۔

مزدلفے کی رات

مزدلفے کی رات ذکرِ الٰہی اور عبادت کی رات ہے یہ رات حاجیوں کے لئے شب قدر سے بھی افضل بتائی گئی ہے، لاکھوں بندگانِ خدا کے ساتھ ذکر و تسبیح اور نماز و عبادت میں مشغول ہونا کس قدر عظیم سعادت ہے۔ ان لاکھوں بندگانِ خدا میں کیا معلوم کس کس مرتبے کے لوگ ہیں اور کن کن مقبول بندوں کی معیت میں خدا کی عبادت و ذکر کی توفیق حاصل ہو رہی ہے۔ کیا معلوم ایسی روشن رات پھر زندگی میں کبھی نصیب ہوتی ہے یا نہیں اس شب میں کچھ لمحے آرام تو ضرور کرلیں لیکن کوئی گھڑی غفلت میں نہ گزاریں۔

اللہ کا ارشاد ہے:

فَاِذَا اَفَضْتُمْ مِنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُ اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ۔

''پھر جب تم عرفات سے واپس لوٹو تو مشعر الحرام کے پاس اللہ کی یاد میں لگ جاؤ۔''

مزدلفے میں صبحِ صادق

اول وقت میں فجر کی نماز ادا کریں، پھر ۱۰/ ذوالحجہ روشنی پھیلنے تک ذکر و فکر تسبیح و تہلیل میں مشغول رہیں سوزِ دروں کے ساتھ آہ و زاری اور توبہ و استغفار کرتے رہیں، اور برابر اللہ کا شکر ادا کرتے رہیں کہ اس نے لاکھوں نیک بندوں کے ساتھ مشعر الحرام کے سایے میں شب گزارنے کی سعادت بخشی۔

عجیب منظر

مزدلفے میں لوگ ہر طرف چھوٹی چھوٹی کنکریاں چنتے ہوئے نظر آئیں گے۔ یہاں سے رمی کے لئے کنکریاں لینا مسنون ہے آج جمرۂ عقبہ کی رمی ہے یہ کنکریاں اسی رمی کے لئے چنی جاتی ہیں۔

۱۰/ذوالحجہ مزدلفے سے منیٰ کی طرف

مزدلفہ میں صبح سورج نکلتے ہی منیٰ کی طرف روانہ ہوجائیں طلوعِ آفتاب کے ساتھ ہی یہاں سے نکل جانا مسنون ہے، تلبیہ بلند آواز سے برابر پڑھتے رہیں، تسبیح وتہلیل بھی کرتے رہیں، دُرود وسلام بھی برابر جاری رکھیں اور منیٰ پہنچ کر اپنے خیمے میں پڑاؤ کریں، منیٰ یہاں سے صرف ۵/کلومیٹر کے فاصلے پر ہے، یہاں بھی دُور دُور تک خیموں کی بستی ہے اور کھلے میدان میں سارے خیمے ایک سے نظر آرہے ہیں، اپنے خیمے پر کوئی نمایاں علامت اور نشانی لگا لیجئے۔ یہاں زائرینِ حرم کو تین دن قیام کرنا ہوتا ہے اور بعض لوگ ۱۳/ذوالحجہ بھی یہاں گزارتے ہیں۔

۱۰/ذوالحجہ زائرینِ حرم کا مشغول ترین دن

۱۰/ذوالحجہ کے دن زائرینِ حرم کی مشغولیت بہت زیادہ ہوتی ہے آج کے دن انہیں چار کام کرنے ہوتے ہیں، جمرۂ عقبہ کی رمی، پھر قربانی، قربانی کے بعد حلق یا قصر اور پھر ہمت ہو تو طوافِ زیارت۔

رمی

سب سے پہلا کام رمی ہے، آج صرف جمرۂ عقبہ کی رمی کرنی ہے۔ یہ مکہ کی طرف آخری جمرہ ہے ۸، ۹ فٹ کے فاصلے پر اس طرح کھڑے ہوں کہ جمرہ دائیں جانب ہو اور بیت اللہ بائیں جانب، پھر سیدھے ہاتھ کے انگوٹھے اور کلمۂ شہادت کی انگلی میں، کنکری پکڑ کر بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہتے ہوئے ستون کے نیچے حصے میں تاک کر کنکری ماریں، سات کنکریاں اسی طرح ماریں اور اپنے رب سے خیر کی دُعا مانگیں افضل تو یہی ہے کہ ۱۰/ذوالحجہ کو زوال سے پہلے پہلے ہی رمی کرلی جائے، لیکن خواتین اور کمزور اور ضعیفوں کے لئے مُباح وقت غروبِ آفتاب تک ہے

خواتین کو ذرا تاخیر سے اپنے حلقہ میں لے کر رمی کرادینی چاہئے۔ جو بہت زیادہ معذور ہوں وہ اپنی طرف سے کسی نمائندہ کے ذریعے بھی رمی کرا سکتے ہیں رمی کرنا واجب ہے اور رمی عقبہ کرنے کے بعد تلبیہ ختم ہو جاتا ہے۔

قربانی

۱۰ر ذوالحجہ کا دوسرا عمل قربانی ہے، حج تمتع اور حج قران کرنے والے پر قربانی واجب ہے، رمی سے فارغ ہو کر قربان گاہ پہنچیں، قربانی کی جگہ ایک کھلا ہوا میدان ہے، یہاں اپنے ہاتھ سے ہی اپنے جانور کے گلے پر چُھری پھیریں، پھر ضرورت بھر کا گوشت کٹوا کر باقی وہیں چھوڑ آئیں۔

حلق یا قصر

قربانی سے فارغ ہو کر سر منڈوائیں، یا صرف تھوڑے بال کتروالیں، عورتیں سر کے کسی حصہ کے تھوڑے سے بال خود قینچی سے کاٹ لیں، یہ حلق یا قصر واجب ہے، حلق یا قصر کے بعد احرام ختم ہو گیا اور احرام کی ساری پابندیاں بھی ختم ہو گئیں —— زائرینِ حرم آزاد ہو گئے —— اطمینان سے نہائیں، دھوئیں، خوشبو لگائیں، سلے ہوئے اپنی پسند کے کپڑے پہنیں، مگر ایک پابندی ابھی باقی ہے بیوی سے مخصوص تعلق کی ابھی اجازت نہیں ہے۔

طوافِ زیارت

۱۰ر ذوالحجہ ہی کو طوافِ زیارت بھی کرلیں، یوں تو طوافِ زیارت منٰی سے فارغ ہو کر ۱۲ر ذوالحجہ کے دن تک غروبِ آفتاب سے پہلے پہلے ہے، لیکن افضل یہی ہے کہ ۱۰ر ذوالحجہ کو ہی طوافِ زیارت بھی کرلیا جائے۔ طوافِ زیارت حج کا تیسرا اہم رُکن ہے طوافِ زیارت کو طوافِ افاضہ بھی کہتے ہیں۔

۸/ تاریخ کو منیٰ روانہ ہونے سے پہلے جو حاجی سعی کر چکے ہیں، اب انہیں سعی کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور چونکہ سعی نہیں کرنی ہے اس لئے طواف میں انہیں رمل اور اضطباغ کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے، ہاں اگر ۸/ ذوالحجہ کو سعی نہیں کی ہے، تو اب حج کی سعی بھی کرنی ہوگی اور طواف میں رمل اور اضطباغ بھی کرنا ہوگا، طوافِ زیارت سے فارغ ہونے کے بعد احرام کی وہ پابندی بھی ختم ہو جاتی ہے جو حلق کرانے کے بعد بھی باقی تھی یعنی بیوی سے مخصوص تعلق۔

طوافِ زیارت سے فارغ ہو کر اسی دن شام تک منیٰ واپس ہو جائیں، منیٰ میں رات گزارنا سنت ہے، طواف کا طریقہ وہی ہے، جس طرح عمرے کا طواف کیا تھا۔

۱۱/ ۱۲/ ذوالحجہ رمی جمرات کے دو دن

طوافِ زیارت سے فارغ ہو کر منیٰ میں واپس آکر نماز ظہر پڑھنا بھی دُرست ہے اور وہاں مسجدِ حرام میں ظہر سے فارغ ہو کر منیٰ واپس آنا بھی درست ہے پھر ۱۱/ ذوالحجہ کو تینوں جمرات کی رمی کرنا ہے، رمی کا وقت زوال کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اور غروب آفتاب تک رہتا ہے۔ کمزور لوگ اور خواتین آخر وقت میں ہی جب بھیڑ کم ہو جائے رمی کریں۔ کمزوروں کے لئے اسی میں سہولت ہے، جمرۂ اولیٰ اور جمرۂ وسطیٰ پر رمی کرنے کے بعد دیر تک دُعائیں مانگتے رہیں لیکن جمرۂ اخریٰ پر رمی کرنے کے بعد دُعا نہیں ہوتی۔

۱۲/ ذوالحجہ کو بھی اسی طرح تینوں جمرات کی رمی کرنا ہے، رمی جمار سے فارغ ہونے کے بعد یہ دُعا پڑھیں:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْهُ حَجًّا مَّبْرُوْرًا وَّذَنْبًا مَّغْفُوْرًا

اے اللہ ہمارے حج کو حجِ مقبول بنا دے اور ہمارے گناہوں کو بخش دے۔"

زوال کے بعد رمی کر کے ۱۲/ ذوالحجہ کو بھی مکہ معظّمہ آسکتے ہیں اور ۱۲/ کو منیٰ میں رُک کر ۱۳/ ذوالحجہ کو آنا چاہیں تو یہ بھی دُرست ہے۔

حج کے بعد مکہ مکرمہ کا قیام

حج کے بعد مکہ مکرمہ میں جتنے دن قیام کی سعادت نصیب ہو کثرت سے بیت اللہ کا طواف کرتے رہیں، حرم شریف میں جماعت سے نمازوں کا اہتمام کریں کعبہ کے سایے میں بیٹھ کر تلاوتِ قرآن کریں اور قیام کے ایک ایک لمحے کو گراں بہا سمجھ کر اس طرح گزاریں کہ شاید پھر کبھی یہ زرّیں ایام نصیب نہ ہوں اور موقع ہو تو یہاں کے مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کر کے ایمان کو تازہ کریں، غارِ حراء، کی زیارت کریں، غارِ ثور کی زیارت کریں، دارِ ارقم دیکھیں۔ مولد النبیؐ کے دیدار سے آنکھیں روشن کریں، ام المومنین حضرت خدیجہؓ کا مکان دیکھیں۔ یہاں کے چپے چپے سے اسلامی تحریک کی تاریخ وابستہ ہے۔ ہر چیز کے دیدار میں ایمان کی حرارت کے اسباب ہیں یہاں کے قیام کو اپنی زبردست خوش نصیبی اور خدا کا بے پناہ کرم تصور کریں اور برابر یہ دُعا کرتے رہیں کہ پروردگار! ان کا یہ حج واقعی حجِ مبرور ہو، اور ان کی بقیہ زندگی ایک سچے مومن اور ایک مخلص متقی کی زندگی ہو، حج واقعی کایا کلپ کرنے والی عبادت ہے، اصلاحِ حال کی آخری تدبیر ہے۔ اگر کسی شخص کا تزکیہ اور اصلاح حج سے بھی نہ ہو سکا تو نہ صرف یہ کہ پھر اس کی اصلاح ممکن نہیں ہے بلکہ اس کا اندر کا مکروہ انسان اور شرارتِ نفس پوری طرح کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ اور اس کا اندروں جیسا کچھ ہے وہ مکمل طور پر سماج میں نمایاں ہو جاتا ہے برابر ربِّ رحیم سے دُعا کرتے رہیں کہ پروردگار! ہمیں اس رُسوائی سے محفوظ رکھ! اور ہمارا حج واقعی حج ہو جو ہمیں اسلام کا مطلوب انسان بنا دے۔

طوافِ وداع

طوافِ وداع یا طوافِ صدر ان لوگوں پر واجب ہے جو حدودِ میقات سے باہر رہتے ہیں اور جن کو اصطلاح میں آفاقی کہتے ہیں۔ اس طواف کا بھی وہی طریقہ ہے جو اور طوافوں کا ہے، البتہ

اس میں رمل اور اضطباغ نہ کرے۔ یہ طواف بیت اللہ کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے اور آنسو بہاتے ہوئے کرنا چاہئے۔ کہ یہ بیت اللہ سے جدائی کا طواف ہے۔ اور ملتزم پر واقعی یہ منظر ہو کہ آپ کسی ایسے عزیز سے رخصتی معانقہ کر رہے ہیں جو آپ کو دل و جان سے زیادہ عزیز ہے۔ پھر بیت اللہ پر آخری بار حسرت بھری نظر ڈالتے ہوئے نکل آئیے۔

اللہ زائرینِ حرم کو حج مبارک کرے۔

حج کے پانچ دن — ایک نظر میں

پہلا دن — ۸/ذوالحجہ

۱- غسل کر کے احرام باندھیں، دو رکعت نمازِ احرام پڑھیں۔

۲- تین بار بلند آواز سے تلبیہ کہیں۔

۳- طوافِ قدوم کریں، یا حج کی سعی کے لئے پہلے طواف کریں پھر سعی کریں۔

۴- زوال سے پہلے پہلے منٰی پہنچیں اور وہاں ظہر، عصر، مغرب، عشاء، اور فجر پانچ نمازیں ادا کریں۔

دوسرا دن ۹/ذوالحجہ

۱- سورج نکلنے کے بعد میدانِ عرفات کی طرف روانہ ہو جائیں۔

۲- مسجدِ نمرہ میں ظہر کے وقت، نمازِ ظہر اور عصر ملا کر ایک اذان اور دو تکبیروں سے امام کے پیچھے ادا کریں۔

۳- نمازِ ظہر و عصر کے بعد سے غروبِ آفتاب تک عرفات میں وقوف کریں۔ جبلِ رحمت کے دامن میں پہنچ کر بھی دُعا مانگیں۔

۴- غروب ہوتے ہی نماز مغرب پڑھنے کے بجائے مزدلفہ روانہ ہو جائیں۔ اور عشاء کے وقت میں ایک اذان اور ایک تکبیر کے ساتھ نماز مغرب و عشاء ادا کریں۔

۵- رمی جمرات کے لئے ۴۹ کنکریاں مزدلفے میں چُن لیں۔

تیسرا دن ۱۰؍ذوالحجہ

۱- نمازِ فجر کے بعد مزدلفہ سے منیٰ روانہ ہو جائیں۔ آج صرف جمرۂ عقبہ کی رمی کریں۔ اور اس کے بعد تلبیہ بند کر دیں۔

۲- جمرۂ عقبہ کی رمی کے بعد قربانی کریں۔

۳- قربانی کے بعد حلق یا قصر کرائیں۔

۴- مکہ مکرمہ جا کر طوافِ زیارت کریں۔ طواف کے بعد سعی بھی کرنی ہو تو رمل اور اضطباع بھی کریں۔

۵- اگر ۸؍ذوالحجہ کو حج کی سعی نہ کی ہو تو سعی بھی کریں — اور اگر سعی کر لی ہو تو اب نہ سعی کی ضرورت ہے اور نہ طواف میں رمل اور اضطباع کی۔

۶- مغرب سے پہلے پہلے منیٰ واپس ہو جائیں، اور شب منیٰ میں گزاریں۔

چوتھا دن ۱۱؍ذوالحجہ

۱- زوال کے بعد جمرۂ اولیٰ کی رمی کر کے دُعا مانگیں۔

۲- پھر جمرۂ وسطیٰ کی رمی کریں اور دُعا مانگیں۔

۳- اور پھر جمرۂ عقبہ کی رمی کریں، اور دُعا نہ مانگیں۔

پانچواں دن ۱۲؍ذوالحجہ

گیارہ تاریخ کی طرح ۱۲؍ذوالحجہ کو بھی تینوں جمرات کی رمی کریں۔ اور مکہ مکرمہ کو واپس ہو جائیں اور اگر ۱۳؍ذوالحجہ تک رُکنا چاہیں تو ۱۳؍کو بعد زوال حسبِ ہدایت تینوں جمرات کی رمی کریں اور پھر مکہ مکرمہ کو واپس ہو جائیں۔

خواتین کا حج

حج کا طریقہ بتاتے ہوئے ضمناً جگہ جگہ یہ وضاحت بھی کر دی گئی ہے کہ خواتین حج میں کونسا عمل کریں، اور کونسا عمل نہ کریں اور کونسا عمل کس طرح کریں، مگر یہاں ان تمام باتوں کا یکجا ذکر کیا جا رہا ہے، تا کہ بیک نظر خواتین حج کا طریقہ جان سکیں اور یہ عظیم عبادت مسنون طریقے پر ادا کر سکیں۔

خواتین احرام میں سلے ہوئے کپڑے بدستور پہنی رہیں، خواہ وہ کسی رنگ کے ہوں، ان کا احرام یہ ہے کہ وہ چہرہ کھلا رکھیں، اور ہاتھوں میں دستانے نہ پہنیں، البتہ غیر محرم مرد ہوں تو چہرے پر کسی چیز سے اوٹ بھی کر سکتی ہیں اور کسی کپڑے سے ہاتھوں کو بھی چھپا سکتی ہیں۔ اگر حیض ونفاس کی حالت میں ہوں تو بھی غسل کر کے سب کے ساتھ احرام کی نیت کر لیں۔

تلبیہ پڑھیں مگر اونچی آواز سے نہ پڑھیں۔

حیض ونفاس کی حالت میں ہوں تو بھی سب کے ساتھ حج کے تمام اعمال انجام دیں۔ صرف طوافِ بیت اللہ اور سعی صفا و مروہ نہ کریں۔ طواف اس لئے نہ کریں کہ طواف کے لئے پاکی شرط ہے اور سعی اس لئے نہ کریں کہ سعی طواف کے بغیر نہیں ہوتی۔ طواف میں رمل نہ کریں اور اضطباع کا بھی کوئی سوال نہیں ہے۔

سعی میں میلین اخضرین کے درمیان معمول کی رفتار سے سعی کریں۔ دوڑیں نہیں،

بھیڑ ہو، تو حجرِ اسود کا استلام نہ کریں دُور سے اشارہ کریں۔

رَمی کے وقت بھیڑ زیادہ ہو تو کچھ تاخیر سے رمی کریں کہ بھیڑ کم ہو جائے۔

رمی کے بعد صرف قصر کریں، حلق جائز نہیں۔

کوئی خاتون محرم کے بغیر حج کا سفر نہ کرے۔ خواتین پر حج واجب ہونے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ سفر کے لئے محرم ساتھ ہو۔

عدت کے دوران خواتین حج کے لئے نہ جائیں۔

عدت کی حالت میں عورت پر حج واجب نہیں ہوتا، چاہے عدت طلاق کی ہو یا وفات کی۔

نفلی حج ہو تو شوہر کی اجازت کے بغیر نہ کریں، البتہ فرض حج میں شوہر کی اجازت ضروری نہیں ہے۔

بچوں کا حج

حج بالغ ہونے کے بعد ہی فرض ہوتا ہے، لیکن جس طرح بچے کا روزہ اور نماز صحیح ہے اسی طرح بچے کا حج بھی صحیح ہے چاہے وہ بچہ بالکل ہی چھوٹا ہو اور عقل و تمیز نہ رکھتا ہو یا اتنا بڑا ہو کہ عقل و تمیز والا ہو۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ امْرَأَةً رَفَعَتْ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَبِیًّا فَقَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَلِھٰذَا حَجٌّ ؟ قَالَ نَعَمْ وَلَکِ اَجْرٌ (مسلم)

”حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ ایک خاتون نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے بچے کو لے کر آئی اور پوچھا یا رسول اللہ! اس کا بھی حج ہے؟ ارشاد فرمایا، جی ہاں، اور تمہیں اجر ملے گا۔“

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بچے کا حج صحیح ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بچے کے حج کا اجر و ثواب ماں باپ اور ولی کو ملتا ہے۔“

عَنِ السَّائِبِ بْنِ یَزِیْدٍ قَالَ حَجَّ اَبِیْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَنَا بْنُ سَبْعِ سِنِیْنَ (بخاری)

”حضرت سائب ابن یزیدؓ کا بیان ہے، کہ میری عمر سات سال کی تھی، جب میرے باپ نے مجھے ساتھ لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں حج ادا کیا۔“

بچے پر چونکہ حج فرض نہیں ہے اس لئے اس کا حج نفلی حج ہوگا۔ اور بالغ ہونے کے بعد اگر اُس پر حج فرض ہوا، تو اُسے فرض حج کی نیت سے دوبارہ حج ادا کرنا ہوگا۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَیُّمَا صَبِیٍّ حَجَّ ثُمَّ بَلَغَ الْحِنْثَ فَعَلَیْہِ اَنْ یَّحُجَّ حِجَّۃً اُخْرٰی (ابن ابی شیبہ والبیہقی)

''حضرا ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جس بچے نے بھی حج کیا پھر وہ بلوغ کو پہنچ گیا تو اس پر واجب ہے کہ وہ دوبارہ حج کرے۔''

حج کرنے والا بچہ، یا بچی اگر بہت چھوٹی عمر کے ہیں، اور عقل وتمیز نہیں رکھتے تو ان کے ماں باپ یا ولی ان کی طرف سے احرام کی نیت کریں مگر یہ احرام واجب نہیں ہے، احرام کی نیت نہ کریں تو بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ پھر ان کی طرف سے ولی ہی حج کے سارے اعمال ادا کریں، اور اس بچے اور بچی کو ان تمام باتوں سے بچائیں جن سے ایک محرم مرد اور محرم خاتون بچی رہتی ہے۔ اور طواف میں ان کا جسم اور کپڑے پاک رکھنے کا بھی اہتمام کریں۔

اور اگر بچہ ہوشیار ہو، عقل وتمیز رکھتا ہو، تو پھر خود ماں باپ یا ولی کی اجازت سے احرام باندھے، وضو طہارت اور ناپاکی کا خیال رکھے اور ان تمام باتوں کا اہتمام کرے جن کا اہتمام ایک محرم مرد یا محرم عورت کرتی ہے۔ اور جو اعمال بچہ بطور خود ادا نہ کرسکتا ہو جیسے رمی وغیرہ تو وہ ولی اس کی طرف سے ادا کردے البتہ وقوفِ عرفہ، منٰی اور مزدلفے میں شب گزاری، طواف اور سعی وغیرہ خود کرے، اور نہ کرسکتا ہو تو پھر ماں باپ گود میں لے کر یا کندھے پر بٹھا کر طواف اور سعی کرائیں، اب رہا یہ سوال کہ یہی ایک طواف دونوں کے لئے ہو جائے گا۔ یا طواف کرانے والے کو اپنا طواف الگ کرنا ہوگا۔ تو بہتر یہی ہے کہ طواف کرانے والا اپنا طواف اور سعی الگ کرے، تاکہ کوئی شبہ ہی نہ رہے، ویسے اگر اپنا طواف الگ نہ کرے تو بھی صحیح ہے، مقام روحا میں ایک خاتون جو اپنے بچے کو لے کر آئی تھی، اور بچے کے حج کے بارے میں سوال کررہی تھی، اگر بچے کی طرف سے الگ سے حج کے اعمال واجب ہوتے تو آپؐ ضرور وضاحت فرمادیتے۔

قربانی کا بیان

قربانی کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی پرانی خود مذہب یا انسان کی تاریخ ہے، انسان نے مختلف ادوار میں، عقیدت وفدائیت، سپردگی وجاں نثاری، عشق ومحبت، عجز ونیاز، ایثار وقربانی اور پرستش وعبدیت کے جو جو طریقے اختیار کئے خدا کی شریعت نے انسانی نفسیات اور جذبات کا لحاظ کرتے ہوئے وہ تمام ہی طریقے اپنی مخصوص اخلاقی اصلاحات کے ساتھ خدا کے لئے خاص کردئے۔ انسانوں نے اپنے معبودوں کے حضور جان کی قربانیاں بھی پیش کیں اور یہی قربانی کا سب سے اعلیٰ مظہر ہے، خدا نے اس کو بھی اپنے لئے خاص کرلیا اور اپنے سوا ہر ایک کے لئے اس کو قطعاً حرام قرار دے دیا۔

انسانی تاریخ کی سب سے پہلی قربانی

انسانی تاریخ میں سب سے پہلی قربانی آدمؑ کے دو بیٹوں ہابیل اور قابیل کی قربانی ہے، قرآنِ پاک میں بھی اس قربانی کا ذکر ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَبْنَىْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ط اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ (المائدہ ۲۷)

اور ان کو آدم کے دو بیٹوں کا قصہ بھی ٹھیک ٹھیک سنا دیجئے۔ جب ان دونوں نے قربانی کی تو ایک کی قربانی قبول ہوئی اور دوسرے کی قبول نہیں ہوئی۔

دراصل ایک نے جس کا نام "ہابیل" تھا، دل کی آمادگی سے رضاءِ الٰہی کی خاطر بہترین دُنبے کی قربانی پیش کی اور دوسرے نے جس کا نام "قابیل" تھا بے دلی سے ناکارہ غلے کا ایک

ڈھیر پیش کر دیا، ہابیل کی قربانی کو آسمانی آگ نے جلا ڈالا اور یہ مقبولیت کی علامت تھی، لیکن دوسری کو آگ نے نہیں جلایا اور یہ مقبولیت نہ ہونے کی علامت تھی۔ دراصل مقبولیت کی بنیاد اللہ کا تقویٰ ہے اور تقویٰ کے جوہر سے قابیل کا سینہ خالی تھا۔

قَالَ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَo (المائدہ ۲۷)

''اس نے کہا خدا تقویٰ والوں ہی کا عمل قبول کرتا ہے۔''

قربانی تمام الٰہی شریعتوں میں

قربانی کا حکم تمام الٰہی شریعتوں میں موجود رہا ہے اور ہر اُمت کے نظامِ عبادت میں اسے ایک لازمی جُز کی حیثیت حاصل رہی ہے۔

وَلِکُلِّ اُمَّۃٍ جَعَلْنَا مَنْسَکًا لِّیَذْکُرُوا اسْمَ اللّٰہِ عَلیٰ مَا رَزَقَھُمْ مِنْ بَھِیْمَۃِ الْاَنْعَامِ (سورہ الحج آیت ۳۴)

اور ہم نے ہر اُمت کے لئے قربانی کا ایک قاعدہ مقرر کر دیا ہے کہ وہ ان چوپایوں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے ان کو عطا فرمائے ہیں۔

یعنی قربانی ہر شریعت کے نظامِ عبادت میں موجود رہی ہے، البتہ مختلف زمانوں مختلف قوموں اور مختلف ملکوں کے نبیوں کی شریعتوں میں ان کے حالات کے پیشِ نظر قربانی کے قاعدے اور تفصیلات جُدا جُدا رہی ہیں، لیکن بنیادی طور پر یہ بات تمام آسمانی شریعتوں میں مشترک رہی ہے کہ جانور کی قربانی صرف اللہ کے لئے کی جائے اور اُسی کا نام لے کر کی جائے۔

فَاذْکُرُوا اسْمُ اللّٰہِ عَلَیْھَا (سورہ الحج آیت ۳۶)

''پس ان جانوروں پر صرف اللہ کا نام لو۔''

جانوروں پر اللہ ہی کا نام لینا بڑا ابلیغ اندازِ بیان ہے یعنی ان کو ذبح کرو تو اللہ ہی کے نام سے ذبح کرو اور اسی کے نام پر اسی کی رضا کے لئے ذبح کرو۔ وہی ہے جس نے تمہارے لئے یہ جانور

مہیا کئے ہیں، وہی ہے جس نے ان کو تمہارے لئے مسخر کیا ہے اور وہی ہے جس نے تمہارے لئے ان میں گوناگوں فائدے بھی رکھے ہیں۔

قربانی ایک عظیم یادگار

اس وقت دُنیا کے ہر ہر خطے میں مسلمان جو قربانی کرتے ہیں اور ذبحِ عظیم کا جو منظر پیش ہوتا ہے وہ درحقیقت حضرت اسمٰعیل (علیہ السلام) کا فدیہ ہے، قرآن میں اس عظیم واقعے کو پیش کر کے، اس کو اسلام، ایمان اور احسان قرار دیا ہے۔

قربانی دراصل اس عزم و یقین اور سپردگی و فدائیت کا عملی اظہار ہے کہ آدمی کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ سب خدا ہی کا ہے اور اسی کی راہ میں یہ سب قربان ہونا چاہئے۔ یہ دراصل اس حقیقت کی علامت اور پیش کش ہے کہ اُس کا اشارہ ہوگا تو ہم اپنا خون بہانے سے بھی دریغ نہ کریں گے، اسی عہد و پیمان اور سپردگی و فدائیت کا نام ایمان، اسلام اور احسان ہے۔

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْىَ قَالَ يٰبُنَىَّ اِنِّىٓ اَرٰى فِى الْمَنَامِ اَنِّىٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِىٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَآ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ○ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ○ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ○ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِى الْاٰخِرِيْنَ ○ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ○ كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ○ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ○

(الصّٰفّٰت آیت ۱۰۲ - ۱۱۱)

”پس جب وہ (اسمٰعیل) ان کے ساتھ دوڑ دھوپ کرنے کی عمر کو پہنچے تو (ایک دن) ابراہیم (علیہ السلام) نے ان سے کہا، پیارے بیٹے! میں نے خواب میں دیکھا کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں، غور کرو اب کیا ہونا چاہئے، بیٹے نے (بلا تأمل) کہا ابا جان! آپ کو جو حکم دیا جا رہا ہے، اُسے

کرڈالئے ، انشاء اللہ آپ مجھے ثابت قدم پائیں گے، آخر کو جب باپ بیٹے دونوں نے خدا کے آگے سرِ تسلیم خم کردیا ، اورابراہیم (علیہ السلام) نے بیٹے کو منھ کے بل گرا دیا، تو ہم نے ندا دی کہ ''اے ابراہیم! تم نے خواب سچا کر دکھایا، ہم احسان کی روش پر چلنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں، دراصل یہ ایک کھلی ہوئی آزمائش تھی اور ہم نے ایک عظیم قربانی فدیہ میں دے کر ان کو (یعنی اسمٰعیل کو) چھڑالیا۔ اور ہم نے پیچھے آنے والی اُمت میں ابراہیم (علیہ السلام) کی یہ سنت (یادگار) چھوڑ دی ۔سلام ہے ابراہیم پر ہم اپنے فدا کاروں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں، بلاشبہ وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔

ہم نے عظیم قربانی فدیہ میں دے کر اسمٰعیل کو چھڑالیا، اس کا مقصود یہ ہے کہ رہتی زندگی تک اُمتِ مسلمہ میں قربانی کی یہ عظیم الشان یادگار دراصل حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا فدیہ ہے، خدا نے اس فدیہ کے عوض اسمٰعیل علیہ السلام کی جان چھڑائی کہ اب قیامت تک آنے والے فدا کار ٹھیک اسی تاریخ کو دُنیا بھر میں جانور قربان کریں، اور وفاداری اور جاں نثاری کے اس عظیم الشان واقعے کی یاد تازہ کرتے رہیں، قربانی کی یہ بے بدل سنت جاری کرنے والے حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام تھے اور اس کو تا قیامت قائم رکھنے والے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے فدا کار ہیں۔

نبی ﷺ سے خطاب

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قربانی اور فدا کاری کی رُوح پوری زندگی میں جاری وساری رکھنے کی تعلیم دیتے ہوئے یہ ہدایت کی گئی ہے۔

قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ○ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَالِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ○ (الانعام آیت ۱۶۱، ۱۶۲)

''کہہ دیجئے کہ میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت سب اللہ رب العالمین کے

لئے ہے، اُس کا کوئی شریک نہیں، مجھے اُسی کا حکم ملا ہے اور میں سب سے پہلا فرماں بردار ہوں۔"

خدا پر پختہ ایمان اور اس کی توحید پر یقینِ کامل کے معنٰی ہی یہ ہیں کہ آدمی کی ساری تگ و دَو اسی کی رضا کے لئے مخصوص ہو اور وہ سب کچھ اس کی راہ میں قربان کر کے اپنے ایمان و اسلام اور وفاداری و جاں نثاری کا ثبوت دے۔

قربانی کی اصل جگہ تو وہی ہے جہاں ہر سال لاکھوں حاجی اپنی اپنی قربانیاں پیش کرتے ہیں، دراصل یہ حج کے اعمال میں سے ایک اہم عمل ہے، لیکن رحیم و کریم خدا نے اس عظیم شرف سے ان لوگوں کو بھی محروم نہیں رکھا ہے جو مکے سے دُور ہیں اور حج میں شریک نہیں ہیں، قربانی کا حکم صرف اُن لوگوں کے لئے نہیں ہے جو بیت اللہ کا حج کر رہے ہوں بلکہ یہ عام حکم ہے اور سارے ہی ذی حیثیت مسلمانوں کے لئے ہے، اور یہ حقیقت احادیثِ رسولؐ سے ثابت ہے چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی شہادت ہے کہ

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم دس سال تک مدینہ منورہ میں قیام پذیر رہے اور برابر ہر سال قربانی کرتے رہے۔"[1]

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

"جو شخص وُسعت رکھنے کے باوجود قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے۔"[2]

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدالاضحیٰ کے دن فرمایا۔

"جس نے عید کی نماز سے پہلے جانور ذبح کر لیا اس کو دوبارہ اپنی قربانی کرنی چاہئے اور جس نے نماز کے بعد قربانی کی اس کی قربانی پوری ہوگئی اور اس نے ٹھیک مسلمانوں کے طریقے کو پا لیا۔"

ظاہر ہے عیدالاضحیٰ کے دن مکے میں کوئی ایسی نماز نہیں ہوتی جس سے پہلے قربانی کرنا سنتِ مسلمین کے خلاف ہو لامحالہ یہ واقعہ مدینہ منورہ کا ہے اور اسی کی شہادت حضرت عبداللہ ابن عمرؓ بھی پیش فرماتے تھے،

---

[1] ترمذی، مشکوۃ باب الاضحیہ [2] جمع الفوائد بحوالہ القزوینی کتاب الاضاحی

نیز ابن عمرؓ ہی کا بیان ہے کہ

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید گاہ میں قربانی کیا کرتے تھے۔''

قربانی کے رُوحانی مقاصد

قرآنِ پاک نے قربانی کے تین اہم مقاصد کی طرف اشارے کئے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ قربانی دراصل وہی ہے جو ان مقاصد کا شعور رکھتے ہوئے کی جائے۔

(۱) قربانی کے جانور خدا پرستی کی نشانی ہیں۔

وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ (الحج آیت ۶۳)

''اور قربانی کے اونٹوں کو ہم نے تمہارے لئے ''شعائر اللہ'' قرار دیا ہے۔''

''شعائر'' ''شعیرہ'' کی جمع ہے، شعیرہ اس محسوس علامت کو کہتے ہیں جو کسی رُوحانی اور معنوی حقیقت کی طرف متوجہ کرے اور اس کی یاد کا سبب اور علامت بنے، قربانی کے یہ جانور اس رُوحانی حقیقت کی محسوس علامتیں ہیں کہ قربانی کرنے والا دراصل ان جذبات کا اظہار کر رہا ہے کہ ان جانوروں کا خون درحقیقت میرے خون کا قائم مقام ہے، میری جان بھی خدا کی راہ میں اسی طرح قربان ہے۔ جس طرح میں اس جانور کو قربان کر رہا ہوں،

(۲) قربانی اللہ کی نعمت کا عملی شکر ہے۔

كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ (الحج آیت ۳۶)

''اسی طرح ان جانوروں کو ہم نے تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے کہ تم شکر کرو۔''

خدا نے جانوروں کو انسان کے لئے مسخر فرما کر اس پر عظیم احسان کیا ہے، انسان ان جانوروں سے گونا گوں فائدے اُٹھاتا ہے، ان کا دودھ پیتا ہے، ان کے گوشت کو غذا بناتا ہے ان کی ہڈی کھال اور اون سے ضرورت کی نوع بنوع چیزیں تیار کرتا ہے، ان سے کھیتی باڑی میں مدد لیتا ہے، ان پر بوجھ ڈھوتا ہے، ان پر سواری کرتا ہے، اور ان کے ذریعے اپنی شان وشوکت کا

اظہار کرتا ہے، قرآن ان فوائد کی طرف اشارہ کر کے اور ان کی تسخیر کا ذکر فرما کر خدا پرستی اور احسان مندی کے جذبات کو اُبھارنا چاہتا ہے، اور یہ طرزِ فکر پیدا کرنا چاہتا ہے کہ جس خدائے بزرگ و برتر نے یہ عظیم الشان نعمت عطا کی ہے اسی کے نام پر ان کی قربانی ہونی چاہئے، قربانی خدا کی عظیم نعمت کا عملی شکر ہے۔

(۳) قربانی خدا کی عظمت اور کبریائی کا اظہار ہے۔

كَذَالِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُو اللّٰهَ عَلٰى مَاهَدٰكُمْ (الحج آیت ۳۷)

خدا نے اس طرح چوپایوں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے تا کہ تم اس کی بخشی ہوئی ہدایت کے مطابق اس کی بڑائی اور کبریائی کا اظہار کرو۔

یعنی ان جانوروں کا خدا کے نام پر ذبح کرنا دراصل اس حقیقت کا اعلان واظہار ہے کہ جس خدا نے یہ نعمت عطا کی ہے اور جس نے ان کو ہمارے لئے مسخر کر رکھا ہے، وہی ان کا حقیقی مالک ہے۔ قربانی اس حقیقی مالک کا شکر ہے اور اس بات کا عملی اظہار بھی کہ مومن دل سے خدا کی بڑائی، عظمت اور کبریائی پر یقین رکھتا ہے۔

جانور کے گلے پر چھری رکھ کر وہ اس حقیقت کا عملی اظہار واعلان بھی کرتا ہے اور زبان سے بِسْمِ اللّٰهِ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہہ کر اس حقیقت کا اعتراف بھی کرتا ہے۔

قربانی کی رُوح

اسلام سے پہلے لوگ قربانی کر کے اس کا گوشت بیت اللہ کے سامنے لا کر رکھتے اور اس کا خون بیت اللہ کی دیواروں پر لتھیڑتے تھے۔ قرآن نے بتایا کہ خدا کو تمہارے اس گوشت اور خون کی ضرورت نہیں اُس کے یہاں تو قربانی کے وہ جذبات پہنچتے ہیں جو ذبح کرتے وقت تمہارے دلوں میں موجزن ہوتے ہیں یا ہونے چاہئیں، قربانی، گوشت اور خون کا نام نہیں ہے بلکہ اس حقیقت کا نام ہے کہ ہمارا سب کچھ خدا کے لئے ہے اور اسی کی راہ میں قربان ہونے کے لئے ہے۔

قربانی کرنے والا صرف جانور کے گلے پر ہی چھری نہیں پھیرتا بلکہ وہ ساری ناپسندیدہ خواہشات کے گلے پر بھی چھری پھیر کران کو ذبح کر ڈالتا ہے اس شعور کے بغیر جو قربانی کی جاتی ہے، وہ ابراہیم واسمٰعیل علیہما السلام کی سنت نہیں بلکہ ایک قومی رسم ہے، جس میں گوشت اور پوست کی فراوانی تو ہوتی ہے لیکن وہ تقویٰ ناپید ہوتا ہے جو قربانی کی رُوح ہے۔

لَنۡ یَّنَا لَ اللّٰهَ لُحُوۡمُهَا وَلَا دِمَاۤءُ هَا وَلٰكِنۡ یَّنَالُهُ التَّقۡوٰی مِنۡكُمۡ

(الحج۔۳۷)

اللہ تعالیٰ کو ان جانوروں کا گوشت اور خون ہرگز نہیں پہنچتا بلکہ اس کو تمہاری جانب سے تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

خدا کی نظر میں اس قربانی کی کوئی قیمت نہیں جس کے پیچھے تقویٰ کے جذبات نہ ہوں، خدا کے دربار میں وہی عمل مقبول ہے جس کا محرک خدا کا تقویٰ ہو، ارشاد ہے:

اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الۡمُتَّقِیۡنَ (المائدہ آیت ۲۷)

اللہ صرف متقیوں کا عمل ہی قبول کرتا ہے۔

اُونٹ کی قربانی کا رُوحانی منظر

وَالۡبُدۡنَ جَعَلۡنَا هَا لَكُمۡ مِنۡ شَعَاۤئِرِ اللّٰهِ لَكُمۡ فِیۡهَا خَیۡرٌ فَاذۡ كُرُوا اسۡمَ اللّٰهِ عَلَیۡهَا صَوَاۤفَّ فَاِذَا وَجَبَتۡ جُنُوۡبُهَا فَكُلُوۡا مِنۡهَا وَاَطۡعِمُوا الۡقَانِعَ وَالۡمُعۡتَرَّ (الحج آیت ۳۶)

”اور (قربانی کے) اونٹوں کو ہم نے تمہارے لئے خدا پرستی کی نشانی بنا دیا ہے، اس میں تمہارے لئے خیر ہی خیر ہے، پس ان کو قطار در قطار کھڑا کر کے ان پر اللہ کا نام لو اور جب (گر کر) ان کے پہلو زمین پر ٹک جائیں تو خود کھاؤ اور ان کو بھی کھلاؤ جو مانگنے سے بچتے ہیں اور ان کو بھی جو مانگتے ہیں۔“

اُونٹوں کی قربانی کا طریقہ یہ ہے کہ ان کو ایک قطار میں کھڑا کر کے زور سے ان کے حلقوم میں نیزہ مارا جاتا ہے، جس سے خون کا ایک فوارہ چھوٹتا ہے، اور جب خون نکل چکتا ہے تو وہ زمین پر گر پڑتے ہیں، قربانی کے اس منظر کو ذرا تصوّر میں جمائیے اور پھر غور کیجئے جانوروں کی یہ قربانی کیا ہے؟ یہی تو کہ اسی طرح ہماری جانیں بھی خدا کی جناب میں قربان ہونے کے لئے حاضر ہیں، دراصل یہ قربانی اپنی جان کی قربانی کے قائم مقام ہے اس معنویت کے ساتھ اونٹوں کی قربانی پر غور کیجئے ان کے زخمی ہونے، خون بہنے، گرنے اور راہِ خدا میں جان دینے کے منظر پر غور کیجئے، ایسا محسوس ہوگا کہ گویا میدانِ جہاد میں خدا پرستوں کی صفیں بندھی ہوئی ہیں ان کے حلقوم اور سینوں میں تیر پیوست ہو رہے ہیں، خون کے فوّارے چھوٹ رہے ہیں، لالہ زار زمین ان کی جان نثاری کا ثبوت دے رہی ہے اور وہ ایک ایک کر کے خدا کے حضور میں گر گر اپنی جانیں پیش کر رہے ہیں۔

قربانی کا طریقہ اور دُعا

جانور ذبح کرنے کے لئے اس طرح لٹایا جائے کہ اُس کا رُخ قبلہ کی جانب رہے، اور چھری خوب تیز کر لی جائے، جہاں تک ہو اپنی قربانی کا جانور خود اپنے ہاتھ سے ہی ذبح کیا جائے اور کسی وجہ سے ذبح نہ کر سکے تو کم از کم اس کے پاس ہی کھڑا رہے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

"اے فاطمہ! اپنی قربانی کے جانور کے پاس آ کر کھڑی ہو اس کا جو قطرہ زمین پر گرے گا اس کے بدلے اللہ تمہارے پچھلے گناہ معاف فرمائے گا۔" حضرت فاطمہ نے پوچھا: "یہ ثواب صرف ہم اہلِ بیت کے لئے ہے یا ساری اُمت کے لئے۔" ارشاد فرمایا:

"سارے مسلمانوں کے لئے۔" (ابنِ حبان)

ذبح کرتے وقت پہلے یہ دُعا پڑھے۔

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ عَلٰی مِلَّةِ اِبْرَاهِیْمَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ o اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ o لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَبِذَا لِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ o اَللّٰهُمَّ لَكَ وَمِنْكَ [1]

پھر بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَکْبَرُ کہہ کر ذبح کرے، ذبح کرنے کہ بعد یہ کہے

اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْهُ مِنِّیْ [2] کَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ حَبِیْبِكَ مُحَمَّدٍ وَّخَلِیْلِكَ اِبْرَاهِیْمَ عَلَیْهِمَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ۔

''اے اللہ! تو اس قربانی کو میری جانب سے قبول فرما جس طرح تو نے اپنے حبیب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اپنے خلیل ابراہیم (علیہ السلام) کی قربانی قبول فرمائی۔ دونوں پر درود وسلام ہو۔

قربانی کی فضیلت وتاکید

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کی فضیلت اور بے بہا اجر کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

(۱) ''خدا کے نزدیک نحر کے دن (یعنی دسویں ذوالحجہ کو) قربانی کا خون بہانے سے زیادہ پسندیدہ کوئی عمل نہیں ہے، قیامت کے روز قربانی کا جانور اپنے سینگوں، بالوں، اور کھروں سمیت حاضر ہوگا اور قربانی کا خون زمین پر گرنے نہیں پاتا کہ خدا کے یہاں مقبول ہو جاتا ہے۔ لہٰذا قربانی دل کی خوشی اور پوری آمادگی سے کیا کرو۔'' (ترمذی، ابن ماجہ)

---

[1] مشکوۃ باب الاضحیہ ترجمعہ:- میں نے ہر طرف سے یکسو ہو کر اپنا رُخ ابرہیم کے طریقے پر ٹھیک اُس خدا کی طرف کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے۔ اور میں شرک کرنے والوں میں سے قطعاً نہیں ہوں۔ بلاشبہ میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور موت سب اللہ رب العالمین کے لئے ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، مجھے اسی کا حکم ملا ہے اور میں فرماں برداروں میں سے ہوں۔ اے اللہ! یہ تیرے ہی حضور پیش ہے اور تیرا ہی دیا ہوا ہے۔

[2] اگر کسی اور کی جانب سے ذبح کر رہا ہو تو ''مِنِّیْ'' کہنے کے بجائے ''مِنْ'' کے بعد اس کا نام لے۔ اگر ایک شخص ہو تو ایک کا نام لے اور چند ہوں تو چند کا نام لے۔

(۲) صحابہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ قربانی کیا چیز ہے؟ ارشاد فرمایا، ''یہ تمہارے باپ ابراہیم (علیہ السلام) کی سنت ہے''، صحابہؓ نے کہا، یارسول اللہ اس میں ہمارے لئے کیا اجر و ثواب ہے؟ ارشاد فرمایا، ''ہر ہر بال کے بدلے ایک نیکی ملے گی''، صحابہؓ نے کہا اور اون کے بدلے یارسول اللہ! فرمایا ''ہاں اون کے ہر ہر رُویں کے بدلے میں بھی ایک نیکی ملے گی۔'' (ترمذی، ابن ماجہ)

(۳) حضرت ابو سعید خدریؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ زہراءؓ سے فرمایا، ''فاطمہ! اُٹھو آؤ اپنی قربانی کے جانور کے پاس کھڑی ہو، اس لئے کہ اس کا جو قطرہ بھی زمین پر گرے گا، اس کے بدلے میں خدا تمہارے پچھلے گناہ بخش دے گا''، حضرت فاطمہؓ نے پوچھا، یہ خوش خبری ہم اہلِ بیت کے لئے ہی مخصوص ہے یا ساری اُمت کے لئے ہے، ارشاد فرمایا، ''ہمارے اہلِ بیت کے لئے بھی ہے اور ساری اُمت کے لئے بھی۔''[1]

(۴) حضرت ابن بریدہؓ اپنے والد کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کے دن بغیر کچھ تناول فرمائے نماز کو نہیں جاتے تھے، اور عید الاضحیٰ کے دن نمازِ عید الاضحیٰ پڑھنے سے پہلے کچھ نہیں کھاتے تھے[2] اور جب واپس تشریف لاتے تو قربانی کے جانور کی کلیجی تناول فرماتے تھے۔''

قربانی کے احکام و مسائل

قربانی کرنے والے کے لئے مسنون عمل

جو شخص بھی قربانی کرنے کا ارادہ کرے وہ ذوالحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد نہ جسم کے کسی حصے کے بال کاٹے اور نہ مونڈے اور نہ ناخون کتروائے، پھر جب قربانی کا جانور ذبح کرلے تو بال

---

[1] جمع الفوائد بحوالہ البزار [2] ترمذی، احمد

اور ناخون وغیرہ کتروائے، یہ عمل مسنون ہے واجب نہیں ہے اور جو شخص قربانی کی وسعت نہ رکھتا ہو اس کے لئے بھی بہتر یہ ہے کہ وہ قربانی کے دن اپنے بال بنوائے، ناخن کٹوائے، خط بنوائے اور زیرِ ناف کے بال صاف کرے، خدا کے نزدیک اُس کا یہی عمل قربانی کا قائم مقام بن جائے گا۔

حضرت اُمِ سلمہؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''جس کو قربانی کرنا ہو وہ ذوالحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد نہ اپنے بال بنوائے اور نہ ناخن کٹوائے یہاں تک کہ وہ قربانی کرلے''۔[1]

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اضحیٰ کے دن (یعنی ۱۰/ذوالحجہ کو) عید مناؤں، اللہ نے اس دن کو اس اُمت کے لئے عید کا دن قرار دیا ہے، ایک شخص نے پوچھا، یارسول اللہؐ یہ بتایئے کہ اگر میرے پاس ایک ہی بکری ہو جو کسی نے دودھ کے لئے مجھے دے رکھی ہو تو کیا میں اس کی قربانی کروں؟ ارشاد فرمایا نہیں تم اس کی قربانی نہ کرو۔ بلکہ (قربانی کے دن) اپنے بال بنوالینا، اپنے ناخن کٹوالینا، اپنی مونچھیں کترواکر دُرست کرالینا، اور زیرِ ناف کے بال صاف کرلینا، بس خدا کے نزدیک یہی تمہاری پوری قربانی ہو جائے گی۔''[2]

قربانی کے جانور اور ان کے احکام

قربانی کے جانور یہ ہیں:-

(۱) اونٹ، اونٹنی، دُنبہ، بکرا، بکری، بھیڑ، گائے، بیل، بھینس، بھینسا، ان جانوروں کے علاوہ اور کسی جانور کی قربانی جائز نہیں۔

(۲) دُنبہ، بکرا، بکری، بھیڑ کی قربانی صرف ایک آدمی کی طرف سے ہو سکتی ہے۔ ایک سے زائد کئی آدمی اس میں حصے دار نہیں ہو سکتے۔

(۳) گائے، بھینس اور اونٹ میں سات حصے ہو سکتے ہیں، سات سے زائد نہیں مگر اس کے

---

[1] مسلم، جمع الفوائد ج اول صفحہ ۱۴۱ ۵۔ [2] جمع الفوائد، ابوداؤد، نسائی۔

لئے دو شرطیں ہیں۔

● پہلی شرط یہ ہے کہ ہر حصے دار کی نیت قربانی یا عقیقے کی ہو، محض گوشت حاصل کرنے کی نیت نہ ہو۔

● دوسری شرط یہ ہے کہ ہر حصے دار کا حصہ ٹھیک ۱/۷ ہو، اس سے کم کا حصے دار نہ ہو۔

ان دونوں شرطوں میں سے کوئی بھی شرط پوری نہ ہوئی تو کسی کی قربانی صحیح نہ ہوگی۔

(۴) گائے، بھینس، اونٹ میں سات افراد سے کم بھی شریک ہوسکتے ہیں، مثلاً کوئی دو، چار، یا کم وبیش حصے لے مگر اس میں بھی یہ شرط ضروری ہے کہ کوئی حصے دار ساتویں حصے سے کم کا شریک نہ ہو ورنہ کسی کی قربانی صحیح نہ ہوگی۔

(۵) ایک شخص نے گائے خریدی اور ارادہ یہ ہے کہ دوسروں کو شریک کرکے قربانی کرلیں گے تو یہ دُرست ہے اور اگر خریدتے وقت پوری گائے اپنے ہی لئے خریدی پھر بعد میں دوسروں کو شریک کرنے کا ارادہ کرلیا تو یہ بھی جائز ہے، البتہ بہتر یہی ہے کہ ایسی صورت میں اپنے پہلے ارادے کے مطابق پورا جانور اپنی ہی طرف سے کرے، لیکن دوسروں کو شریک کرنا ہی چاہے تو خوش حال آدمی کو شریک کرے جس پر قربانی واجب ہو، اگر ایسے شخص کو شریک کرلیا جس پر قربانی واجب نہیں ہے تو دُرست نہیں۔

(۶) گائے، بھینس کی قربانی میں ایک یا ایک سے زائد افراد کے حصے از خود ہی تجویز کرکے قربانی کرلی اور ان افراد کی مرضی اور اجازت نہیں لی تو یہ قربانی صحیح نہیں ہے، جن لوگوں کے بھی حصے رکھے جائیں ان کے کہنے سے رکھے جائیں، یہ نہیں کہ قربانی کے حصے دار تجویز کرکے قربانی تو پہلے کرلی جائے اور حصے داروں کی مرضی اور اجازت بعد میں حاصل کی جائے۔

(۷) بکرا، بکری، اور دُنبہ، بھیڑ جب پورے سال بھر کے ہوجائیں تو ان کی قربانی دُرست ہے۔ سال بھر سے کم کے ہوں تو قربانی دُرست نہیں، اور گائے بھینس پورے دو سال کے ہوجائیں

تو ان کی قربانی دُرست ہے، دو سال سے کم کے ہوں تو قربانی دُرست نہیں، اور اونٹ پورے پانچ سال کا ہو تب قربانی دُرست ہے پانچ سال سے کم کا ہو تو اس کی قربانی دُرست نہیں۔

(۸) جس جانور کے سینگ پیدائشی طور پر نکلے ہی نہ ہوں، یا نکلے ہوں مگر کچھ حصہ ٹوٹ گیا ہو تو اس کی قربانی جائز ہے، البتہ جس جانور کے سینگ بالکل جڑ سے ہی ٹوٹ گئے ہوں، اس کی قربانی جائز نہیں۔

(۹) اندھے، کانے جانور کی قربانی بھی دُرست نہیں اور اس لنگڑے جانور کی قربانی بھی دُرست نہیں جو صرف تین پیروں سے چلتا ہو، چوتھا پیر زمین پر رکھا ہی نہ جاتا ہو یا رکھتا ہو لیکن اس پر زور دے کر نہ چلتا ہو صرف تین پیروں کے سہارے چلتا ہو، ہاں اگر چوتھا پیر بھی کام کر رہا ہو اور چلنے میں صرف لنگ ہو تو پھر قربانی دُرست ہے۔

(۱۰) جس جانور کا کان ایک تہائی سے زیادہ کٹ گیا ہو یا دُم ایک تہائی سے زیادہ کٹ گئی ہو اس کی قربانی دُرست نہیں۔

(۱۱) دُبلے پتلے جانور کی قربانی جائز تو ہے، البتہ بہتر یہ ہے کہ موٹا، تازہ صحیح سالم اور خوبصورت جانور خدا کی راہ میں قربان کیا جائے، اور اگر جانور ایسا مریل اور دُبلا کمزور ہو کہ اس کی ہڈیوں میں گودا ہی نہ رہ گیا ہو تو اس کی قربانی دُرست نہیں۔

حضرت ابوسعید خدریؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک سینگوں والے موٹے تازے دُنبے کی قربانی کر رہے تھے جس کی آنکھوں کے گرد سیاہی تھی، جس کا منہ بھی سیاہ رنگ کا تھا اور جس کی ٹانگیں بھی سیاہ تھیں۔“[1]

حضرت جابر بن عبداللہؓ کا بیان ہے کہ ”قربانی کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دُنبے سینگوں والے چت کیے اور خصی ذبح کیے۔“

(۱۲) جس جانور کے پیدائشی طور پر کان نہیں ہیں یا ہیں تو بہت ہی چھوٹے ہیں اس

[1] ابوداؤد باب مایستحب من الضحایا

کی قربانی دُرست ہے۔

(۱۳) جس جانور کے دانت بالکل ہی نہ ہوں اس کی قربانی دُرست نہیں اور اگر چند دانت گر گئے ہوں باقی زیادہ دانت موجود ہوں تو اس کی قربانی دُرست ہے۔

(۱۴) خصی بکرے اور مینڈھے کی قربانی دُرست ہے، خصی ہونا عیب نہیں ہے بلکہ جانور کو فربہ کرنے کا ایک سبب ہے۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خصی دُنبے کی قربانی کی ہے۔

(۱۵) ایک خوش حال آدمی نے جس پر قربانی واجب تھی ایک جانور قربانی کے لئے خریدا، خرید لینے کے بعد اس میں کوئی عیب ایسا پیدا ہو گیا، جس کی وجہ سے اس کی قربانی دُرست نہ رہی، تو ضروری ہے کہ وہ شخص دوسرا جانور خرید کر قربانی کرے، ہاں اگر کسی ایسے نادار شخص کے ساتھ ایسا واقعہ ہوا جس پر قربانی واجب نہ تھی تو اس کے لئے اسی عیب دار جانور کی قربانی کر لینا جائز ہے۔

(۱۶) گائے اور بکری اگر حاملہ ہو تو اس کی قربانی بھی جائز ہے، اگر بچہ زندہ برآمد ہو تو اس کو بھی ذبح کر لینا چاہئے۔

قربانی کا حکم

(۱) قربانی کرنا واجب ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، جس کے راوی حضرت ابو ہریرہؓ ہیں۔

"جو شخص وسعت رکھتے ہوئے قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے[1]۔"

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے ایک شخص نے پوچھا، کیا قربانی واجب ہے؟ آپؓ نے جواب دیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے قربانی کی ہے، اس نے پھر وہی سوال دُہرایا (کیا قربانی واجب ہے) ارشاد فرمایا تم سمجھتے ہو! نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے قربانی کی ہے۔

(۲) قربانی قارن پر بھی واجب ہے اور متمتع پر بھی البتہ مفرد پر واجب نہیں اگر وہ اپنے طور

---

[1] جمع الفوائد بحوالہ القزوینی

پر کرلے تو اجر و ثواب کا مستحق ہوگا۔

(۳) زائرینِ حرم کے علاوہ عام مسلمانوں پر قربانی واجب ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ خوش حال ہو، خوش حال سے مراد یہ ہے کہ اس کے پاس اتنا مال واسباب ہو جو اس کی بنیادی ضرورتوں سے زائد ہو اور اگر ان کا حساب لگایا جائے تو یہ بقدر نصاب ہو جائے یعنی جس شخص پر صدقۂ فطر واجب ہے اس پر قربانی بھی واجب ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ مقیم ہو مسافر پر قربانی واجب نہیں۔

(۴) قربانی صرف اپنی ہی جانب سے واجب ہے نہ بیوی کی طرف سے واجب ہے نہ اولاد کی طرف سے۔

(۵) کسی شخص پر قربانی شرعاً واجب نہیں تھی، لیکن اس نے قربانی کی نیت سے کوئی جانور خرید لیا، تو اب اس جانور کی قربانی واجب ہوگئی۔

(۶) ایک شخص پر قربانی واجب تھی لیکن قربانی کے تینوں دن گزر گئے اور وہ کسی وجہ سے قربانی نہیں کر سکا، اگر اس نے بکری وغیرہ خرید لی تھی تب تو اسی بکری کو زندہ خیرات کردے اور نہ خریدی ہو تو ایک بکری کی قیمت بھر رقم خیرات کردے۔

(۷) کسی نے منت اور نذر مانی کہ میرا فلاں کام ہو جائے تو قربانی کروں گا پھر خدا کے فضل وکرم سے وہ کام ہوگیا تو چاہے یہ شخص خوش حال ہو یا نادار بہر حال اس پر قربانی واجب ہوگئی اور نذر کی قربانی کا حکم یہ ہے کہ اس کا سارا گوشت، غریبوں اور حاجت مندوں میں تقسیم کردیا جائے، قربانی کرنے والا خود بھی نہ کھائے اور نہ خوشحال لوگوں کو کھلائے۔

قربانی کے ایام اور وقت

(۱) عید الاضحیٰ یعنی ذوالحجہ کی دسویں تاریخ سے لے کر ذوالحجہ کی بارھویں تاریخ تک غروبِ آفتاب سے پہلے تک قربانی کے ایام ہیں، ان تین ایام میں جب اور جس دن سہولت ہو قربانی

کرنا جائز ہے، لیکن قربانی کا سب سے افضل عید الاضحیٰ کا دن ہے پھر گیارھویں تاریخ اور پھر بارھویں۔

(۲) شہر اور قصبات کے باشندوں کے لئے نمازِ عید سے پہلے قربانی کرنا دُرست نہیں جب لوگ نماز سے فارغ ہوجائیں تب قربانی کرلیں البتہ دیہات کے باشندے نمازِ فجر کے بعد بھی قربانی کرسکتے ہیں۔

(۳) شہر اور قصبات کے باشندے اگر اپنی قربانی کسی دیہات میں کرارہے ہوں تو ان کے جانوروں کی قربانی دیہات میں فجر کے بعد بھی ہوسکتی ہے اور اگر وہاں نمازِ عید سے پہلے ہی گوشت آجائے، تب بھی یہ قربانی دُرست ہے۔

(۴) ایامِ قربانی یعنی ذوالحجہ کی دس تاریخ سے بارھویں تاریخ غروبِ آفتاب تک جس وقت چاہیں قربانی کرسکتے ہیں۔ دن میں بھی اور رات میں بھی لیکن افضل یہی ہے کہ شب میں قربانی نہ کی جائے، ہوسکتا ہے کہ کوئی رگ سلیقے سے نہ کٹے یا رہ جائے اور قربانی دُرست نہ ہو۔

(۵) قربانی واجب ہونے کی ۲ دو شرطیں ہیں، مقیم ہونا اور خوش حال ہونا، اگر کوئی شخص سفر میں ہے اور وہ بارھویں ذوالحجہ کو غروبِ آفتاب سے پہلے پہلے اپنے وطن پہنچ گیا اور خوش حال ہے تو اس پر قربانی واجب ہوگئی اور اگر وہ مقیم ہے اور نادار ہے، لیکن بارھویں ذوالحجہ کو غروب سے پہلے خدا نے اسے مال و دولت سے نواز دیا تو اس پر بھی قربانی واجب ہوگئی۔

قربانی کے متفرق مسائل

(۱) قربانی کرتے وقت نیت کا زبان سے اظہار کرنا اور دُعا پڑھنا ضروری نہیں، صرف دل کی نیت اور ارادہ قربانی صحیح ہونے کے لئے کافی ہے، البتہ زبان سے دُعا پڑھنا بہتر ہے۔

(۲) اپنی قربانی کا اپنے ہی ہاتھ سے ذبح کرنا بہتر ہے، ہاں اگر کسی وجہ سے خود ذبح نہ کرسکے تو کم از کم ذبح ہوتے وقت موجود رہیں اور خواتین بھی ذبح ہوتے وقت جانور کے پاس

موجود رہیں تو بہتر ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے وقت حضرت فاطمہؓ سے فرمایا:۔

''فاطمہؓ! اُٹھو اپنی قربانی کے جانور کے پاس کھڑی ہو اس لئے کہ اس کے ہر قطرۂ خون کے بدلے تمہارے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے۔

فاطمہؓ نے کہا یا رسول اللہ یہ ہم اہلِ بیت کے لئے ہی خصوصی کرم ہے یا ہمارے لئے بھی ہے اور عام مسلمانوں کے لئے بھی؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ہمارے لئے بھی ہے اور سارے مسلمانوں کے لئے بھی۔'' (جمع الفوائد بحوالہ البزار)

(۳) گائے، بھینس وغیرہ کی قربانی میں کئی افراد شریک ہوں تو گوشت کی تقسیم اندازے سے نہ کریں بلکہ سری، پائے اور گردہ کلیجی وغیرہ سب کو شامل کر کے سات حصے بنائیں اور پھر جس کے جتنے حصے ہوں اس کو دے دیں۔

(۴) قربانی کا گوشت خود بھی کھا سکتے ہیں، اپنے رشتہ داروں اور دوست احباب میں بھی تقسیم کر سکتے ہیں، بہتر یہ ہے کہ کم از کم ایک تہائی تو غرباء اور مساکین میں تقسیم کریں اور باقی اپنے اور اپنے عزیز و اقارب اور دوست احباب کے لئے رکھ لیں، لیکن یہ لازم نہیں ہے کہ ایک تہائی خیرات کیا جائے، ایک تہائی سے کم بھی فقیروں اور غریبوں میں بانٹ دیا جائے تو کوئی گناہ نہیں۔

(۵) گائے، بھینس اور اونٹ کی قربانی میں کئی افراد شریک ہیں اور وہ آپس میں گوشت تقسیم کرنے کے بجائے سب ایک ساتھ ہی فقراء اور مساکین کو تقسیم کرنا چاہتے ہیں یا پکا کر کھلانا چاہتے ہیں تو یہ بھی جائز ہے۔

(۶) قربانی کا گوشت غیر مسلموں کو دینا بھی جائز ہے، البتہ اُجرت میں دینا صحیح نہیں ہے۔

(۷) قربانی کی کھال بھی کسی حاجت مند کو خیرات میں دی جا سکتی ہے اور اس کو فروخت کر کے رقم بھی خیرات کی جا سکتی ہے، یہ رقم ان لوگوں کو دینا چاہئے جن کو زکوٰۃ دی جاتی ہے۔

(۸) قربانی کی کھال کو اپنے کام میں لانا بھی جائز ہے مثلاً نماز پڑھنے کے لئے جائے نماز

بنوالی جائے یا ڈول وغیرہ بنوالیا جائے۔

(۹) قصاب کو گوشت بنانے کی مزدوری میں گوشت، کھال یا رسی وغیرہ نہ دی جائے بلکہ مزدوری الگ سے دی جائے اور جانور کی رسی کھال وغیرہ سب خیرات کر دینی چاہئے۔

(۱۰) جس پر قربانی واجب ہے اس کو تو کرنا ہی ہے جن پر واجب نہیں ہے، ان کو بھی اگر غیر معمولی زحمت نہ ہو تو ضرور قربانی کرنی چاہئے، البتہ دوسروں سے قرض لے کر قربانی کرنا مناسب نہیں۔

مُردوں کی طرف سے قربانی

خدا نے جس شخص کو مال و دولت سے نوازا ہے، وہ صرف واجب قربانی پر ہی کیوں اکتفا کرے، بلکہ قربانی کا بے حد وحساب اجر وانعام پانے کے لئے اپنے بزرگوں یعنی مُردہ ماں باپ، دادا، دادی، اور دوسرے رشتہ داروں کی طرف سے بھی قربانی کرے، تو بہتر ہے اور اپنے محسن اعظمؐ (جن کی بدولت ہدایت وایمان کی دولت نصیب ہوئی ہے) کی طرف سے قربانی تو مومن کی بہت بڑی سعادت ہے۔ اسی طرح ازواجِ مطہرات یعنی اپنی رُوحانی ماؤں کی طرف سے قربانی کرنا بھی انتہائی خوش نصیبی ہے۔ مگر یہ سب اخلاص اور للٰہیت کے ساتھ ہونا چاہئے۔ نمود ونمائش سے تمام اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ اور دونوں جہان کا خسارہ ہی انسان کے حصہ میں آتا ہے۔

ہَدی کا بیان

ہَدی کے لغوی معنیٰ ہیں، تحفہ اور نذرانہ، اور شریعت کی اصطلاح میں ہدی سے مراد وہ جانور ہے جو زائرِ حرم قربانی کے لئے اپنے ہمراہ لے جاتا ہے یا کسی ذریعے سے وہاں بھیج دیتا ہے۔

(۱) ہدی کی تین قسمیں ہیں، اونٹ، گائے، اور بکری

اونٹ ہدی کی اعلیٰ قسم ہے اور بکری ہدی کی ادنیٰ قسم ہے۔

بھیڑ، دُنبہ، وغیرہ بکری کے حکم میں ہیں اور بھینس، بیل وغیرہ گائے کے حکم میں ہیں۔

(۲) ہدی کے جانوروں کی صحت، اور عمرہ وغیرہ متعلق احکام وشرائط وہی ہیں جو قربانی کے جانوروں سے متعلق ہیں۔[1]

(۳) ہدی اگر تطوّع کی ہو، جیسے حجِ افراد کرنے والا اپنی خوشی سے نفلی قربانی پیش کرے، تو اس قربانی کا گوشت ہدی دینے والا خود بھی کھا سکتا ہے، اسی طرح حجِ قران اور حجِ تمتع کرنے والا بھی اپنی قربانی کا گوشت کھا سکتا ہے، جس طرح عام قربانی کا گوشت جائز ہے، کیونکہ قران اور تمتع کی ہدی کسی جُرم یا کوتاہی کا کفارہ نہیں ہے، بلکہ بطور تشکر اللہ تعالیٰ نے قارن اور متمتع پر واجب کیا ہے اس لئے قربانی کے گوشت کی طرح اس کا کھانا بھی جائز ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہدی کے ہر ایک جانور میں سے ایک ٹکڑا پکوایا اور کھایا اور اس کا شوربا بھی پیا، جیسا کہ حضرت جابرؓ کی روایت صحیح مسلم میں منقول ہے اور احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپؐ نے حج میں کئی قربانیاں کیں تھیں، ظاہر ہے قِران یا تمتع کی تو ایک ہی قربانی ہوگی باقی قربانیاں نفلی ہی ہوں گی، اور آپ نے جب ہر ایک میں سے ایک ایک ٹکڑا پکوایا تو معلوم ہوا کہ تمتع، قران اور نفلی ہدایا تینوں ہی کا گوشت قربانی کرنے والا خود بھی کھا سکتا ہے۔

---

[1] قربانی کے جانوروں سے متعلق احکام وشرائط صفحہ ۲۸۲ پر ملاحظہ فرمائیے۔

(۴) تمتع، قران اور تطوّع کے علاوہ کسی ہدی کا گوشت خود کھانا جائز نہیں۔ چاہے وہ کسی جرم کے کفارے کی ہدی ہو، چاہے نذر و منّت کی، اور چاہے وہ دمِ احصار[1] ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صلح حدیبیہ کے موقع پر حج سے روک دیئے گئے تو آپؐ نے ناجیہ اسلمی کے ہاتھ احصار کی ہدی روانہ کی اور ان کو یہ ہدایت فرمائی کہ اس میں سے تم بھی نہ کھانا اور تمہارے ساتھی بھی نہ کھائیں۔

(۵) جس ہدی کا خود کھانا جائز نہیں ہے اس کا سارا گوشت فقراء اور مساکین میں صدقہ کر دینا واجب ہے، حرم کے فقراء کو دیا جائے یا حرم کے باہر کے فقراء کو دونوں کو دینا صحیح ہے۔ فقراء حرم کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔[2]

(۶) جس ہدی کا خود کھانا جائز ہے اس ہدی کا سارا گوشت مساکین میں صدقہ کرنا واجب نہیں بلکہ مستحب یہ ہے کہ قربانی کی طرح اس کے تین حصے کر لئے جائیں، ایک حصہ اپنے کھانے کے لئے، ایک حصہ اپنے عزیز و اقارب میں تحفے کے طور پر دینے کے لئے اور ایک حصہ فقراء، میں تقسیم کرنے کے لئے، لیکن ایسا کرنا ضروری نہیں اگر کوئی شخص سارا کا سارا گوشت غرباء اور مساکین میں تقسیم کر دے تب بھی جائز ہے۔

آبِ زمزم اور اس کے آداب و دُعا

بیت اللہ سے مشرق کی جانب ایک تاریخی کنواں ہے، جس کو زمزم کہتے ہیں حدیث میں اس کنوئیں کی بھی بڑی فضیلت آئی ہے اور اس کے پانی کی بھی بڑی برکت اور فضیلت بیان کی گئی ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے جب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو مکے کے بے آب و گیاہ ریگستان میں لا کر بسایا، تو اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم کھا کر اس چٹیل میدان میں ان کے لئے زمزم کا یہ چشمہ جاری فرمایا۔ حدیث میں ہے۔

هِيَ هَزْمَةُ جِبْرِيْلَ وَ سُقْيَا اِسْمٰعِيْلَ (دار قطنی)

---

[1] دیکھئے اصطلاحات ۳۵۰ [2] عین الہدایہ۔

یہ جبریل کا کھودا ہوا کنواں ہے اور اسمٰعیل کا سقاوہ ہے۔

سعی اور حلق و تقصیر وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد زمزم کا پانی خوب ہی شکم سیر ہو کر پینا چاہیئے۔ زمزم کا پانی اس افراط کے ساتھ پینا کہ پسلیاں تن جائیں ایمان کی علامت ہے، ایمان سے محروم منافق اتنا نہیں پی سکتا کہ اس کی پسلیاں تن سکیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

''ہمارے اور منافقین کے درمیان ایک امتیازی علامت یہ ہے کہ منافقین زمزم کا پانی اتنا شکم سیر ہو کر نہیں پیتے کہ ان کی پسلیاں تن جائیں۔'' (ابن ماجہ)

آبِ زمزم کی برکت اور فضیلت بیان کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

''آبِ زمزم جس مقصد سے پیا جائے، وہ اسی مقصد کے لئے مفید ہو جاتا ہے شفا کے لئے پیو تو خدا شفا بخشے گا۔ پیٹ بھرنے اور آسودہ ہونے کے لئے پیو تو خدا تمہیں آسودہ کر دے گا۔ پیاس بجھانے کے لئے پیو تو اللہ تعالیٰ تمہاری پیاس بجھا دے گا یہ وہ کنواں ہے جس کو جبریلؑ نے اپنی ٹھوکر کی قوت سے کھودا تھا اور یہ اسمٰعیلؑ کی سبیل ہے۔'' (دار قطنی)

یعنی خدا کے حکم سے حضرت جبریلؑ نے مخصوص طور پر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے لئے اس وادیٔ غیر ذی زرع میں کھودا تھا۔ تا کہ وہ اس سے بھوک پیاس بجھا سکیں۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

''رُوئے زمین کے ہر پانی سے زیادہ افضل زمزم کا پانی ہے، یہ بھوکے کے لئے غذا اور بیمار کے لئے شفا ہے۔'' (ابن حبان)

نیز انہی کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

''جو شخص زمزم کا پانی اس غرض سے پئے گا کہ دُشمن سے پناہ پا لے تو اُسے پناہ حاصل ہو گی[1]۔''

زمزم کا پانی کھڑے ہو کر اور بسم اللہ پڑھ کر پینا چاہیئے اور خوب ہی جی بھر کر پینا چاہیئے۔ پیتے وقت یہ دُعا پڑھی جائے۔

---

[1] حاکم

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا وَّ رِزْقًا وَّاسِعًا وَّ شِفَاءً مِّنْ كُلِّ دَاءٍ[1]

''اے اللہ! میں تجھ سے علمِ نافع کا سائل ہوں، کُشادہ روزی چاہتا ہوں اور ہر مرض سے شفا کا طالب ہوں۔''

ملتزم اور اس کی دُعا

ملتزم بیت اللہ کی دیوار کے اس حصے کو کہتے ہیں جو بابِ کعبہ اور حجرِ اسود کے درمیان ہے یہ تقریباً چھ فٹ کا حصہ ہے اور یہ قبولیتِ دُعا کے اہم مقامات میں سے ایک ہے، اس سے چمٹ کر گڑگڑانا، سینے اور رُخسار لگا کر انتہائی لجاجت اور عاجزی سے دُعائیں مانگنا حج کا ایک مسنون عمل ہے، طواف سے فارغ ہونے کہ بعد ملتزم سے چمٹنا اور دُعا کرنا، خاص طور پر اس لئے بھی ایک کیفیت پیدا کرتا ہے کہ یہ بیت اللہ سے رُخصت کا وقت ہوتا ہے۔

حضرت عمرو بن شعیبؒ کہتے ہیں۔ میرے والد شعیب کا بیان ہے ''میں اپنے والد عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کے ہمراہ طواف کر رہا تھا کہ میں نے کچھ لوگوں کو بیت اللہ سے چمٹتے ہوئے دیکھا۔ میں نے عبداللہ ابن عمروؓ سے کہا ہمیں بھی اس جگہ لے چلیئے ہم بھی ان لوگوں کے ساتھ اسی طرح بیت اللہ سے چمٹیں گے تو انہوں نے کہا ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ'' پھر جب وہ طواف کر کے فارغ ہوئے تو وہ بیت اللہ کے اس خاص حصے کو چمٹ گئے جو بابِ کعبہ اور حجرِ اسود کے درمیان میں ہے، اور کہا '' خدا کی قسم یہی وہ جگہ ہے جس سے رسول اللہ علیہ وسلم کو میں نے چمٹتے ہوئے دیکھا ہے۔'' (بیہقی)

اور ابوداؤد کی روایت میں حضرت شعیب کا بیان یوں ہے کہ

''عبداللہ ابن عمرؓو حجرِ اسود اور بابِ کعبہ کے درمیان کھڑے ہوئے، اور اپنا سینہ، چہرہ اور دونوں ہتھیلیاں اس طرح خوب پھیلا کر (دیوارِ کعبہ پر) رکھیں اور فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

---

[1] نیل الاوطار

وسلم کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے۔'' (ابوداؤد باب الملتزم)

ملتزم کی دُعا کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''جو کوئی بھی مصیبت کا مارا اور آفت رسیدہ شخص یہاں پر دُعا مانگے گا وہ ضرور عافیت پائے گا۔'' (ابوداؤد، ابن ماجہ)

ملتزم سے چمٹ کر پہلے یہ دُعا پڑھی جائے تو بہتر ہے پھر دین و دُنیا کی جو جائز مُرادیں چاہے مانگے۔

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ حَمْدًا یُّوَافِیْ نِعَمَکَ وَیُکَافِیْ مَزِیْدَکَ اَحْمَدُکَ بِجَمِیْعِ مَحَامِدِکَ مَاعَلِمْتُ وَمَالَمْ اَعْلَمْ وَعَلٰی جَمِیْعِ نِعَمِکَ مَاعَلِمْتُ مِنْھَا وَمَالَمْ اَعْلَمْ وَعَلٰی کُلِّ حَالٍ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ اَللّٰھُمَّ اَعِذْنِیْ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ وَاَعِذْنِیْ مِنْ کُلِّ سُوْءٍ وَقَنِّعْنِیْ لِمَارَزَقْتَنِیْ وَبَارِکْ لِیْ فِیْهِ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنْ اَکْرَمِ وَفْدِکَ عَلَیْکَ وَالْزِمْنِیْ سَبِیْلَ الْاِسْتِقَامَةِ حَتّٰی اَلْقَاکَ یَارَبَّ الْعَالَمِیْنَ۔ (اذکار نووی)

''اے اللہ! حمد و شکر کا تو ہی مستحق ہے اس حمد و شکر کا جس سے تیری نعمتوں کا کچھ حق ادا ہو سکے اور ان نعمتوں پر مزید احسان و انعام کا کچھ بدل بن سکے، میں تیری حمد و ثنا کرتا ہوں تیری ان تمام خوبیوں کے ساتھ جن کا مجھے علم ہے اور ان خوبیوں کے ساتھ جن کا مجھے علم بھی نہیں ہے تیری ان تمام عطا کردہ نعمتوں پر جن میں سے کچھ کا مجھے علم ہے اور کچھ میرے دائرۂ علم سے باہر ہیں، اور ہر حال میں تیرا شکر گزار اور تیرا ثنا خواں ہوں، اے اللہ! درود و سلام ہو محمدؐ پر اور محمدؐ کی آل پر۔ اے اللہ! مجھے شیطان مردُود سے اپنی پناہ میں رکھ اور مجھے اپنی پناہ دے ہر برائی سے اور تو نے مجھے جو کچھ عنایت فرمایا ہے، اس پر مجھے قانع بنا دے، اور میرے لئے اس میں برکت پیدا فرما دے۔ اے اللہ! تو مجھے اپنے عزت و اکرام والے مہمانوں میں سے بنا دے اور سیدھے راستے پر اس وقت تک جمے رہنے کی توفیق عطا فرما، اے رب العالمین! جب کہ میں تجھ سے آ کر ملوں۔''

قبولیتِ دُعا کے مقامات

حج کے دوران ہر ہر عمل کرتے ہوئے ذکر و تسبیح میں مشغول رہنا اور ہر ہر مقام پر کثرت سے دُعائیں کرنا مومن کی شان ہے بالخصوص بعض متعین مقامات پر تو دُعاؤں کا اور زیادہ اہتمام کرنا چاہئے۔ حضرت حسن بصریؒ جب مکے سے بصرے واپس جانے لگے تو آپ نے مکے والوں کے نام ایک خط لکھا جس میں مکے کے قیام کی اہمیت اور فضائل کا ذکر کیا اور خاص طور پر یہ واضح فرمایا کہ ان پندرہ مقامات پر خصوصیت کے ساتھ بندۂ مومن کی دُعا قبول ہوتی ہے۔

(۱) ملتزم سے چمٹ کر (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، ملتزم ایک ایسا مقام ہے جہاں دُعا قبول ہوتی ہے، اس مقام پر بندہ جو دُعا بھی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ضرور قبول فرماتا ہے) (الحصن والحصین)

(۲) میزاب کے نیچے

(۳) کعبۂ مقدّسہ کے اندر

(۴) آبِ زمزم کے پاس

(۵) صَفا اور مَروہ پر

(۶) صفا اور مَروہ کے درمیان جہاں سعی کی جاتی ہے۔

(۷) مقامِ ابراہیم کے پاس

(۸) عرفات کے میدان میں

(۹) مزدلفے میں (یعنی مشعر الحرام کے پاس)

(۱۰) منیٰ میں

(۱۱) جمرات کے پاس

عُمرہ

عمرہ کے معنیٰ ہیں آباد مکان کا ارادہ کرنا، زیارت کرنا، اور اصطلاحِ شرع میں عمرہ سے مُراد وہ چھوٹا حج ہے، جو ہر زمانہ میں ہوسکتا ہے، اس کے لئے کوئی مہینہ اور دن مقرر نہیں۔ جب اور جس وقت جی چاہے احرام باندھ کر بیت اللہ کا طواف کریں، سعی کریں، اور حلق یا تقصیر کر کے احرام کھول دیں۔ عمرہ حج کے ساتھ بھی کیا جاسکتا ہے اور حج سے علیٰحدہ بھی، عمرہ کرنے والے کو معتمر کہتے ہیں، قرآن میں ہے۔

وَاَتِمُّو الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ۔ (البقرہ۔۱۹۶)

اور اللہ کی رضا کے لئے حج اور عمرہ پورا کرو۔

حدیث میں عمرہ کی بڑی فضیلت آئی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

''سب سے بہتر عمل ایمان کی شہادت ہے، اس کے بعد ہجرت اور جہاد کا مرتبہ ہے، پھر دو عمل ہیں جن سے زیادہ کوئی عمل افضل نہیں ایک حجِ مبرور اور دوسرا عمرۂ مبرور۔'' (مسند احمد)

عمرۂ مبرور کے معنیٰ ہیں وہ عمرہ جو محض خدا کی رضا کے لئے اس کے تمام آداب وشرائط کے ساتھ کیا گیا ہو۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص اپنے گھر سے حج یا عمرے کی نیت سے روانہ ہوا اور راستے ہی میں اس کا انتقال ہوگیا تو وہ شخص بغیر حساب جنت میں داخل ہوگا، اللہ تعالیٰ بیت اللہ کا طواف کرنے والوں پر فخر کرتا ہے۔'' (البیہقی، دار قطنی)

اور آپؐ کا ارشاد ہے

''حج کرنے والے اور عمرہ کرنے والے اللہ کے مہمان ہیں یہ اللہ کی دعوت پر آئے ہیں یہ جو کچھ خدا سے مانگتے ہیں خدا وہ ان کو عطا فرماتا ہے۔'' (البزار)

نیز فرمایا:

''ایک عمرہ دوسرے عمرے تک کے گناہوں کے لئے کفارہ بن جاتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

عمرہ کے مسائل

(۱) عمرہ زندگی بھر میں صرف ایک بار سنتِ مؤکدہ ہے، اس کے علاوہ جب بھی کیا جائے باعثِ اجر و برکت ہے، حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا، ''کیا عمرہ واجب ہے؟'' آپ نے ارشاد فرمایا، ''نہیں، البتہ عمرہ کیا کرو اس کی بڑی فضیلت ہے۔''[۱]

(۲) عمرہ کے لئے کوئی مہینہ، دن اور وقت مقرر نہیں ہے، جس طرح حج کے ایام اور اس کے مناسک کے لئے اوقات مقرر ہیں جب اور جس وقت موقع ہو عمرہ کیا جاسکتا ہے۔

(۳) رمضان المبارک میں عمرہ کرنا مستحب ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

''رمضان میں عمرہ کرنا ایسا ہے جیسا کہ میری معیت میں حج کرنا۔''[۲]

(۴) عمرے کے لئے میقات حِلّ ہے، اور سب ہی لوگوں کے لئے ہے چاہے وہ آفاقی ہوں یا میقات کے اندر حِل اور مکے کے رہنے والے۔[۳]

(۵) عمرے کے اعمال صرف یہ ہیں:

احرام باندھنا

بیت اللہ کا طواف کرنا

صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا اور حلق یا تقصیر کرنا۔

---

[۱] جمع الفوائد بحوالہ ترمذی [۲] ابوداؤد، ترغیب اور بخاری کی روایت میں ہے رمضان کا عمرہ حج کے برابر ہے۔
[۳] حج کی میقات مکے والوں کے لئے حرم ہے۔

حج کی قسمیں

حج کی تین قسمیں ہیں اور تینوں کے کچھ الگ الگ مسائل ہیں

(۱) حجِ اِفراد (۲) حجِ قِران (۳) حجِ تمتّع

حجِ اِفراد

اِفراد کے لغوی معنیٰ ہیں، اکیلا کرنا، تنہا کام کرنا وغیرہ اور اصطلاحِ شرع میں اِفراد سے مُراد وہ حج ہے جس کے ساتھ عمرہ نہ کیا جائے، صرف حج کا احرام باندھا جائے اور صرف حج کے مراسم ادا کئے جائیں، حجِ اِفراد کرنے والے کو مُفرد کہتے ہیں، مُفرد احرام باندھتے وقت صرف حج کی نیت کرے اور سارے ارکانِ حج جو اِس سے پہلے بیان ہو چکے ہیں ادا کرے، مفرد پر قربانی واجب نہیں ہے۔

حجِ قِران

قران کے لغوی معنیٰ ہیں دو چیزوں کو باہم ملانا۔ اور اصطلاح شرع میں قران حج اور عمرے کا احرام ایک ساتھ باندھ کر دونوں کے ارکان ادا کرنے کو کہتے ہیں، حجِ قران کرنے والے کو قارن کہتے ہیں۔

حجِ قران، اِفراد اور تمتع دونوں سے افضل ہے[1] حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] امام شافعیؒ کے نزدیک اِفراد افضل ہے، اور امام مالکؒ کے نزدیک تمتع افضل ہے اس لئے کہ حجِ تمتع کا ذکر قرآن میں فرمایا گیا ہے اور امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں ''اگر قربانی کے جانور ساتھ ہوں تو قران افضل ہے اور جب قربانی کے جانور ساتھ نہ ہوں تو تمتع افضل ہے۔

''حج اور عمرہ کو ملا کر ادا کرو۔ اس لئے کہ یہ دونوں، ناداری اور گناہوں کو (آدمی سے اس طرح) نیست و نابود کر دیتے ہیں جیسے کہ بھٹی لوہے اور سونے اور چاندی کے میل کچیل کو نیست و نابود کر دیتی ہے۔'' (ترمذی)

قِران کے مسائل

(۱) قارن کے لئے ضروری ہے کہ وہ عمرہ حج کے مہینوں میں کرے۔

(۲) حجِ قران میں عمرہ کا طواف حج کے طواف سے پہلے کرنا واجب ہے، اور عمرے کے لئے الگ طواف اور سعی ہے اور حج کے لئے الگ۔[1]

(۳) قران میں عمرے کے تمام افعال سے فراغت کے بعد حج کے افعال و مناسک شروع کرنا مسنون ہے۔

(۴) قارن کے لئے یہ ممنوع ہے کہ وہ عمرہ کر کے حلق یا تقصیر کرالے۔

(۵) قارن کے لئے یہ جائز تو ہے کہ وہ عمرہ کا طواف اور حج کا طوافِ قدوم ایک ساتھ کرلے اور اسی طرح دونوں کی سعی بھی ایک ساتھ کرلے لیکن ایسا کرنا سنت کے خلاف ہے۔

(۶) حج قران کرنے والے پر قربانی واجب ہے اور یہ قربانی دراصل اس بات کا شکریہ ہے کہ خدا نے حج اور عمرہ دونوں کا موقع عنایت فرمایا۔ اور اگر قربانی کی وسعت نہ ہو تو پھر دس روزے رکھنا واجب ہیں، تین روزے تو یومِ نحر سے پہلے اور سات روزے ایامِ تشریق کے بعد رکھے، قرآن کریم میں ہے۔

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ (البقرہ آیت ۱۹۶)

''پھر جس کو قربانی میسر نہ ہو تو وہ تین دن روزے رکھے دورانِ حج میں اور سات روزے جب تم

[1] علماءِ اہلِ حدیث کے نزدیک حجِ قرآن میں عمرے اور حج کے لئے ایک طواف اور سعی کافی ہے۔

حج سے فارغ ہو کر لوٹو تب رکھو یہ سب پورے دس ہوئے۔"

(۱) حج قران یا تمتع صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو میقات سے باہر کے رہنے والے ہیں۔ جن کو اصطلاح میں آفاقی کہتے ہیں، قرآن پاک میں ہے۔

ذَالِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (البقرہ آیت ۱۹۶)

یہ (تمتع یا قران) ان کے لئے ہے جن کے اہل خانہ مسجدِ حرام میں نہ رہتے ہوں۔

جو لوگ میقات کے اندر کے باشندے ہیں ان کے لئے صرف حجِ اِفراد ہی ہے۔

حجِ تمتّع

تمتع کے لغوی معنٰی ہیں کچھ وقت تک فائدہ اُٹھانا اور اصطلاحِ شرع میں تمتع کے معنٰی ہیں حج تمتع کرنا، حج تمتع یہ ہے کہ آدمی عمرہ اور حج ساتھ ساتھ کرے لیکن اس طرح کہ دونوں کے احرام الگ الگ باندھے اور عمرہ کر لینے کے بعد احرام کھول کر ان ساری چیزوں سے فائدہ اُٹھائے جو احرام کی حالت میں ممنوع ہو گئی تھیں، اور پھر حج کا احرام باندھ کر حج ادا کرے، اس طرح کے حج میں چونکہ عمرے اور حج کی درمیانی مدت میں اِحرام کھول کر حلال چیزوں سے فائدہ اٹھانے کا کچھ وقت مل جاتا ہے، اسی لئے اس کو حج تمتع کہتے ہیں، قرآنِ کریم میں ہے۔

فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ (البقرہ ۱۹۶)

پس جو شخص حج کے ایام تک اپنے عمرے سے فائدہ اٹھانا چاہے تو اس پر اس کی وسعت کے مطابق قربانی ہے۔

حجِ تمتع، اِفراد سے افضل ہے، اس لئے کہ اس میں دو عبادتیں ایک ساتھ جمع کرنے کا موقع مل جاتا ہے اور کچھ زیادہ مناسک ادا کرنے کی سعادت حاصل ہو جاتی ہے۔

حجِ تمتع کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ ہدی کا جانور اپنے ہمراہ لائے، اور دوسری یہ کہ

ہدی کا جانور اپنے ہمراہ نہ لائے، پہلی صورت دوسری صورت سے افضل ہے۔

تمتع کے مسائل

(۱) متمتع کے لئے ضروری ہے کہ وہ عمرے کا طواف زمانۂ حج[۱] میں کرے یا کم از کم طوافِ عمرہ کے اکثر شوط زمانۂ حج میں ادا کرے۔

(۲) حج تمتع کے لئے ضروری ہے کہ عمرے اور حج کا طواف ایک ہی سال میں کرے، اگر کسی نے ایک سال عمرے کا طواف کیا اور دوسرے سال حج کا طواف کیا تو اس کو متمتع نہیں کہیں گے۔

(۳) تمتع میں ضروری ہے کہ پہلے عمرے کا احرام باندھا جائے اور یہ بھی ضروری ہے کہ حج کا احرام باندھنے سے پہلے عمرے کا طواف کرلیا جائے۔

(۴) متمتع کے لئے ضروری ہے کہ وہ عمرے اور حج کے احرام کے درمیان المام نہ کرے، المام کے معنٰی ہیں اُتر پڑنا، اور اصطلاح میں المام سے مُراد یہ ہے کہ آدمی عمرے کا احرام کھولنے کے بعد اپنے گھر والوں میں جا کر اُتر پڑے، ہاں اگر وہ قربانی کا جانور ہمراہ لایا ہے تو گھر اُتر پڑنے پر بھی حج تمتع صحیح ہوگا۔

(۵) حج تمتع صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو میقات سے باہر کے علاقوں کے باشندے ہیں جو لوگ مکے میں یا میقات کے داخلی علاقوں میں رہتے بستے ہیں ان کے لئے تمتع اور قران مکروہ تحریمی ہے۔[۲]

(۶) حج تمتع کرنے والے کے لئے طوافِ قدوم کرنا مسنون نہیں ہے اور اس کو چاہئے کہ طوافِ زیارت میں رمل کرے۔[۳]

(۷) متمتع پر بھی قارن کی طرح قربانی واجب ہے اور مقدور نہ ہو تو پھر دس روزے

---

۱ حج کے مہینے یہ ہیں، شوال، ذوالقعدہ، ذوالحجہ کا پہلا عشرہ ۲ علم الفقہ ج پنجم ۳ دیکھئے اصطلاحات صفحہ ۳۵۰ پر

رکھے، تین حج کے دوران یوم النحر سے پہلے رکھ لے اور سات اس وقت رکھے جب حج سے فارغ ہوکر لوٹے یعنی ایامِ تشریق کے بعد۔

(۸) حجِ تمتع کرنے والا اگر ہدی کا جانور ہمراہ نہ لایا ہو تو عمرے کی سعی کے بعد حلق یا تقصیر کر کے احرام کھول دے اور پھر حج کے لئے جدید احرام باندھے، البتہ اپنے ساتھ ہدی کا جانور لے کر آیا ہو تو پھر عمرے کی سعی کے بعد حلق وغیرہ نہ کرائے اور احرام باندھے رہے، دسویں ذوالحجہ کو ہدی کی قربانی کر لینے کے بعد اِحرام سے باہر ہو۔

نبی عربیؐ کا رُخصتی حج

صحابیٔ رسول حضرت جابرؓ کی زبان سے

مدینہ منورہ میں حضرت جابرؓ آخری صحابی تھے، آپؓ کی وفات کے بعد مدینہ میں پھر کوئی صحابی نہ رہا تھا، جب آپ کافی بوڑھے ہو گئے اور نوّے سال سے بھی زیادہ آپ کی عمر ہو گئی تھی، آنکھیں جاتی رہی تھیں، اس وقت کا واقعہ ہے کہ حضرت حسینؓ کے پوتے محمد بن علیؒ یعنی امام باقرؒ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے امام باقرؒ کہتے ہیں واقعہ یوں تھا کہ ہم چند ساتھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے ہم میں سے ایک ایک سے اس کا نام اور حال معلوم کیا جب میری باری آئی اور میں نے بتایا کہ میں حضرت حسینؓ کا پوتا ہوں تو نہایت ہی شفقت سے میرے سر پر ہاتھ پھیرا پھر میرے کرتے کا اوپر والا بٹن کھول کر اپنا دستِ مبارک میرے گریبان میں ڈالا اور ٹھیک میرے سینے کے بیچ میں رکھا۔ ان دنوں میرا اعنفوانِ شباب کا زمانہ تھا، آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا خوش آمدید میرے بھتیجے میرے حسینؓ کی یادگار! کہو کیا پوچھنے آئے ہو بے تکلف پوچھو، میں نے پوچھنا شروع کیا، حضرت آنکھوں سے معذور تھے۔ اتنے میں نماز کا وقت آ گیا۔ حضرت جابرؓ ایک چھوٹی سی چادر اوڑھے ہوئے تھے، اسی کو لپیٹ کر نماز کے لئے کھڑے ہو گئے، چادر اتنی چھوٹی تھی کہ جب وہ اس کو اپنے کندھوں پر ڈالتے تو اس کے کنارے سرک کر پھر ان کی طرف آ جاتے، یہ اسی کو اوڑھے رہے حالانکہ ان کی بڑی چادر قریب ہی لکڑی کے اسٹینڈ پر پڑی ہوئی تھی۔ جب آپ ہمیں نماز پڑھا کر فارغ ہوئے تو میں نے بڑھ کر عرض کیا۔ حضرت! ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے **حج وداع (یعنی رُخصتی حج)** کا مفصل حال سنائیے!

حضرت **جابرؓ** نے ہاتھ کے اشارے سے نو (۹) تک گنتی کر کے فرمایا، واقعہ یہ ہے کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینے آکر رہے تو نو سال تک آپؐ نے کوئی حج نہیں کیا۔ پھر ہجرت کے دسویں سال آپؐ نے عام اعلان کرایا کہ اس سال آپؐ حج کے لئے تشریف لے جائیں گے، یہ اطلاع پاتے ہی بہت بڑی تعداد میں لوگ مدینے آکر جمع ہونے لگے، ہر ایک کی آرزو تھی کہ وہ اس مبارک سفر میں آپؐ کے ہمراہ جائے اور آپ کی پیروی کرے اور وہی کچھ کرے جو آپؐ کو کرتے دیکھے۔

آخر کار مدینے سے روانہ ہونے کا وقت آیا اور یہ پورا قافلہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں مدینے سے روانہ ہو کر ذوالحلیفہ کے مقام پر پہنچا۔ اور اس دن قافلے نے اسی مقام پر قیام کیا۔ یہاں ایک خاص واقعہ پیش آیا کہ قافلے کی ایک خاتون اسماء بنت عمیس یعنی ابوبکر صدیقؓ کی زوجہ کے یہاں بچے کی ولادت ہوئی (جس کا نام محمد رکھا گیا) اسماء بنت عمیس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم کرایا کہ ایسی حالت میں مجھے کیا کرنا چاہیے۔ آپؐ نے فرمایا اسی حالت میں احرام کے لئے غسل کرلو، اور اس حالت میں جس طرح خواتین لنگوٹ باندھتی ہیں تم بھی لنگوٹ باندھے رہو اور احرام باندھ لو۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ میں نماز پڑھی، پھر آپؐ اپنی قصواء اونٹنی پر سوار ہوئے، اونٹنی آپؐ کو لے کر قریب کے بلند میدان بیداء پر پہنچی، بیداء کی بلندی سے جب میں نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی تو مجھے آگے پیچھے دائیں بائیں حدِ نظر تک آدمی ہی آدمی نظر آئے کچھ سوار تھے اور کچھ پیدل، خدا کے رسولؐ ہمارے درمیان میں تھے اور آپؐ پر قرآن نازل ہوتا تھا، اور آپؐ قرآن کے مفہوم اور مطلب کو خوب سمجھتے تھے، لہٰذا حکمِ خداوندی کے تحت آپؐ جو کچھ بھی کرتے تھے ہم لوگ بھی وہی کرتے یہاں پہنچ کر آپؐ نے بلند آواز سے توحید کا تلبیہ پڑھا۔

لَبَّیْكَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ لَبَّیْكَ لَاشَرِیْكَ لَكَ لَبَّیْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ

”تیرے حضور حاضر ہوں اے اللہ! تیرے حضور حاضر ہوں تیری پکار پر تیرے در پر حاضر ہوں،

تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، بے شک حمد وشکر کا مستحق تو ہی ہے، احسان وانعام کرنا تیرا ہی حق ہے، اقتدار تیرا ہی ہے تیرا کوئی شریک نہیں۔"

آپؐ کے رفقاء سفر نے بھی بلند آواز سے اپنا تلبیہ پڑھا، (شاید اس میں کچھ کلمات کا اضافہ تھا) مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تردید نہیں فرمائی، البتہ آپ اپنا وہی تلبیہ برابر پڑھتے رہے۔

حضرت جابرؓ نے فرمایا، اس سفر میں ہماری نیت دراصل حج ادا کرنے کی تھی، عمرہ ہمارے پیش نظر نہ تھا، یہاں تک کہ جب ہم سب لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں، بیت اللہ پہنچے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے حجرِ اسود کا استلام کیا، پھر طواف شروع کیا اور پہلے تین چکروں میں آپؐ نے رمل فرمایا پھر چار چکروں میں معمولی رفتار سے چلے پھر آپؐ مقامِ ابراہیم پر آئے اور یہ آیت تلاوت فرمائی۔

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى ط

اور مقامِ ابراہیم کو اپنے لئے عبادت گاہ قرار دے لو۔

پھر آپؐ اس طرح کھڑے ہوئے کہ مقامِ ابراہیم آپؐ کے اور بیت اللہ کے درمیان میں تھا (یہاں آپؐ نے دو رکعت نماز ادا فرمائی) ان دو رکعتوں میں آپ نے "قُلْ يٰاَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ" اور "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" کی قرأت فرمائی پھر حجرِ اسود کے پاس لوٹ کر آئے، حجر اسود کا استلام کیا، پھر ایک دروازے سے صفا کی طرف چلے، جب صفا کے قریب پہنچے تو آپؐ نے یہ آیت پڑھی:-

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ

بلاشبہ صفا اور مروہ اللہ کے شعائر میں سے ہیں۔

اور فرمایا:-

اَبْدَأُ بِمَا بَدَءَ اللّٰهُ بِهٖ

میں صفا سے ہی اپنی سعی شروع کرتا ہوں جس طرح اللہ نے اس آیت میں اس کے ذکر سے شروع کیا ہے۔

پس آپ پہلے صفا پر آئے، اور صفا پر اتنے اونچے تک چڑھے کہ بیت اللہ آپ کو صاف نظر آنے لگا اور آپ قبلے کی طرف رُخ کر کے کھڑے ہو گئے۔ پھر آپؐ توحید اور تکبیر میں مصروف ہوئے اور آپ نے فرمایا:-

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ اَنْجَزَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اقتدار اسی کے لئے ہے، حمد و شکر کا مستحق وہی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے، اس نے اپنا وعدہ پورا کر دیا (اور دین کو سارے عرب میں غالب فرما دیا) اپنے بندے کی اس نے پوری پوری مدد فرمائی۔ اور کفر و شرک کی فوجوں کو اس نے تنہا شکست دی۔

تین بار آپؐ نے یہ کلمات دُہرائے اور ان کے درمیان دُعا مانگی پھر آپ صفا سے نیچے آئے اور مروہ کی طرف چلے اور مروہ پر بھی وہی کچھ کیا جو صفا پر کیا تھا۔ یہاں تک کہ آپؐ آخری چکر پورا کر کے مروہ پر پہنچے تو آپؐ نے اپنے رفقاء سفر سے خطاب فرمایا۔ آپؐ اوپر مروہ پر تھے اور ساتھی نیچے نشیب میں تھے۔

اگر مجھے اس بات کا احساس پہلے ہو جاتا، جس کا احساس بعد میں ہوا۔ تو میں ہدی کا جانور ساتھ نہ لاتا اور اس طواف و سعی کو عمرے کی سعی و طواف قرار دے کر اس کو عمرہ بنا لیتا اور احرام کھول دیتا (البتہ تم میں سے جو لوگ ہدی کا جانور ساتھ نہ لائے ہوں وہ اس طواف اور سعی کو عمرہ کا طواف قرار دے کر حلال ہو سکتے ہیں۔)

یہ سن کر سراقہ ابن مالک کھڑے ہوئے اور پوچھا یا رسول اللہؐ! یہ حکم اسی سال کے لئے ہے یا یہ اب ہمیشہ کے لئے ہے[1] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں

[1] اہل مکہ کے نزدیک حج کے مہینوں میں مستقل طور پر عمرہ کرنا سخت گناہ کی بات تھی، (بقیہ اگلے صفحہ پر)

میں اچھی طرح ڈالیں اور فرمایا عمرہ حج میں اسی طرح داخل ہو گیا[1]۔ صرف اسی سال کے لئے نہیں بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔

اور (حضرت جابرؓ نے اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے فرمایا) علیؓ یمن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مزید قربانی کے جانور لے کر مکہ معظّمہ پہنچے انہوں نے اپنی بیوی فاطمہ زہراؓ کو دیکھا کہ وہ احرام ختم کر کے حلال ہو گئی ہیں، رنگین کپڑے بھی پہن رکھے ہیں اور سرمہ بھی لگا ہوا ہے، حضرت علیؓ کو یہ بات غیر مناسب معلوم ہوئی، اور ناگواری کا اظہار کیا، تو حضرت فاطمہؓ نے جواب دیا مجھے اباجان نے اس کا حکم دیا تھا (یعنی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے احرام ختم کیا ہے)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا جب تم نے احرام باندھا اور تلبیہ پڑھا تو کیا نیت کی (یعنی صرف حج کی نیت کی تھی یا حج اور عمرہ دونوں کی نیت کی تھی؟

علیؓ نے جواب میں کہا، میں نے کہا تھا، اے اللہ! میں بھی اسی چیز کا احرام باندھتا ہوں جس کا احرام تیرے رسولؐ نے باندھا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا، میں تو چونکہ اپنے ساتھ ہدی کا جانور لے کر آیا ہوں، اس لئے میرے لئے احرام کھولنے کی گنجائش نہیں ہے اور تم نے بھی وہی نیت کر لی ہے جو میری ہے لہٰذا تمہارے لئے بھی احرام کھول کر حلال ہونے کی گنجائش نہیں ہے۔

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ہدی کے اونٹ جو علیؓ یمن سے لے کر آئے تھے اور خود رسول اللہ

(پچھلے صفحہ کا بقیہ) اب جو سراقہ ابن مالک نے دیکھا کہ ایامِ حج میں اس طواف وسعی کو مستقل عمرہ قرار دیا جارہا ہے تو انھوں نے سوال کیا کہ کیا اب ایسا ہی حکم ہمیشہ کے لئے ہے یا یہ حکم خاص طور پر اسی سال کے لئے ہے۔

---

[1] یعنی ایامِ حج میں عمرہ کرنا، اور حج کے ساتھ ایک ہی سفر میں عمرہ کرنا بالکل دُرست ہے۔ اس کو غلط سمجھنا اور گناہ قرار دینا سراسر غلط ہے، اور یہ حکم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہے۔

صلی اللہ علیہ وسلم جو اپنے ہمراہ لائے تھے، یہ سب تنو تھے۔[1]

سارے صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق احرام کھول دئے اور اپنے بال کٹوا کر حلال ہو گئے۔ البتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور وہ صحابہ جو ہدی کا جانور ساتھ لائے تھے احرام باندھے رہے۔

پھر جب یوم الترویہ آیا (یعنی ذوالحجہ کی ۸ر تاریخ ہوگئی) تو سارے لوگ منیٰ کی طرف روانہ ہوئے، اور ان لوگوں نے حج کا احرام باندھا، جو عمرہ کر کے احرام ختم کر چکے تھے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم قصواء پر سوار ہو کر منیٰ کو روانہ ہوئے، وہاں آپؐ نے ظہر، عصر، مغرب، عشا اور فجر کی پانچوں نمازیں ادا فرمائیں، فجر کی نماز کے بعد آپ منیٰ میں کچھ دیر ٹھہرے رہے، یہاں تک کہ جب سورج نکل آیا تو آپؐ عرفات کی طرف روانہ ہوئے، اور آپ نے حکم دیا کہ ''نمرہ[2]'' کے مقام پر آپ کے لئے صُوف کا خیمہ نصب کیا جائے۔ قریش کو اس میں ذرا شک نہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشعر الحرام کے پاس ہی وقوف فرمائیں گے جیسا کہ زمانۂ جاہلیت میں ہمیشہ سے قریش کرتے رہے تھے، لیکن آپ مشعر الحرام کی حدود سے آگے نکل آئے اور میدانِ عرفات کی حدود میں آئے، آپؐ نے حکم دیا تھا کہ ''نمرہ'' کے مقام پر آپ کے لئے خیمہ نصب کیا جائے، چنانچہ خیمہ نصب کر دیا گیا تھا اور آپؐ نے اسی خیمہ میں قیام فرمایا:۔

پھر جب سورج ڈھلنے لگا، تو آپ نے حکم دیا کہ آپؐ کی اونٹنی ''قصواء'' پر کجاوا کس دیا جائے،

---

[1] بعض روایات میں یہ صراحت ملتی ہے ۶۳ اونٹ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہمراہ لائے تھے اور ۳۷، اونٹ حضرت علیؓ یمن سے اپنے ساتھ لے کر آئے تھے۔

[2] نمرہ دراصل وہ سرحدی مقام ہے جہاں حرم کی حد ختم ہوتی ہے اور عرفات کی حد شروع ہوتی ہے، زمانۂ جاہلیت میں قریش کے لوگ حرم کے حدود میں مشعر الحرام کے پاس ہی وقوف کرتے تھے اور عام لوگ میدانِ عرفات میں وقوف کرتے تھے، اس لئے قریش کا خیال تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی جگہ وقوف فرمائیں گے، لیکن آپؐ نے وقوف کے اصل مقام پر ہی اپنا خیمہ نصب کرنے کا حکم پہلے ہی سے دے دیا تھا۔

چنانچہ اونٹنی پر کجاوا کس دیا گیا۔ آپؐ اونٹنی پر سوار ہوئے اور ''وادیٔ عُرنہ'' کے نشیب میں پہنچے۔ وہاں آپؐ نے اونٹنی پر سوار ہو کر لوگوں کو خطاب کیا۔

''لوگو! ناحق کسی کا خون بہانا اور ناروا طریقے پر کسی کا مال لینا تمہارے لئے حرام ہے، بالکل اسی طرح حرام ہے جس طرح آج کے دن اس مہینے اور اس شہر میں تمہارے لئے حرام ہے (اور تم حرام سمجھتے ہو)

خوب سمجھ لو کہ دَورِ جاہلیت کی ساری چیزیں میرے دونوں قدموں کے نیچے روند دی گئی ہیں، اور زمانۂ جاہلیت کا خون معاف ہے اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا خون، یعنی ربیعہ بن الحارث بن عبدالمطلب کے فرزند کا خون معاف کرنے کا اعلان کرتا ہوں، جو بنی سعد کے قبیلے میں دودھ پینے کے لئے رہا کرتے تھے ان کو قبیلۂ ہذیل کے لوگوں نے قتل کر ڈالا تھا، اور دَورِ جاہلیت کے سارے سودی مطالبے اب سوخت ہو گئے اور اس سلسلے میں بھی سب سے پہلے میں اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب کے سودی مطالبات کے ختم کرنے کا اعلان کرتا ہوں، آج ان کے سارے سودی مطالبات ختم ہیں۔

اے لوگو! خواتین کے حقوق کے معاملے میں خدا سے ڈرتے رہو، تم نے ان کو اللہ کی امانت کے طور پر اپنے قیدِ نکاح میں لیا ہے اور ان سے لذت اندوزی اللہ کے کلمہ اور قانون ہی کے ذریعہ تمہارے لئے حلال ہوئی ہے، تمہارا اُن پر خاص حق یہی ہے کہ جس شخص کا تمہیں اپنے گھر میں آنا ناپسند ہو اُن کو وہ تمہارے بستر پر بیٹھنے کا موقع نہ دیں، اور اگر وہ یہ خطا کر بیٹھیں تو تنبیہ کے لئے تم ان کو معمولی سزا دے سکتے ہو اور ان کا خاص حق تم پر یہ ہے کہ تم اپنی حیثیت اور وسعت کے مطابق کشادہ دلی سے ان کے لباس اور کھانے پینے کا اہتمام کرو، اور میں تمہارے درمیان وہ سرچشمۂ ہدایت چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر تم اسے مضبوط پکڑے رہے اور اس کی رہنمائی میں چلتے رہے۔ تو کبھی تم راہِ حق سے نہ بھٹکو گے۔ یہ سرچشمۂ ہدایت ہے، ''اللہ کی کتاب''

اور قیامت کے روز اللہ تعالیٰ تم سے میرے بارے میں دریافت فرمائے گا (کہ میں نے خدا کا

پیغام تم لوگوں تک پہنچا دیا یا نہیں؟ بتاؤ تم وہاں میرے بارے میں خدا کو کیا جواب دو گے۔

حاضرین نے یک زبان ہو کر کہا، ہم گواہی دیتے ہیں آپؐ نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا، آپ نے سب کچھ پہنچا دیا اور آپؐ نے نُصح و خیر خواہی میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔ اس پر آپ نے اپنی شہادت کی اُنگلی آسمان کی طرف اُٹھائی پھر لوگوں کی طرف اس سے اشارہ کرتے اور جھکاتے ہوئے تین بار کہا ''اے اللہ! تو بھی گواہ رہ، اے اللہ تو بھی گواہ رہ، اے اللہ! تو بھی گواہ رہ، میں نے تیرا پیام اور تیرے احکام تیرے بندوں تک پہنچا دئے اور تیرے یہ بندے گواہ ہیں کہ میں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔''

پھر حضرت بلالؓ نے اذان دی، اور اقامت کہی، اور آپؐ نے ظہر کی نماز پڑھائی۔ اس کے بعد حضرت بلالؓ نے دوبارہ اقامت کہی اور آپؐ نے عصر کی نماز پڑھائی، ظہر اور عصر کی نمازیں ایک ساتھ پڑھنے کے بعد آپؐ ٹھیک اس مقام پر آئے جہاں وقوف کیا جاتا ہے، پھر آپ نے اپنی اونٹنی قصواء کا رُخ ادھر موڑ دیا جدھر بڑی بڑی چٹانیں ہیں اور سارا مجمع آپ کے سامنے ہو گیا جس کے سب ہی لوگ پیدل تھے، آپ قبلہ رُو ہو گئے۔ اور آپؐ نے وہیں وقوف فرمایا، یہاں تک کہ آفتاب کے غروب کا وقت آ گیا اور شام کی زردی بھی ختم ہو گئی اور سورج بالکل غروب ہو گیا آپؐ (عرفات سے مزدلفے کی طرف) روانہ ہوئے اور اُسامہ بن زید کو آپؐ نے اپنی اونٹنی پر اپنے پیچھے بٹھا لیا۔ اور آپؐ مزدلفے آ پہنچے یہاں پہنچ کر آپؐ نے مغرب، اور عشاء کی نماز ایک ساتھ پڑھی، اذان ایک ہوئی اور اقامت دونوں کے لئے الگ الگ اور ان دونوں نمازوں کے درمیان آپ نے کوئی سنت یا نفل نماز نہیں پڑھی اس کے بعد آپ آرام فرمانے کے لئے لیٹ گئے اور آرام فرماتے رہے، یہاں تک کہ صبحِ صادق ہو گئی اور فجر کا وقت ہو گیا۔ صبح صادق ہوتے ہی آپؐ نے اذان اور اقامت کہلوا کر فجر کی نماز اوّل وقت ادا فرمائی، نمازِ فجر سے فارغ ہو کر آپؐ مشعر الحرام کے پاس تشریف لائے یہاں آ کر آپؐ قبلے کی طرف رُخ کر کے کھڑے ہوئے اور دُعا تکبیر تہلیل اور توحید و تسبیح میں مصروف ہو گئے اور دیر تک مصروف رہے، جب خوب اُجالا

ہوگیا تو طلوعِ آفتاب سے ذرا پہلے آپؐ وہاں سے منیٰ کے لئے روانہ ہوئے، اور اُس وقت آپؐ نے اپنے ناقہ کے پیچھے فضل بن عباسؓ کو سوار کرلیا اور روانہ ہوئے جب آپؐ وادیٔ ''محسّر'' کے درمیان پہنچے تو آپؐ نے اپنی اونٹنی کو ذرا تیز کردیا۔ پھر ''محسّر'' سے نکل کر آپؐ درمیانی راستے سے چلے جو بڑے جمرے کے پاس جاکر نکلتا ہے۔ پھر اس جمرے کے پاس پہنچ کر جو درخت کے پاس ہے آپؐ نے رمی فرمائی، سات کنکریاں اس پر پھینک کر ماریں اور ہر کنکری پھینکتے ہوئے آپؐ ''اَللّٰہُ اَکْبَر'' کہتے جاتے تھے۔ یہ کنکریاں چھوٹی چھوٹی ٹھیکریوں کی طرح تھیں۔ آپؐ نے نشیبی مقام سے جمرہ پر یہ رَمی کی، جب آپؐ رَمی سے فارغ ہوئے تو قربان گاہ کی طرف روانہ ہوئے، وہاں آپؐ نے تریسٹھ اونٹ اپنے دستِ مبارک سے قربان کئے اور باقی اونٹ حضرت علیؓ کے حوالے کئے۔ جن کی قربانی حضرت علیؓ نے کی اور آپؐ نے حضرت علیؓ کو اپنے ہدایا کے اونٹوں میں شریک فرمایا پھر آپؐ نے حکم دیا کہ قربانی کے ہر ہر اونٹ میں سے ایک ٹکڑا لیا جائے چنانچہ ہر ایک میں سے ایک ایک ٹکڑا لے کر دیگچے میں ڈالا گیا اور پکایا گیا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علیؓ دونوں نے اس گوشت میں سے تناول فرمایا اور اس کا شوربا بھی پیا — پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے اور طوافِ زیارت کے لئے بیت اللہ کی طرف روانہ ہوئے، ظہر کی نماز آپؐ نے مکے میں پہنچ کر ادا فرمائی۔ نمازِ ظہر سے فارغ ہوکر آپؐ (اپنے اہل خاندان) بنی عبد المطلب کے پاس آئے۔ جو زمزم سے پانی کھینچ کھینچ کر لوگوں کو پلا رہے تھے، آپؐ نے ان سے فرمایا۔ ڈول نکال کر پلاؤ۔ اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ (مجھے دیکھ کر) دوسرے لوگ تم سے زبردستی یہ خدمت چھین لیں گے تو میں خود اپنے ہاتھ سے تمہارے ساتھ زمزم سے ڈول کھینچتا۔ ان لوگوں نے آپ کو ڈول بھر کر دیا۔ تو آپ نے اس میں سے نوش فرمایا۔''[1]

---

[1] مسلم عن جعفر بن محمد عن ابیہ

جنایت کا بیان

جنایت کے لغوی معنٰی ہیں، کوئی حرام کام کرنا، گناہ کرنا، وغیرہ لیکن حج کے باب میں جنایت سے مُراد کوئی ایسا کام کرنا ہے جو حرم میں ہونے کی وجہ سے یا احرام باندھ لینے کی وجہ سے حرام ہو، اس طرح جنایت کی دو قسمیں ہو جاتی ہیں۔

(۱) جنایتِ حرم

(۲) جنایتِ احرام

آدمی سے کوئی ایسا کام سرزد ہو جائے جو حدودِ حرم میں حرام ہے یا کوئی ایسا کام سرزد ہو جائے جو حالتِ احرام میں حرام ہے دونوں کی تلافی کے لئے کفارے اور قربانی کے کچھ الگ الگ احکام ہیں جن کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

حرمِ مکّہ اور اس کی عظمت

روئے زمین پر سب سے مقدس، سب سے زیادہ بابرکت اور سب سے زیادہ قابل احترام وہ عمارت ہے جس کو خدا نے ''اپنا گھر'' قرار دیا ہے، جو توحید اور نماز کا مرکز ہے اور رُوئے زمین پر وہ سب سے پہلی عمارت ہے جس کو خدا کی عبادت کے لئے تعمیر کیا گیا ہے، جو ہدایت و برکت کا سرچشمہ ہے اور ساری انسانیت کا مرجع اور پناہ گاہ ہے۔

پھر یہ بیت اللہ جس مبارک مسجد کے درمیان میں واقع ہے اس کو مسجدِ الحرام (یعنی قابلِ احترام مسجد) کہا گیا ہے، اور اس کو تمام دُنیا کی مسجدوں سے افضل ہی نہیں بلکہ اصل مسجد قرار دیا گیا ہے، رُوئے زمین کی دوسری مسجدوں میں اسی لئے نماز صحیح ہے کہ وہ اس مسجدِ حرام کے قائم مقام ہیں اور اسی کی طرف ان سب کا رُخ ہے، مسجد الحرام کی عظمت یہ ہے کہ اس میں ایک نماز پڑھنے والے کو ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا ہے۔ (ابن ماجہ)

خدا کا گھر اور مسجدِ الحرام، جس مبارک شہر میں واقع ہے اس کو "بلد اللہ الحرام" (اللہ کا حرمت والا شہر) کہا گیا ہے، اور خدا کے رسولؐ نے اس کو روئے زمین کے تمام شہروں سے بہتر اور اللہ کی نظر میں تمام بستیوں میں زیادہ محبوب بتایا ہے، نیز آپ نے اس کو نہایت پاکیزہ، دل پسند اور اپنا محبوب ترین شہر قرار دیا ہے۔ اور یہاں تک فرمایا ہے کہ اگر میری قوم کے لوگ مجھے یہاں سے نکلنے پر مجبور نہ کرتے تو میں تجھے چھوڑ کر کہیں سکونت اختیار نہ کرتا۔ (جامع ترمذی)

پھر اللہ تعالیٰ نے نہ صرف اس شہر مکہ ہی کو حرم قرار دیا ہے بلکہ اس کی ہر ہر سمت میں کئی کئی کلومیٹر کے علاقے کو حُدودِ حرم میں داخل فرما کر "حرم" (یعنی واجب الاحترام علاقہ) قرار دیا ہے، اور اس کی عظمت واحترام کے کچھ آداب واحکام مقرر فرمادئے ہیں، اِن حدود میں بہت سے وہ کام اس علاقے کی حرمت کے تعلق سے حرام اور ناجائز ہیں جو باقی ساری دُنیا میں جائز اور مباح ہیں۔

حرم کے یہ حدود پہلے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے مقرر فرمائے تھے اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہدِ رسالت میں ان حدود کی تجدید فرمائی۔ یہ حدود معلوم اور معروف ہیں مدینے کی جانب تقریبا ۵ کلومیٹر تک حرم کی حد ہے، یمن کی سمت میں تقریباً گیارہ کلومیٹر، طائف کی سمت میں بھی تقریباً گیارہ کلومیٹر اور تقریباً اتنے ہی کلومیٹر تک عراق کی جانب بھی حرم کی حد ہے اور جدے کی طرف تقریباً سولہ کلومیٹر تک حرم کی حد ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت معاویہؓ نے بھی اپنے اپنے دَور میں اس حد بندی کی تجدید فرمائی اور اب یہ حدود معلوم ومعروف ہیں، حدودِ حرم کی عظمت وعزت خدا اور اس کے دین سے تعلق اور وفاداری کی علامت ہے اور اُمت بحیثیت مجموعی جب تک اس عظمت واحترام کو باقی رکھے گی اس پر خدا کی حفاظت اور رحمت کا سایہ ہوگا اور وہ دُنیا میں رفعت اور سر بلندی کی زندگی گزارے گی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

> "میری یہ اُمت جب تک حرمِ مقدّس کی عظمت واحترام کا حق ادا کرتی رہے گی بخیر رہے گی اور جب وہ اس کا احترام اور اس کا احساس ضائع کردے گی تباہ وبرباد ہوجائے گی۔" (ابن ماجہ)

جنایاتِ حرم

(۱) حرم کی خودرَو گھاس، پیڑ، پودے اور ہرا بھرا سبزہ کاٹنا یا اُکھاڑنا جنایت ہے، اگر یہ کسی کی ملکیت نہ ہوں تو اس کا کفارہ صرف یہ ہے کہ اس کی قیمت راہِ خدا میں خرچ کردی جائے اور اگر یہ کسی کی ملکیت ہوں تو پھر دوگنی قیمت ادا کرنا واجب ہے، صدقہ بھی کرنا ہوگا اور مالک کو بھی قیمت دینا پڑے گی۔

(۲) اذخر[1] کاٹنے یا اُکھاڑنے کی اجازت ہے۔ حضرت عباسؓ کے مطالبے پر آپؐ نے اذخر کاٹنے کی اجازت دے دی تھی۔

(۳) خودرَو پودے چاہے وہ جھاڑ جھنکاڑ ہی کیوں نہ ہوں اُن کا کاٹنا یا اُکھاڑنا بھی جنایت ہے۔

(۴) جو پیڑ پودے خودرَو نہ ہوں بلکہ بوئے اور لگائے گئے ہوں، اُن کو توڑنا جنایت نہیں، اسی طرح کسی درخت کے چند پتّے توڑنا بھی جنایت نہیں، بشرطیکہ یہ کسی کی ملکیت نہ ہوں، اگر کسی کی ملکیت کے ہوں تو اس کی اجازت کے بغیر نہ توڑے جائیں ہاں مالک خود توڑے تو جنایت نہیں ہے۔

(۵) حرم کے شکار کا قتل کرنا بھی جنایت ہے۔ قتل کرنے والے کو اس کا تاوان دینا ہوگا۔

(۶) حرم کے پرندے کے انڈے توڑنا یا بھون لینا بھی جنایت ہے، اسی طرح حرم کی ٹڈّیاں مارنا بھی جنایت ہے۔

(۷) اگر کسی کے پاس کوئی شکار ہو اور وہ شخص حرم میں داخل ہو رہا ہو تو اس پر واجب ہے کہ وہ اس شکار کو چھوڑ دے، ہاں اگر شکار رسی میں بندھا ہوا اور رسی اس کے ہاتھ میں ہو یا شکار کسی پنجرے اور کٹہرے میں بند ہو تو اس کا چھوڑنا واجب نہیں۔

(۸) میقات سے احرام باندھے بغیر حرم میں داخل ہونا بھی جنایت ہے اور ایسے شخص پر

---

[1] ایک قسم کی خوشبودار گھاس ہے جس کو لوہار لوگ بھی استعمال کرتے تھے اور چھتوں پر بھی ڈالی جاتی تھی۔

ایک قربانی واجب ہے۔

(۹) حرم کے حدود میں ان موذی جانوروں کا مارنا جنایت نہیں۔ بھیڑیا، سانپ، بچھو، چوہا یعنی بلوں میں رہنے والے جانور، کچھوا، چھپکلی، مچھر، کھٹمل، پسو، مکھی، بھڑ، چیونٹی، اور وہ جانور جو حملہ کریں اور ان کے حملے سے بچنے کے لئے ان کو مارڈالنا ناگزیر ہو۔

(۱۰) حرم سے باہر حلق یا تقصیر کرانا بھی جنایت ہے اور اس سے ایک قربانی واجب ہوگی۔

جنایاتِ احرام

احرام کی جنایات تین قسم کی ہوسکتی ہیں۔

(۱) جن میں دو قربانیاں واجب ہیں۔

(۲) جن میں صرف ایک قربانی واجب ہے۔

(۳) جن میں صرف صدقہ واجب ہے۔

وہ جنایات جن میں دو قربانیاں واجب ہیں

مَرد اگر کوئی گاڑھی خوشبو یا گاڑھی مہندی سر میں لگالے اور ایک شب وروز وہ لگی رہے، پورے سر میں لگائے یا چوتھائی سر میں، اس پر دو قربانیاں واجب ہونگی البتہ کوئی خاتون ایسا کرے تو ایک ہی قربانی واجب ہوگی۔

وہ سارے جنایات جن سے حجِ اِفراد کرنے والے پر ایک قربانی واجب ہوتی ہے اُن سے قارن پر دو قربانیاں واجب ہوتی ہیں۔

حجِ تمتع کرنے والا اگر ہدی کا جانور ساتھ لایا ہو تو اس پر ان ساری جنایات میں دو قربانیاں واجب ہوں گی جن سے مفرد پر ایک قربانی واجب ہوتی ہے۔

وہ جنایات جن میں ایک قربانی واجب ہے

صرف دوصورتوں میں اونٹ یا گائے کی قربانی واجب ہوتی ہے اس کے علاوہ جہاں جہاں قربانی کا ذکر آیا ہے اس سے مُراد بکری یا بھیڑ کی قربانی ہے۔

(۱) طوافِ زیارت اگر کوئی جنابت کی حالت میں کرلے تو ایک اونٹ یا گائے کی قربانی واجب ہوگی۔

(۲) وقوفِ عرفات کے بعد طوافِ زیارت اور حلق یا تقصیر سے پہلے اگر مباشرت کرلی تو اونٹ یا گائے کی قربانی واجب ہوگی۔ان دونوں صورتوں کے علاوہ باقی صورتوں میں بکری یا بھیڑ کی قربانی واجب ہوگی۔

(۳) ''طواف کے واجبات[۱]''میں سے کوئی بھی واجب ترک کردیا جائے تو ایک قربانی واجب ہے۔

ممنوعاتِ احرام سے بچنا بھی طواف کے واجبات میں سے ہے ان میں سے بعض ممنوعات میں وجوبِ قربانی کے تعلق سے کچھ مسائل ہیں ذیل میں ان کو بیان کیا جاتا ہے۔

(۴) اگر زیادہ خوشبو کا استعمال کیا تو ایک قربانی واجب ہے اور اگر تھوڑی سی خوشبو استعمال کی لیکن جسم کے کسی بڑے عضو پر مثلاً سر، ہاتھ، پیر وغیرہ پر ملی تب بھی ایک قربانی واجب ہے۔

(۵) اگر ایک ہی مجلس میں پورے بدن پر خوشبو لگائی تو ایک ہی قربانی واجب ہے اور اگر مختلف مجلسوں میں پورے بدن پر لگائی تو ہر مرتبہ کے عوض قربانی واجب ہوگی۔

(۶) خوشبو لگانے کے بعد قربانی تو کرلی لیکن خوشبو زائل نہیں کی تو پھر قربانی کرنا ہوگی۔

(۷) خوشبودار لباس پہنا اور دن بھر پہنے رہا تو ایک قربانی واجب ہوگی۔

(۸) رقیق مہندی سر، ڈاڑھی یا ہاتھ پیر میں لگائی تو ایک قربانی واجب ہوگی۔

---

[۱] طواف کے واجبات صفحہ ۲۱۰ پر دیکھئے

(۹) سلے ہوئے کپڑے پہننے میں قربانی واجب ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ ایک دن یا ایک رات پہنے رہے، اس سے کم وقت پہننے سے قربانی واجب نہ ہوگی بلکہ صرف صدقہ واجب ہوگا۔ اسی طرح یہ بھی شرط ہے کہ سلے ہوئے کپڑے کو رواج کے مطابق پہنے اگر کوئی اپنا کرتہ یا شیروانی یونہی کندھے پر ڈال لے اور ہاتھ آستینوں میں نہ ڈالے تو کوئی جنایت نہیں ہے۔

نجاستِ حکمی سے پاکی حاصل کئے بغیر طواف کرنے میں بھی وجوبِ قربانی کے تعلق سے کچھ مسائل ہیں ذیل میں ان کو بیان کیا جاتا ہے۔

(۱۰) طوافِ زیارت کے علاوہ کوئی بھی طواف حالتِ جنابت میں کیا جائے تو ایک قربانی واجب ہوگی۔

(۱۱) طوافِ زیارت حدثِ اصغر کی حالت میں کیا جائے تو ایک قربانی واجب ہوگی اور عمرے کا طواف بھی حدثِ اصغر کی حالت میں کرنے سے ایک قربانی واجب ہوگی۔

(۱۲) طوافِ زیارت کے زیادہ سے زیادہ تین شوط ترک کردینے سے قربانی واجب ہے اور اگر تین شوط سے زیادہ ترک کردئے تو پھر قربانی سے اس کی تلافی نہ ہوگی بلکہ دوبارہ طواف کرنا ہوگا۔

(۱۳) واجباتِ حج میں سے کوئی واجب ترک کردیا جائے تو ایک قربانی واجب ہے۔

(۱۴) مفرد حلق یا تقصیر یا طوافِ زیارت دسویں ذی الحجہ کے بعد کرے تو قربانی واجب ہوگی۔

(۱۵) قارن ذبح سے پہلے یا رمی سے پہلے حلق کرالے تو ایک قربانی واجب ہوگی۔

وہ جنایات جن میں صرف صدقہ واجب ہے

(۱) خوشبو کا استعمال اس مقدار میں کیا جائے جس سے قربانی واجب نہیں ہوتی تو ایسی صورت میں صدقہ[1] واجب ہوگا۔ مثلاً ایک عضو سے کم میں خوشبو لگائی، یا لباس میں ایک بالشت

---

[1] صدقہ سے مُراد ایک شخص کا صدقہ فطر ہے جو اسی ۸۰ روپے والے سیر کے حساب سے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

مربع سے کم جگہ میں لگائی یا زیادہ لگائی لیکن لباس کو پورے ایک دن یا پورے ایک رات استعمال نہیں کیا۔

(۲) سلا ہوا لباس ایک دن یا ایک رات سے کم پہنا یا اتنے ہی وقت کے لئے سر ڈھانک لیا تو ایک صدقہ واجب ہوگا۔ اور اگر معمولی سے وقت کے لئے سر ڈھانکا یا سلا ہوا کپڑا پہنا مثلاً ایک گھنٹہ سے بھی کم تو ایک مٹھی آٹا دینا کافی ہے۔

(۳) طوافِ قدوم یا طوافِ وداع یا اور کوئی نفلی طواف حدثِ اصغر کی حالت میں کرنے سے ایک صدقہ واجب ہوگا۔

(۴) طوافِ قدوم یا طوافِ وداع یا سعی کے تین یا تین سے کم شوط ترک کر دئے تو ہر شوط کے عوض میں ایک صدقہ واجب ہوگا۔

(۵) ایک دن میں جس قدر رَمی واجب ہے ان میں سے آدھی سے کم ترک کر دے مثلاً ۱۰؍ ذوالحجہ کو جمرہ عقبہ کی سات رمی واجب ہیں، ان میں سے کوئی شخص تین رمی ترک کر دے تو ہر کنکری کے بدلے ایک صدقہ واجب ہوگا۔

(۶) کسی دوسرے شخص کے سر یا گردن کے بال بنا دئے، چاہے یہ دوسرا شخص محرم ہو یا غیر محرم ایک صدقہ واجب ہوگا۔

(۷) پانچ ناخن کٹوائے یا پانچ سے زیادہ لیکن کسی ایک ہاتھ پیر کے نہیں بلکہ متفرق طور سے کٹوائے تو ایک صدقۂ فطر واجب ہوگا۔

اصولی ہدایات

(۱) اگر ایک ہی صدقہ کی قیمت یا چند واجب صدقات کی قیمت ایک قربانی کے برابر

(پچھلے صفحہ کا بقیہ) ایک کلو ایک سو دس گرام کے برابر ہے، (علم الفقہ ج ۴ ص ۱۵) اور بہشتی زیور میں ایک شخص کا صدقۂ فطر ایک سیر ساڑھے بارہ چھٹانک بتایا گیا ہے۔

ہو جائے، چاہے قربانی کے جانور ارزاں ہونے کی وجہ سے ہو یا چند صدقات کی قیمت اتنی ہو جائے کہ قربانی کے برابر ہو جائے تو اس قیمت میں سے اتنی رقم کم کر لینا چاہئے کہ بقیہ رقم قربانی کی قیمت سے کم رہ جائے۔

(۲) حج کے واجبات میں سے کوئی واجب اگر کسی عذر کے بغیر ترک کیا جائے تو قربانی واجب ہے اور اگر عذر[۱] کی وجہ سے چھوڑ دیا جائے تو نہ قربانی واجب ہے اور نہ صدقہ۔

(۳) احرام کی حالت میں جو کام ممنوع ہیں ان کو کر لینے سے بعض صورتوں میں قربانی واجب ہوتی ہے اور بعض صورتوں میں صدقہ (جیسا کہ جنایات کی اقسام کے بیان سے واضح ہوا) قربانی واجب ہونے کی صورت میں یہ بھی اختیار ہے کہ قربانی کے بجائے چھ مسکینوں کو ایک ایک صدقہ[۲] دے دیا جائے اور یہ بھی اختیار ہے کہ جب اور جہاں چاہے صرف تین روزے رکھ لے۔

صدقہ واجب ہونے کی صورت میں اختیار ہے کہ صدقہ کے بجائے ایک روزہ رکھ لے۔

شکار کی جزا

ممنوعاتِ احرام میں سے وحشی جانور کا شکار بھی ہے، شکار کرنا بھی ممنوع ہے اور شکار کرنے والے کی اعانت کرنا بھی ممنوع ہے، وحشی کا شکار کرنے سے جزا لازم آتی ہے۔ جزا کے لغوی معنیٰ بدلے کے ہیں اور شکار کے باب میں اس سے مراد شکار کی وہ قیمت ہے جو دو منصف مزاج صاحبِ نظر اور معاملہ فہم افراد تجویز کریں، قرآنِ پاک میں ہے:-

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَقْتُلُوا۟ ٱلصَّيْدَ وَأَنتُمْ حُرُمٌ ۚ وَمَن قَتَلَهُۥ مِنكُم مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ ٱلنَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِۦ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ هَدْيًۢا بَـٰلِغَ ٱلْكَعْبَةِ أَوْ كَفَّـٰرَةٌ طَعَامُ مَسَـٰكِينَ أَوْ عَدْلُ ذَٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوقَ

---

[۱] عذر کی مثالیں، بخار، سردی کی شدت، زخم، سر میں درد وغیرہ پھر عذر میں یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ ہر وقت رہے، نہ یہ ضروری ہے کہ اس سے جان جانے کا خطرہ ہو۔ [۲] صدقہ سے مراد ایک شخص کا صدقۂ فطر ہے۔

وَبَالَ اَمرِہٖ۔ (المائدہ - ۵۹)

''اے ایمان والو احرام کی حالت میں شکار مت مارو، اور تم میں سے کوئی جان بوجھ کر اگر شکار مارلے تو جو جانور اُس نے مارا ہے اس کے ہم پلہ ایک جانور نذر دینا ہوگا جس کا فیصلہ تم میں سے دو عادل افراد کریں گے اور یہ ہدی کعبہ بھیجی جائے گی یا اس جنایت کے کفارے میں چند مسکینوں کو کھانا کھلانا ہوگا یا اس کے بقدر روزے رکھنے ہوں گے تا کہ وہ اپنے کئے کا مزہ چکھ لے۔''

اس آیت میں جس چیز کو حرام قرار دیا ہے وہ خشکی کا شکار ہے، بحری شکار حالتِ احرام میں جائز ہے چاہے اس کا کھانا جائز ہو یا نہ ہو، قرآن کی صراحت ہے۔

اُحِلَّ لَکُمْ صَیْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُہٗ مَتَاعًا لَّکُمْ وَلِلسَّیَّارَۃِ وَحُرِّمَ عَلَیْکُمْ صَیْدُ الْبَرِّ مَادُمْتُمْ حُرُمًاط

تمہارے لئے سمندر کا شکار اور اس کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے تمہارے لئے قیام کی صورت میں بھی اور قافلے والوں کے لئے زادِ راہ کے طور پر بھی۔ البتہ خشکی کا شکار جب تک تم حالت احرام میں ہو تم پر حرام کیا گیا ہے۔

شکار اور جزا کے مسائل

(۱) خود شکار کرنا بھی ممنوع ہے اور شکار کرنے والے کی مدد کرنا بھی ممنوع ہے، جس طرح شکار کرنے والے پر جزا ہے اسی طرح مدد کرنے والے پر بھی جزا ہے۔

(۲) اگر کئی مُحرم مل کر ایک شکار ماریں یا ایک مارے اور چند مدد کریں تو سب پر الگ الگ جزا واجب ہوگی۔

(۳) اگر ایک مُحرم کئی شکار مارے تو جتنے شکار مارے گا اتنی ہی جزائیں واجب ہوں گی۔

(۴) صرف وحشی جانور کا شکار کرنے سے جزا واجب ہوتی ہے، پالتو جانوروں کے مارنے سے جزا واجب نہیں ہوتی مثلاً کوئی شخص بکری، گائے، اونٹ، مرغی وغیرہ کو مار دے تو اس سے جزا

واجب نہیں ہوتی۔

(۵) جن جانوروں کا گوشت حلال نہیں ہے وہ چاہے کتنے ہی بڑے ہوں ان کی جزا بکری ہی ہوگی مثلاً کسی نے ہاتھی کو مارا تو اس کی جزا بکری ہی ہوگی۔

(۶) جوئیں یا ٹڈی اگر تین سے زیادہ مارے یا کسی کو مارنے کا حکم دے تو ایک صدقۂ فطر واجب ہوگا، اور تین یا تین سے کم مارے تو جو چاہے صدقہ دے۔

(۷) شکار اگر کسی کی ملکیت ہو تو دوہری قیمت ادا کرنا ہوگی۔ راہِ خدا میں جزا تو دے گا ہی اُس شخص کو بھی مجوّزہ قیمت دینا ہوگی جس کا شکار مارا ہے۔

(۸) شکار جہاں مارا گیا ہے اسی مقام اور اسی وقت کی قیمت واجب ہوگی۔ نہ کسی دوسرے مقام کی قیمت کا اعتبار ہوگا اور نہ دوسرے وقت کی قیمت کا، اس لئے کہ قیمتیں وقت اور مقام کے لحاظ سے کم و بیش ہوتی ہیں۔

(۹) جزا دینے میں یہ بھی اختیار ہے کہ شکار کے ہم پلہ مجوّزہ جانور خرید کر حرم بھیج دے جو وہاں ذبح کیا جائے۔ اور یہ بھی اختیار ہے کہ اس کی قیمت سے غلہ وغیرہ خرید کر ہر مسکین کو ایک صدقۂ فطر کے بقدر دے دے، اور یہ بھی اختیار ہے کہ ہر مسکین کے صدقۂ فطر کے بدلے ایک روزہ رکھ لے۔ اور اگر مجوّزہ قیمت میں قربانی کا جانور نہ خریدا جاسکتا ہو تو پھر صرف دو ہی صورتیں ہیں ہر مسکین کو صدقۂ فطر کے بقدر دے یا ہر صدقہ کے عوض میں روزہ رکھے۔

(۱۰) اگر شکار کی مجوّزہ قیمت اتنی بھی نہیں ہے کہ ایک صدقۂ فطر کے بقدر غلہ آسکے تو پھر جتنا مل سکے وہ صدقہ کردے یا ایک روزہ رکھ لے۔

(۱۱) جزا کے عوض میں جو صدقہ دیا جاتا ہے اس کا حکم اور مصارف وہی ہیں جو صدقۂ فطر کے ہیں۔

❖❖❖

اِحصار کا بیان

اِحصار کے لغوی معنیٰ ہیں روکنا، منع کرنا، باز رکھنا اور اصطلاحِ فقہ میں احصار یہ ہے کہ کوئی شخص حج یا عمرے کا احرام باندھ لے اور پھر وہ حج یا عمرہ کرنے سے روک دیا جائے، ایسے شخص کو اصطلاح میں محصر کہتے ہیں۔

احرام باندھنے کے بعد حج سے رُک جانا اور حج یا عمرہ نہ کرسکنا بھی گونہ جنایت ہے، اس لئے محصر پر واجب ہے کہ وہ اس احصار کے بدلے حسبِ مقدور قربانی دے، اس کو دمِ احصار کہتے ہیں۔ قرآنِ کریم میں ہے۔

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ط فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ط

اللہ کی خوشنودی کے لئے حج اور عمرے کی نیت کرو، تو اسے پورا کرو اور اگر کہیں گھر جاؤ اور رُک جانا پڑے تو جو قربانی میسر آئے اللہ کے حضور پیش کرو اور اپنے سروں کی تحلیق نہ کراؤ جب تک کہ ہدی کا جانور اپنے ٹھکانے پر نہ پہنچ جائے۔

اِحصار کی چند صورتیں

احرام باندھنے کے بعد حج سے روکے جانے اور حج یا عمرہ نہ کرسکنے کی بہت سی صورتیں ہوسکتی ہیں چند کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) راہ پُر امن نہ ہو، دشمن کا خوف ہو، قتل وغارت کا خوف ہو، راہ میں کوئی درندہ ہو، یا اور کسی طرح کا جان ومال کا واقعی خطرہ ہو۔

(۲) مرض لاحق ہو جائے، یہ اندیشہ ہو کہ آگے بڑھنے میں مرض بڑھ جائے گا، یا ضعف اور نقاہت کی وجہ سے آگے بڑھنے کی سکت ہی نہ ہو۔

(۳) احرام باندھنے کے بعد عورت کے ہمراہ کوئی محرم نہ رہے، بیمار ہوجائے، وفات پاجائے، یا جھگڑا ہوجائے اور وہ ساتھ جانے سے انکار کردے، یا اس کو کوئی جانے سے روک دے۔

(۴) سفرخرچ نہ رہے، کم پڑ جائے یا چوری ہوجائے۔

(۵) راستہ بھول جائے اور کوئی راستہ بتانے والا نہ مل سکے۔

(۶) کسی خاتون کی عدّت شروع ہوجائے، مثلاً شوہر طلاق دے دے یا احرام باندھنے کے بعد وفات پاجائے۔

(۷) کسی خاتون نے شوہر کی اجازت کے بغیر احرام باندھا ہو اور احرام باندھ لینے کے بعد شوہر منع کردے۔

ان تمام صورتوں میں احرام باندھنے والا محصر ہوجائے گا۔

اِحصار کے مسائل

(۱) احصار کی صورت میں محصر حسبِ حیثیت اونٹ، گائے، بکری جو بھی میسر ہو خرید کر حرم بھیج دے کہ اس کی طرف سے وہاں قربانی کردی جائے۔

(۲) احصار کی قربانی واجب ہے، اور جب تک محصر کی جانب سے حرم میں قربانی نہ ہو محصر احرام ختم نہ کرے قربانی کا جانور یا رقم بھیجتے وقت ذبح کا دن مقرّر کردے تاکہ اس دن یہ اپنا احرام ختم کردے۔

(۳) عمرے یا حج اِفراد سے روکا گیا ہو تو ایک قربانی اور قِران یا تمتّع سے روکا گیا ہو تو دو قربانیاں بھیجے۔

(۴) احصار کی قربانی کا گوشت محصر کے لئے کھانا جائز نہیں اس لئے کہ یہ گو نہ جنایت کی قربانی ہے۔

(۵) قربانی کا جانور بھیج دینے کے بعد رُکاوٹ ختم ہونے کی صورت میں اگر یہ ممکن ہو کہ

محصر قربانی کا جانور ذبح ہونے سے پہلے ہی مکے پہنچ جائے گا اور حج کی سعادت بھی حاصل کر سکے گا۔ تو اس پر واجب ہے کہ فوراً حج کے لئے روانہ ہو جائے۔ ہاں اگر قربانی سے پہلے پہنچے اور حج ادا کر سکنے کا امکان نہ ہو تو پھر روانہ ہونا واجب نہیں۔

حجِ بدل

حجِ بدل کا مطلب ہے اپنے بدلے اپنے مصارف پر دوسرے سے حج کرانا ایک شخص پر حج تو فرض ہے لیکن وہ کسی بیماری، معذوری یا مجبوری کی وجہ سے خود نہیں کر سکتا تو اس کے لئے یہ گنجائش ہے کہ وہ کسی دوسرے شخص کو اپنا قائم مقام بنا کر حج کے لئے بھیج دے اور وہ شخص اس کے بجائے حج کر لے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابو رزین نے کہا۔

> ''یا رسول اللہ! میرے والد بہت ہی بوڑھے ہو چکے ہیں، نہ وہ حج کر سکتے ہیں نہ عمرہ، اور نہ سواری پر بیٹھنے کی ان میں سکت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم اپنے والد کی طرف سے حج اور عمرہ ادا کر لو۔'' (ترمذی)

اس سے معلوم ہوا کہ دوسرے کے بجائے بھی حج ادا کرنا صحیح ہے اور جو شخص خود اپنا فرض حج ادا نہ کر سکتا ہو وہ دوسرے کو بھیج کر اپنا فریضہ ادا کر سکتا ہے، بلکہ ایسی صورت میں اپنا فریضہ ادا کرنا ہی چاہئے۔ یہ خدا کا قرض ہے اور جو شخص کسی کو بھیجنے کا موقع نہ پا سکے تو وہ وصیت کر جائے کہ اس کے بعد اس کے مال میں سے حجِ بدل کرا دیا جائے۔

> ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور کہا ''یا نبی اللہ! میرے والد کا انتقال ہو گیا اور وہ اپنی زندگی میں فریضہ حج ادا نہ کر سکے تھے، تو کیا میں ان کی طرف سے حج کر لوں، آپ نے فرمایا اگر تمہارے والد پر کسی کا قرضہ ہوتا تو تم ادا کرتے؟ اس شخص نے کہا جی ہاں ضرور ادا کرتا، تو ارشاد فرمایا، تو اللہ کا قرض ادا کرنا تو اور ضروری ہے۔''[1]

---

[1] جمع الفوائد باب النیابۃ فی الحج

حجِ بدل صحیح ہونے کی شرطیں

حج بدل صحیح ہونے کی سولہ شرطیں ہیں جن میں سے پانچ[۵] پہلی شرطوں کا تعلق تو حج بدل کرانے والے کی ذات سے ہے اور گیارہ[۱۱] کا تعلق حج بدل کرنے والے شخص سے ہے۔

(۱) حجِ بدل کرانے والے پر شرعاً حج فرض ہو، —— اگر کوئی ایسا شخص حج بدل کرائے جس پر حج فرض نہ ہو (یعنی وہ استطاعت نہ رکھتا ہو) تو اس حج بدل سے فرض ادا نہ ہوگا مثلاً اس حجِ بدل کے بعد وہ شخص صاحبِ استطاعت بن جائے اور اس پر حج فرض ہو جائے، تو اس کے کرائے ہوئے حج بدل سے اس پر فرض ہونے والا حج ادا نہ ہوگا بلکہ اس کو حج بدل کرانا پڑے گا۔

(۲) حجِ بدل کرانے والا خود حج کرنے سے معذور ہو —— اگر معذوری عارضی ہے جس کے زائل ہونے کی اُمید ہے تو حج بدل کرانے کے بعد جب وہ معذوری جاتی رہے اس کو پھر حج کرنا پڑے گا اور اگر معذوری مستقل ہے اور اس کے دُور ہونے کی کوئی توقع نہیں ہے مثلاً کوئی شخص بڑھاپے کی وجہ سے نہایت کمزور ہے یا نابینا ہے تو اس معذوری کا آخر وقت تک رہنا شرط نہیں ہے اگر اللہ نے اپنے فضل سے یہ معذوری حج بدل کرانے کے بعد دُور فرمادی تو اب دوبارہ حج کرنا فرض نہیں ہے، فرض ادا ہو گیا۔

(۳) معذوری حجِ بدل کرانے سے پہلے پائی جائے، —— اگر معذوری حج بدل، کرانے کے بعد ہوئی ہے تو اب پہلے کرائے ہوئے حج بدل کا اعتبار نہ ہوگا اور معذوری کے بعد حج بدل کرانا ضروری ہوگا۔

(۴) حجِ بدل کرانے والا خود کسی سے حج کے لئے کہے، اگر کوئی شخص از خود دوسرے کی طرف سے اس کے کہے بغیر حج کرلے تو فرض ساقط نہ ہوگا، مرتے وقت وصیت کرنا بھی کہنے کے حکم میں ہے، البتہ کسی کا وارث اگر اس کی وصیت کے بغیر بھی اس کی طرف سے حج بدل کردے یا کسی اور سے کرادے تو فرض ادا ہو جائے گا۔

(۵) حجِ بدل کرانے والا خود ہی حج کے سارے مصارف برداشت کرے۔ کسی دوسرے کو اس میں شریک نہ بنائے۔

(۶) حج بدل کرنے والا مسلمان ہو۔

(۷) حج بدل کرنے والا صاحبِ ہوش وخرد ہو، دیوانہ اور مجنون نہ ہو۔

(۸) حج بدل کرنے والا سمجھ دار ہو، چاہے نابالغ ہی ہو، اگر کسی ناسمجھ سے حج بدل کرایا تو فرض ادا نہ ہوگا۔

(۹) حج بدل کرنے والا احرام باندھتے وقت اس شخص کی طرف سے حج کی نیت کرے جو حجِ بدل کرا رہا ہے۔

(۱۰) وہی شخص حج بدل کرے جس سے حج بدل کرانے والے نے کہا ہے —— ہاں اگر یہ اجازت دی ہو کہ وہ دوسرے سے بھی حج بدل کرا سکتا ہے تو پھر دوسرے کے ذریعے حج بدل کرانا صحیح ہوگا۔

(۱۱) حجِ بدل کرنے والا اس شخص کے منشا کے مطابق حج کرے جو حج بدل کرا رہا ہے مثلاً حج کرانے والے نے ''حجِ قِران'' کو کہا ہے تو حج قران کرے تمتع کو کہا ہے تو حج تمتع ہی کرے اِفراد کو کہا ہے تو ''حجِ اِفراد'' ہی کرے۔

(۱۲) حجِ بدل کرنے والا ایک ہی حج کا احرام باندھے اور ایک ہی شخص کی طرف سے باندھے —— اگر اس نے حج بدل کرانے والے کی طرف سے احرام باندھ لیا اور ساتھ ہی اپنے حج کا بھی احرام باندھ لیا یا دو افراد کی طرف سے حج بدل کا احرام باندھ لیا تو فرض ادا نہ ہوگا۔

(۱۳) حجِ بدل کرنے والا سواری سے حج کے لئے جائے پا پیادہ حج نہ کرے۔

(۱۴) حجِ بدل کرنے والا اسی مقام سے حج کا سفر کرے جہاں حج بدل کرانے والا رہتا ہو۔ البتہ میت کے تہائی مال میں سے حج بدل کرایا جا رہا ہو تو پھر اس رقم میں جہاں سے حج کیا جا سکتا ہو وہیں سے حج کے لئے سفر کیا جائے۔

(۱۵) حجِ بدل کرنے والا حج کو فاسد نہ کرے ـــــ اگر فاسد کرنے کے بعد اس کی قضا کرے گا تو اس حج سے حجِ بدل کرانے والے کا فرض ادا نہ ہوگا۔

(۱۶) حجِ بدل کرنے والے سے حج فوت نہ ہو جائے، ـــــ اگر اس کا حج فوت ہو جائے اور پھر وہ اس حج کی قضا کرے تو اس قضا حج سے حج بدل کرانے والے کا فرض ادا نہ ہوگا۔ بعض کتابوں میں چند شرطیں اور بھی لکھی ہیں، لیکن وہ دراصل انہی شرائط میں سے کسی نہ کسی میں داخل ہیں۔ حنفیہ کے یہاں حجِ بدل کے لئے یہ بھی شرط نہیں ہے کہ جس سے حج کرایا جا رہا ہے اس نے اپنا فریضۂ حج ادا کرلیا ہو۔[1]

مدینۂ منوّرہ کی حاضری

مدینۂ طیبہ میں حاضری بلاشبہ حج کا کوئی رُکن نہیں ہے، لیکن مدینے کی غیر معمولی عظمت و فضیلت، مسجدِ نبوی میں نماز کا بے پایاں اجر و ثواب اور دربارِ نبوی میں حاضری کا شوق، مومن کو کشاں کشاں مدینے پہنچا دیتا ہے۔ اور اُمت کا ہمیشہ سے یہی دستور بھی رہا ہے، آدمی دُور دَراز کا سفر کر کے بیت اللہ پہنچے اور دربارِ نبوی میں درُود و سلام کا تحفہ پیش کئے بغیر واپس آئے، یہ زبردست محرومی ہے۔ ایسی محرومی کہ اس کے تصوّر سے مومن کا دل دُکھنے لگتا ہے۔

مدینہ طیبّہ کی عظمت و فضیلت

مدینۂ طیبہ کی عظمت و فضیلت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی کہ یہاں محسنِ انسانیت نے اپنی زندگی کے دس سال گزارے ہیں، یہاں آپؐ کی تعمیر کردہ مسجد ہے جس میں آپؐ نے اپنے پاک ساتھیوں کے ساتھ نمازیں پڑھیں، یہیں پر وہ میدان ہے جہاں حق و باطل کی فیصلہ کن جنگ ہوئی

---

[1] البتہ علمائے اہلِ حدیث کے نزدیک یہ ضروری شرط ہے کہ حجِ بدل کرنے والا اپنا فریضۂ حج ادا کر چکا ہو ورنہ حج بدل صحیح نہ ہوگا۔

اور اسی پاک زمین میں میدانِ بدر کے وہ شہداء آرام کر رہے ہیں، جن سے نسبت پر اُمت کو بجا طور پر فخر ہے، یہیں پر وہ سعید رُوحیں آرام کر رہی ہیں جن کو نبی صادقؐ نے زندگی ہی میں جنت کی بشارت دی اور اسی سرزمین پاک میں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔

ہجرت سے پہلے اس شہر کا نام یثرب تھا، ہجرت کے بعد یہ مدینہ اور طیبہ کے نام سے مشہور ہوا اور خدا نے اس کا نام طابہ رکھا۔[1]

اور حدیث میں یہ بھی ہے کہ آپؐ نے فرمایا:-

''اللہ نے مجھے حکم دیا کہ میں مدینے کا نام طابہ رکھوں۔''[2]

طابہ، طَیبہ، اور طیّبہ کے معنیٰ ہیں، پاکیزہ اور خوش گوار، اور یہ حقیقت ہے کہ مدینۂ طیبہ کی پاک سرزمین واقعی پاکیزہ اور خوش گوار ہے۔

ہجرت کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت بلالؓ مدینے میں سخت بیمار ہو گئے اس لئے کہ یہاں کی آب وہوا انتہائی خراب تھی اور اکثر وبائی بیماریوں کے حملے ہوتے رہتے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی کہ ''پروردگار! ہمارے دلوں میں مدینے کی محبت پیدا فرما دے، جس طرح ہمارے دلوں میں مکے کی محبت ہے، یہاں کے بخار کو جُحفہ[3] کی جانب نکال دے، اور یہاں کی آب وہوا کو خوشگوار بنا دے۔[4]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ طیبہ سے جو غیر معمولی محبت تھی اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ جب کبھی آپؐ سفر سے واپس آتے تو دُور سے جونہی مدینے کی عمارتیں نظر آنے لگتیں آپؐ فرطِ شوق میں اپنی سواری تیز کر دیتے اور فرماتے ''طابہ آ گیا''[5] اور اپنی چادر شانۂ اقدس سے نیچے گرا کر فرماتے یہ طیبہ کی ہوائیں ہیں آپؐ کے ساتھیوں میں سے جو لوگ گرد و غبار سے بچنے کے

---

[1] حضرت جابر بن سمرہؓ کا بیان ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے، اللہ نے مدینے کا نام طابہ رکھا ہے۔ (مسلم) [2] بخاری ج اول۔ [3] ساحلِ سمندر پر رابغ کے قریب ایک بستی تھی۔ یہاں سے اس دَور میں قریش کے تجارتی قافلے گزرتے تھے۔ [4] بخاری [5] بخاری۔

لئے اپنے منہ پر کچھ رکھتے اور بند کرتے تو آپؐ اس سے روکتے اور فرماتے "مدینے کی خاک میں شفا ہے[1]" مدینے کی فضیلت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی کہ اس کو اللہ نے اپنی زمین کہا ہے۔

اِنَّ اَرْضِیْ وَاسِعَةٌ فَاِیَّایَ فَاعْبُدُوْنِ o (عنکبوت ۵۶)

"بلاشبہ میری زمین کشادہ ہے، پس میری ہی بندگی کرو۔"

اور سورۂ زمر میں ہے۔

وَاَرْضُ اللّٰهِ واسِعَةٌ

اور اللہ کی زمین کشادہ ہے۔

مدینہ کی پاکیزہ خاک کے بارے میں آپؐ کا ارشاد ہے:۔

"اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، مدینے کی خاک میں ہر مرض کے لئے شفا ہے، حضرت سعدؓ فرماتے ہیں میرا خیال ہے آپؐ نے فرمایا تھا، اور جذام اور برص کے لئے بھی اس میں شفا ہے۔" (الترغیب)

مدینے کی عظمت اور احترام کی تاکید آپؐ نے ان الفاظ میں فرمائی۔

"ابراہیمؑ نے مکے کو "حرم" قرار دینے کا اعلان فرمایا تھا، اور میں مدینے کے حرم ہونے کا اعلان کرتا ہوں، مدینے کے دونوں درّوں کے درمیان پورا رقبہ "حرم" ہے، اس میں خوں ریزی نہ کی جائے کسی پر ہتھیار نہ اُٹھایا جائے۔ اور درختوں کے پتے تک نہ جھاڑے جائیں، البتہ چارے کے لئے جھاڑے جاسکتے ہیں۔" (مسلم)

مدینے میں سکونت اختیار کرنے اور وہاں کی تکلیفوں کو برداشت کرنے کی فضیلت بتاتے ہوئے آپؐ نے ارشاد فرمایا:۔

"میری اُمت کا جو شخص بھی مدینے کی شدّت اور سختی کو برداشت کر کے وہاں سکونت پذیر رہے گا، قیامت کے روز میں اس کی شفاعت کروں گا۔" (مسلم)

---

[1] جذب القلوب۔

نیز فرمایا:۔

''اپنی اُمت کے لوگوں میں سب سے پہلے میں مدینے والوں کی شفاعت کروں گا اور پھر اہلِ مکہ کی اور پھر طائف والوں کی۔'' (طبرانی)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکے کی سرزمین میں اپنی ذُرّیت کو بساتے ہوئے دُعا فرمائی تھی۔

فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْٓ اِلَیْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ یَشْكُرُوْنَ ٥ (ابراہیم۔۳۷)

لہٰذا تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کردے اور اُنہیں کھانے کے لئے پھل عطا فرما تا کہ یہ تیرے شکرگزار بندے بن کر رہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دُعا کا حوالہ دیتے ہوئے مدینے کے حق میں خیر و برکت کی دُعا فرمائی تھی۔

''اے اللہ! ابراہیم، تیرے خاص بندے، تیرے دوست اور تیرے نبی تھے اور میں بھی تیرا بندہ اور تیرا نبی ہوں، انہوں نے مکے کی خیر و برکت کے لئے تجھ سے دُعا کی تھی اور میں مدینے کی خیر و برکت کے لئے ویسی ہی دُعا کرتا ہوں بلکہ اور زیادہ۔'' (مسلم)

مدینے کی پاکی اور دینی اہمیت کو بتاتے ہوئے آپؐ نے فرمایا:۔

''قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک مدینہ اپنے اندر کے شرپسند عنصر کو اس طرح باہر نہ نکال پھینکے جس طرح لوہار کی بھٹی لوہے کے میل کچیل کو دُور کردیتی ہے۔'' (مسلم)

مدینے میں وفات پانے کی آرزو اور کوشش کی فضیلت بتاتے ہوئے آپؐ نے ارشاد فرمایا:۔

''جو شخص مدینے میں وفات پانے کی کوشش کرسکتا ہو اس کو ضرور کوشش کرنی چاہئے کہ مدینے ہی میں اس کو موت آئے، اس لئے کہ جو شخص مدینے میں وفات پائے گا میں اس کی شفاعت

کروں گا۔" (مسند احمد، ترمذی)

حضرت ابن سعدؓ کا بیان ہے کہ عوف بن مالک اشجعیؓ نے خواب دیکھا کہ حضرت عمرؓ شہید کردیئے گئے اور انہوں نے حضرت عمرؓ سے اپنے اس خواب کا ذکر کیا، حضرت عمرؓ نے بڑی حسرت سے کہا:۔

"بھلا مجھے شہادت کیوں کر نصیب ہوگی! جب کہ میں جزیرۃ العرب میں رہ رہا ہوں، میں خود جہاد میں شریک نہیں ہوتا اور لوگ ہر وقت مجھے گھیرے رہتے ہیں۔ ہاں اگر خدا کو منظور ہوگا تو انہی حالات میں وہ مجھے شہادت کی سعادت سے نوازے گا اور اس کے بعد آپؓ نے یہ دُعا کی۔

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ شَھَادَۃً فِیْ سَبِیْلِکَ وَاجْعَلْ مَوْتِیْ فِیْ بَلَدِ رَسُوْلِکَ۔

اے اللہ مجھے اپنی راہ میں شہادت نصیب کر اور مجھے اپنے رسولؐ کے شہر میں موت دے۔"

مسجدِ نبوی کی عظمت

مسجدِ نبوی کی عظمت اور فضیلت کے لئے یہی بات کیا کم ہے کہ اس کی تعمیر خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھوں سے فرمائی اور برسوں اس میں نماز پڑھی اس کی نسبت اپنی طرف فرمائی اور اس کو اپنی مسجد کہا ہے، آپؐ کا ارشاد ہے:۔

"میری مسجد میں ایک نماز پڑھنا دوسری مسجدوں میں ہزار نمازیں پڑھنے سے زیادہ افضل ہے، سوائے مسجدِ حرام کے۔"

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"جس شخص نے میری اِس مسجد میں مسلسل چالیس وقت کی نمازیں اس طرح پڑھیں کہ درمیان میں کوئی نماز بھی فوت نہیں ہوئی تو اس کے لئے جہنم کی آگ اور ہر عذاب سے برأت لکھ دی جائے گی اور اسی طرح نفاق سے برأت لکھ دی جائے گی۔" (مسند احمد، الترغیب)

نیز ارشاد فرمایا:

''میرے گھر اور میرے ممبر کے درمیان کی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغیچہ ہے اور میرا ممبر حوضِ کوثر پر ہے۔'' (بخاری، مسلم)

روضۂ اقدس کی زیارت

کتنے خوش نصیب تھے وہ مومنین جن کی آنکھیں دیدارِ رسول سے روشن ہوئیں، جو آپؐ کی صحبت میں رہے، اور شب و روز آپؐ کے کلام سے مُستفیض ہوئے۔ یہ سعادت تو صرف صحابۂ کرامؓ کے لئے مخصوص تھی، لیکن یہ موقع قیامت تک باقی ہے کہ مشتاقانِ دید روضۂ اقدس پر حاضری دیں اور آپؐ کی دہلیز پر کھڑے ہو کر درود و سلام کے تحفے پیش کریں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

- ''جس شخص نے حج کیا، اور میری وفات کے بعد اس نے میرے روضے کی زیارت کی تو وہ زیارت کی سعادت پانے میں اسی شخص کی طرح ہے جس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔'' (بیہقی)
- ''جس شخص نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی اس نے گویا میری زندگی میں میری زیارت کی، اور جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی اور میری اُمت کا جو شخص میری زیارت کرنے کی وسعت اور طاقت رکھنے کے باوجود میری زیارت نہ کرے تو اس کا کوئی عُذر، عُذر نہیں۔ (علم الفقہ)

اور فرمایا:۔

- ''جو شخص میری زیارت کے لئے آئے اور اس کے سوا اس کو کوئی دوسرا کام نہ ہو تو اس کا مجھ پر یہ حق ہے کہ میں اس کی شفاعت کروں۔''[1]

---

[1] علم الفقہ ج پنجم۔

روضۂ اقدس کی زیارت کا حکم

روضۂ اقدس کی زیارت واجب[1] ہے، احادیث سے یہی معلوم ہوتا ہے، آپؐ کا ارشاد ہے، جس شخص نے حج کیا اور میری زیارت کو نہ آیا، اس نے مجھ پر ظلم کیا، اور ایک حدیث میں ہے، جس نے استطاعت کے باوجود میری زیارت نہیں کی اس کا کوئی عذر قابلِ قبول نہیں۔ انہی احادیث کی روشنی میں علماء نے روضۂ اقدس کی زیارت کو واجب قرار دیا ہے۔

چنانچہ صحابۂ کرام، تابعین اور دوسرے اسلاف روضۂ اقدس کی زیارت کا بڑا اہتمام فرماتے تھے۔

حضرت ابن عمرؓ کی عادت تھی کہ جب بھی کسی سفر سے آتے تو سب سے پہلے روضۂ اقدس پر حاضر ہوتے اور نبیؐ کی جناب میں درود و سلام پڑھتے۔

حضرت عمرؓ کعب احبار کو لے کر مدینے آئے اور مدینے پہنچ کر سب سے پہلے روضۂ اقدس پر حاضر ہوئے اور جنابِ رسالت میں درُود و سلام پیش کیا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے تو شام سے خاص اس مقصد کے لئے اپنے قاصد کو مدینہ منورہ بھیجا کہ وہ وہاں پہنچ کر دربارِ رسالت میں ان کا سلام پہنچادے۔

---

[1] علم الفقہ ج پنجم۔

حج کی دُعائیں —— ایک نظر میں

حج کے دوران مختلف مقامات پر ارکانِ حج ادا کرتے وقت جو مسنون دُعائیں مانگی جاتی ہیں وہ اپنے اپنے موقع پر اس کتاب میں نقل کی گئی ہیں اور ساتھ ہی ان کا ترجمہ اور مطلب بھی دیا گیا ہے، یہاں اُن کی فہرست اور صفحات نقل کئے جاتے ہیں تا کہ بوقتِ ضرورت آسانی سے استفادہ کیا جاسکے۔

مقاماتِ حج

حرمِ پاک اور اس کے قرب وجوار کے مقدس مقامات جہاں حج کے اعمال وارکان ادا کئے جاتے ہیں نہایت ہی قابلِ عظمت واحترام ہیں یہ دراصل شعائر اللہ ہیں، ان کا اسلامی تاریخ سے گہرا تعلق ہے ان سے واقف ہونا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے، بالخصوص زائرینِ حرم کے لئے۔ تا کہ وہ حج سے پورا پورا فائدہ اُٹھا سکیں، اور ان کے حج میں وہ رُوحانی کیفیت پیدا ہو سکے جو حج کی جان ہے، سہولت کے لئے ان مقامات کا تعارف حروف تہجی کی ترتیب کے مطابق پیش کیا جا رہا ہے۔

(۱) بیت اللہ

یہ ایک چوکور مقدس عمارت ہے، جو اللہ کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے تعمیر فرمائی تھی، اور ان جذبات اور تمناؤں کے ساتھ تعمیر فرمائی تھی، کہ یہ ساری انسانیت کے لئے رہتی دُنیا تک مرکزِ ہدایت بنے۔ یہیں سے وہ رسول اُٹھیں جو سارے عالم کی رہنمائی اور ہدایت کا عظیم فریضہ انجام دیں، اور یہیں سے ان کی قیادت میں وہ اُمت اُٹھے جو قیامت تک تبلیغِ دین اور کارِ رسالت کا گراں ترین فریضہ انجام دیتی رہے، قرآن کی شہادت ہے کہ رُوئے زمین پر اولادِ آدم کے لئے خدا کی عبادت کا سب سے پہلا گھر جو تعمیر ہوا وہ یہی "بیت اللہ" ہے، یہ سارے جہاں کے لئے خیر وبرکت کا سرچشمہ اور مرکزِ ہدایت ہے، حج میں زائرِ حرم اسی کے گرد والہانہ طواف کرتا ہے۔

(۲) بطنِ عُرنہ

میدانِ عرفات میں ایک خاص مقام ہے جو بطنِ عُرنہ یا وادئ عرنہ کے نام سے مشہور ہے

حجۃ الوداع کے موقع پر اسی وادی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو خطاب فرمایا تھا۔

(۳) جبلِ رحمت

میدانِ عرفات کے درمیان ایک متبرّک پہاڑ ہے۔

(۴) جبلِ قزح

مُزدلفے میں مشعر الحرام کے پاس ایک پہاڑ ہے۔

(۵) جبلِ عرفات

میدانِ عرفات کا ایک پہاڑ ہے اور اس پہاڑ کی وجہ سے ہی اس وادی کو وادئ عرفات یا میدانِ عرفات کہتے ہیں۔

(۶) جُحفہ

مکہ معظّمہ سے مغرب کی جانب تقریباً ایک سو ستاسی (۱۸۷) کلومیٹر کے فاصلے پر ایک مقام ہے، یہ اہلِ شام و مصر کے لئے اور ان تمام لوگوں کے لئے میقات ہے جو شام و مغرب کے راستے سے حرم میں داخل ہوں۔

(۷) جمرات

منیٰ میں فاصلے فاصلے سے تین مقامات پر تین ستون بنے ہوئے ہیں، ان ستونوں کو جمرات کہتے ہیں، پہلا ستون جو مسجدِ خیف کی جانب بازار میں ہے اس کو جمرۂ اولیٰ کہتے ہیں، دوسرا ستون جو بیت اللہ کی جانب ہے اس کو جمرۂ عقبیٰ کہتے ہیں، تیسرا ستون جو ان دونوں کے درمیان میں ہے اس کو جمرۂ وسطیٰ کہتے ہیں۔

(۸) حَرَم

شہر مکہ جس میں بیت اللہ اور مسجدِ حرام واقع ہے یہ شہر اور اس کے آس پاس کے کچھ علاقے حرم کہلاتے ہیں حرم کے یہ حدود معلوم اور متعین ہیں، پہلے یہ حدود حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مقرر فرمائے تھے، پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہدِ رسالت میں ان حدود کی تجدید فرمائی، مدینے کی سمت میں تقریباً ۵ کلومیٹر تک حرم کی حد ہے، یمن کی جانب تقریباً گیارہ کلومیٹر اور طائف کی جانب بھی تقریباً گیارہ اور قریب قریب اتنے ہی کلومیٹر تک عراق کی جانب حرم کی حد ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت معاویہؓ نے اپنے اپنے دَور میں ان حدود کی تجدید فرمائی خدا کے دین سے شغف اور وفاداری کا تقاضا ہے کہ مسلمان ان حدود کی عظمت واحترام اور حفاظت کا پورا پورا اہتمام کریں اور ان اُمور سے بچے رہیں جن کا کرنا ان حدود میں ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

(۹) حطیم

بیت اللہ کے شمال، مغرب کا وہ حصہ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دَور میں کعبہ کی عمارت میں شامل تھا اور بعد کی تعمیر میں شامل نہ کیا جا سکا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے آگ لگنے کی وجہ سے کعبہ کا کچھ حصہ جل گیا تھا۔ قریش نے جب اس کی دوبارہ تعمیر کی تو سرمایہ کم پڑ گیا اور کچھ دیوار چھوٹی کر کے کچھ حصے کو چھوڑ دیا گیا اسی چھوٹے ہوئے حصے کو حطیم کہتے ہیں حطیم چونکہ فی الواقع بیت اللہ ہی کا حصہ ہے اس لئے طواف کرنے والے حطیم کے باہر باہر طواف کرتے ہیں تاکہ حطیم کا بھی طواف ہو جائے۔

(۱۰) ذاتِ عرق

مکہ معظّمہ سے شمالِ مشرق کی جانب مکے سے تقریباً چورانوے کلومیٹر کے فاصلے پر ایک

مقام ہے یہ اہلِ عراق کے لئے میقات ہے اور ان سارے لوگوں کے لئے بھی، جو عراق کی جانب سے حرم میں داخل ہوں۔

(۱۱) ذوالحلیفہ

مدینہ طیبہ سے مکہ معظّمہ آتے ہوئے، مدینے سے آٹھ ،نو کلومیٹر کے فاصلے پر ایک مقام ہے، یہ مقام مکہ معظّمہ سے تقریباً چار سو کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے، یہ مدینے سے آنے والے لوگوں کے لئے میقات ہے۔

(۱۲) رُکنِ یمانی

بیت اللہ کا وہ گوشہ جو یمن کی جانب ہے اس کو رُکن یمانی کہتے ہیں، یہ انتہائی متبرّک مقام ہے، آپؐ کا ارشاد ہے ''رُکن یمانی اور حجرِ اسود کو چھونے سے خطائیں مٹ جاتی ہیں۔'' (الترغیب)

(۱۳) زَمزم

زمزم ایک تاریخی کنواں ہے جو بیت اللہ سے مشرق کی جانب واقع ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اللہ کے حکم سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کو مکے کے بے آب وگیاہ ریگستان میں لاکر بسایا تو اللہ نے ان پر رحم کھا کر خصوصی فضل فرمایا اور اس چٹیل میدان میں ان کی خاطر زمزم کا یہ چشمہ جاری فرمایا۔ حدیث میں اس چشمے کی اور اس کے پانی کی بڑی فضیلت آئی ہے، آپؐ نے فرمایا ہے کہ آبِ زمزم کو خوب سیر ہو کر پینا چاہئے، یہ جس مقصد کے لئے پیا جائے، مفید ہے، یہ بھوکے کے لئے غذا ہے اور بیمار کے لئے شفا ہے۔

(۱۴) صَفا

بیت اللہ سے جنوب کی جانب ایک پہاڑی کا نام ہے، اب تو اس پہاڑی کا بہت معمولی

سانشان باقی رہ گیا ہے، اس کے بالمقابل بیت اللہ کے شمال میں مَروہ پہاڑی ہے اور ان دونوں کے درمیان زائرِ حرم کے لئے سعی کرنا واجب ہے، اس سعی کا ذکر قرآنِ پاک میں بھی آیا ہے۔

(۱۵) عرفات

مکہ مکرمہ سے تقریباً ۲۵ کلومیٹر کے فاصلے پر ایک نہایت ہی وسیع و عریض کشادہ میدان ہے، حرم کی حدود جہاں ختم ہوتی ہیں وہیں سے عرفات کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے، میدانِ عرفات میں پہنچنا اور وقوف کرنا، حج کا اہم ترین رُکن ہے، اور جس نے یہ رُکن چھوڑ دیا اس کا حج ہی نہیں ہوا حدیث میں وقوفِ عرفات کی بڑی فضیلت آئی ہے۔

(۱۶) قرن المنازل

مکہ معظّمہ سے مشرق کی جانب جانے والی سڑک پر ایک پہاڑی مقام ہے، یہ مکہ معظّمہ سے تقریباً پچاس کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے، یہ نجد کے رہنے والوں کے لئے میقات ہے اور ان سارے لوگوں کے لئے جو نجد کے راستے حرم میں داخل ہوں۔

(۱۷) محصّب

مکہ معظّمہ اور منیٰ کے درمیان ایک میدان تھا جو دو پہاڑیوں کے درمیان واقع تھا اس کو محصّب کہتے تھے۔ آج کل یہ آباد ہو گیا ہے اور اب اس کو ''معابدہ'' کہتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ سے جاتے ہوئے یہاں کچھ دیر کے لئے ٹھہرے تھے، لیکن محصّب میں ٹھہرنا مناسکِ حج میں سے نہیں۔

(۱۸) مزدلفہ

منیٰ اور عرفات کے بالکل درمیان میں ایک مقام ہے اس کو جمع بھی کہتے ہیں اس لئے کہ

۱۰/ذوالحجہ کی شب میں حاجی لوگ یہاں جمع ہوتے ہیں، مزدلفہ میں وقوف واجب ہے اور وقوف کا اصل وقت طلوعِ فجر سے طلوعِ آفتاب تک ہے۔

(۱۹) مسجدِ الحرام

مسجد الحرام دُنیا کی تمام مسجدوں میں افضل مسجد ہے، بلکہ نماز پڑھنے کی اصل جگہ یہی ہے اور دُنیا کی ساری مسجدیں درحقیقت اسی کی قائم مقام ہیں یہ وہ مبارک مسجد ہے، جس کے درمیان میں اللہ کا وہ گھر واقع ہے، جو دُنیا میں خدا کی عبادت کا سب سے پہلا گھر ہے اور جو ساری انسانیت کے لئے ہدایت و برکت کا سرچشمہ ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اس مسجد میں ایک نماز پڑھنے کا اجر و ثواب دوسری جگہ کی ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔

(۲۰) مسجدِ نبویؐ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینے آئے تو آپ نے یہاں ایک مسجد تعمیر فرمائی، تعمیر میں صحابۂ کرامؓ کے ساتھ آپؐ خود بھی برابر کے شریک رہے اور اس کے بارے میں فرمایا، یہ میری مسجد ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے برسوں اس مسجد میں نماز پڑھی، اور صحابۂ کرام نے بھی برسوں پڑھی، اس مسجد کی فضیلت و عظمت کا ذکر کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا:-

''صرف تین مسجدوں کے لئے آدمی سفر کرسکتا ہے، مسجدِ حرام کے لئے، مسجدِ اقصیٰ کے لئے، اور میری اس مسجد کے لئے۔'' (بخاری، مسلم)

نیز ارشاد فرمایا:-

''جس شخص نے میری اس مسجد میں مسلسل چالیس وقت کی نمازیں اس طرح پڑھیں کہ درمیان میں کوئی نماز فوت نہیں ہوئی تو اس کے لئے جہنم کی آگ اور عذاب سے برأت اور نجات لکھ دی جائے گی اور اسی طرح نفاق سے برأت لکھ دی جائے گی۔'' (الترغیب)

(۲۱) مسجدِ خیف

منٰی میں ایک مسجد ہے، منٰی میں وقوف کے دوران حجّاج اسی مسجد میں ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی نمازیں پڑھتے ہیں۔

(۲۲) مسجدِ نمرہ

حرم اور عرفات کی عین سرحد پر یہ مسجد واقع ہے، اس مسجد کی جو دیوار مکے کی جانب ہے وہ حرم اور عرفات کے درمیان حدِ فاصل ہے۔ دورِ جاہلیت میں قریش کے لوگ عرفات جانے کے بجائے حرم کے حدود ہی میں یعنی مشعر الحرام کے پاس وقوف کرتے تھے اور اس کو اپنا خصوصی امتیاز سمجھتے تھے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں یہ حکم دیا تھا کہ آپؐ کا خیمہ ''نمرہ'' میں نصب کیا جائے، چنانچہ آپؐ کے حکم کے مطابق آپؐ کا خیمہ نمرہ ہی میں نصب کیا گیا۔ اسی مقام پر ''مسجد نمرہ'' ہے۔

(۲۳) مشعرالحرام

مزدلفے کے میدان میں ایک اونچا سا نشان ہے، اس کے کنارے کنارے احاطہ بنا دیا گیا ہے، اس کو مشعر الحرام کہتے ہیں۔ اس مقام پر کثرت سے ذکر و تسبیح کی تاکید کی گئی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پہاڑی پر چڑھ کر ذکر و تسبیح فرمائی اور دُعا کی، یہ مقام بھی دُعا کی قبولیت کے مقامات میں سے ہے، قرآنِ پاک میں بھی ہدایت ہے کہ ''مشعر الحرام کے پاس کثرت سے ذکرِ الٰہی کرو۔''

فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ۔

''پس جب تم عرفات سے لوٹ کر آؤ تو مشعر الحرام کے پاس اللہ کا ذکر کرو اور جس طرح تمہیں ہدایت ہے اِسی طرح یاد کرو۔''

(۲۴) مطاف

بیت اللہ کے چاروں طرف کنارے کنارے بیضوی شکل کی جگہ بنی ہوئی ہے، جس میں حطیم بھی داخل ہے اس کو مطاف کہتے ہیں، مطاف طواف کرنے کی جگہ کو کہتے ہیں، یہاں شب و روز بیت اللہ کے پروانے طواف کرتے نظر آتے ہیں اور جماعت کے وقت کے علاوہ دن ہو یا رات ہر وقت کچھ لوگ طواف میں مشغول ہوتے ہیں۔

(۲۵) مقامِ ابراہیمؑ

بیت اللہ سے شمال، مشرق کی جانب بابِ کعبہ سے کچھ فاصلے پر ایک قُبہ بنا ہوا ہے، اس کے اندر ایک مبارک پتھر رکھا ہوا ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دونوں قدموں کے نشانات ہیں، اسی کو مقامِ ابراہیم کہتے ہیں، یہ انتہائی متبرک مقام ہے، یہ خدا کی عظیم نشانیوں میں سے ایک ہے، خدا کی ہدایت ہے۔

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى ط

''اور مقامِ ابراہیم (علیہ السلام) کو مستقل عبادت گاہ قرار دے لو۔''

طواف کے شوط پورے کرنے کے بعد طواف کرنے والے مقامِ ابراہیمؑ کے پاس دو رکعت نماز پڑھتے ہیں، نماز پڑھنے کی جگہ مقامِ ابراہیم اور بابِ کعبہ کے درمیان بنی ہوئی ہے، حضرت امام مالکؒ کا بیان ہے کہ مقامِ ابراہیم اِس وقت اُسی جگہ رکھا ہوا ہے جہاں اس کو حضرت ابراہیمؑ رکھ گئے تھے۔

(۲۶) ملتزم

بیت اللہ کے دیوار کے اس حصے کو کہتے ہیں، جو بابِ کعبہ اور حجرِ اسود کے درمیان ہے یہ تقریباً چھ فٹ کا حصہ ہے اور قبولیت دُعا کے اہم مقامات میں سے ہے، ملتزم کے معنٰی ہیں چمٹنے کی جگہ۔ اس مقام سے چمٹ کر اور چہرہ لگا کر انتہائی عاجزی، لجاجت اور انکساری کے ساتھ، دُعا مانگنا مسنون ہے۔

(۲۷) منٰی

حدودِ حرم میں مکہ مکرمہ سے تقریباً پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر ایک مقام ہے، ذوالحجہ کی آٹھویں اور نویں تاریخ کی درمیانی شب حجاج اسی مقام پر گزارتے ہیں، اور ۹/ذوالحجہ کو اچھی طرح دن نکلنے کے بعد عرفات کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔

(۲۸) میلینِ اخضرین

صفا اور مروہ کی پہاڑیوں کے درمیان مروہ کی طرف جاتے ہوئے بائیں جانب کو دو سبز نشان ہیں ان کو میلینِ اخضرین کہتے ہیں، ان دونوں کے درمیان دوڑنا مسنون ہے، مگر صرف مردوں کے لئے، خواتین نہ دوڑیں، بلکہ معمولی رفتار سے ہی سعی کریں۔

(۲۹) وادیٔ محسّر

مزدلفہ اور منٰی کے درمیانی راستے میں ایک مقام ہے اس کو محسّر کہتے ہیں ولادتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے چند ہی یوم پہلے حبشہ کے عیسائی حکمراں ابرہہ نے بیت اللہ کو ڈھانے کے ناپاک ارادے سے مکہ مکرمہ پر چڑھائی کی، جب وہ وادیٔ محسّر میں پہنچا، تو خدا نے سمندر کی

جانب سے ننھے ننھے پرندوں کی فوج بھیجی جن کے پنجوں اور چونچوں میں چھوٹی کنکریاں تھیں اور اُنہوں نے ابرہہ کے ہاتھی سوار فوج پر کنکریوں کی ایسی ہلاکت خیز بارش کی کہ ساری فوج تہس نہس ہوگئی، زائرینِ حرم اس مقام سے کنکریاں اُٹھا کر ساتھ لاتے ہیں اور اسی سے رمی کرتے ہیں جو اس عزم کا اظہار ہے کہ دینِ حق کی بنیادیں ڈھانے کے لئے کسی نے بھی آگے بڑھنے کا ناپاک ارادہ کیا تو ہم اسے اسی طرح تہس نہس کردیں گے جس طرح ابابیل نے ابرہہ کی فوج کو تہس نہس کردیا تھا۔ وادیٔ محسّر کے میدان میں بھورے رنگ کی بجری ہے، حجاج کو چاہئے کہ یہاں سے چنے کے دانے کے برابر کنکریاں حسبِ ضرورت اُٹھا کر جلد اس مقام سے گزر جائیں۔ یہ مقامِ عذاب ہے۔

(۳۰) یلَملَم

مکے سے جنوب، مشرق کی سمت یمن سے آنے والے مقام پر ایک پہاڑی مقام ہے جو مکے سے تقریباً ساٹھ کلومیٹر کی دُوری پر ہے، یہ یمن اور یمن کی سمت سے آنے والوں کی میقات ہے، اہلِ ہند اور اہلِ پاکستان کو بھی اسی مقام پر احرام باندھنا ہوتا ہے۔

اصطلاحات

(۱) احرام

حج کی نیت کر کے حج کا لباس پہننے اور تلبیہ پڑھنے کو احرام کہتے ہیں، احرام باندھنے والے کو مُحرِم کہتے ہیں، جس طرح نماز کے لئے تکبیرِ تحریمہ کہنے کے بعد کھانا پینا، چلنا پھرنا وغیرہ سب حرام ہو جاتا ہے، اسی طرح احرام باندھ لینے کے بعد بہت سے وہ کام ممنوع ہو جاتے ہیں جو پہلے مباح تھے، اسی لئے اس کو احرام کہتے ہیں۔

(۲) اِحصار

احصار کے لغوی معنٰی ہیں۔ روکنا اور باز رکھنا۔ اصطلاح میں احصار سے مُراد یہ ہے کہ کوئی شخص حج یا عمرے کی نیت کرے اور پھر وہ حج یا عمرہ کرنے سے روک دیا جائے ایسے شخص کو اصطلاح میں ''محصَر،، کہتے ہیں۔

(۳) استلام

استلام کے لغوی معنٰی ہیں چھونا اور بوسہ دینا۔ اور اصطلاح میں استلام سے مُراد ہے حجرِ اسود کو بوسہ دینا، اور رُکن یمانی کو چھونا، طواف کا ہر چکر شروع کرتے وقت اور ہر طواف کے ختم پر حجر اسود کا استلام کرنا سنت ہے اور رُکن یمانی کا استلام مستحب ہے۔

(۴) اضطباغ

چادر وغیرہ کو اس طرح اوڑھنا کہ اس کا کنارہ داہنے شانے پر ڈالنے کے بجائے داہنی

بغل کے نیچے سے نکال کر اوڑھا جائے اور داہنا شانہ کھلا رہے، یہ عمل، چستی، قوت اور ہمت ظاہر کرنے کے لئے کیا جاتا ہے، گویا خدا کے سپاہی دین کی دشمن طاقتوں سے لڑنے کے لئے ہر وقت کمربستہ ہیں۔

(۵) اعتکاف

اعتکاف سے مُراد یہ ہے کہ آدمی کچھ وقت کے لئے دنیوی تعلقات اور مصروفیات سے الگ ہو کر کسی مسجد میں جا بیٹھے اور وہاں ذکر و فکر اور یادِ الٰہی میں رہے، رمضان کے آخری عشرے میں یہ عمل کرنا سنتِ مؤکدہ کفایہ ہے۔

(۶) آفاقی

میقات سے باہر کے علاقوں میں رہنے والے لوگوں کو اصطلاح میں آفاقی کہتے ہیں۔

(۷) اِفراد

حج کی تین قسمیں ہیں ان میں سے ایک قسم اِفراد ہے۔ حج اِفراد کرنے والے کو ''مُفرِد'' کہتے ہیں۔

(۸) المام

المام کے معنٰی ہیں اُتر پڑنا۔ اصطلاح میں اس سے مُراد یہ ہے کہ آدمی عمرے کا احرام کھولنے کے بعد اپنے گھر کے لوگوں میں اُتر پڑے۔

(۹) اوقیہ

ایک وزن ہے جو چالیس درہم کے برابر ہوتا ہے۔

(۱۰) ایامِ بیض

ہر مہینے کی تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں تاریخوں کو ایامِ بیض یعنی روشن ایام کہتے ہیں۔

(۱۱) ایامِ تشریق

ماہ ذوالحجہ کی ۱۱ر، ۱۲ر، ۱۳ر تاریخ کو ایام تشریق کہتے ہیں ۹ر تاریخ کو ''یومِ عرفہ'' اور ۱۰ر ذوالحجہ کو ''یومِ نحر'' کہتے ہیں اوران پانچوں ایام کو ملا کر بھی ایامِ تشریق کہتے ہیں۔

(۱۲) تحلیق و تقصیر

تحلیق کے معنٰی ہیں سر مُنڈانا اور تقصیر کے معنٰی ہیں بال کتروانا، حج کے ارکان سے فارغ ہونے کے بعد سر منڈانا یا کچھ بال کتروانا واجب ہے۔

(۱۳) تلبیہ

زائرِ حرم کی ایک مخصوص دُعا جس کو وہ برابر پڑھتا رہتا ہے، ہر نشیب میں اُترتے ہوئے، ہر بلندی پر چڑھتے ہوئے، ہر فرض نماز سے فارغ ہو کر، ہر نئے قافلے سے ملاقات کے وقت اور ہر صبح و شام، غرض حج کے دوران برابر اس دُعا کا وِرد رہتا ہے۔ تلبیہ کے الفاظ یہ ہیں:

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ ،لَبَّيْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ ،اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ

(۱۴) تمتّع

تمتع بھی حج کی ایک قسم ہے تمتع کے لغوی معنٰی ہیں کچھ وقت کے لئے فائدہ اُٹھانا اور

اصطلاح میں حج تمتع یہ ہے کہ آدمی حج اور عمرہ ایک ساتھ کرے لیکن اس طرح کہ دونوں کے لئے الگ الگ احرام باندھے اور عمرہ کر لینے کے بعد احرام کھول کر ان ساری چیزوں سے فائدہ اُٹھائے جو احرام کی حالت میں ممنوع ہوگئی تھیں اور پھر حج کا احرام باندھ کر حج کے ارکان ادا کرے۔ ایسے شخص کو ''متمتّع'' کہتے ہیں۔

(۱۵) تملیک

تملیک کے معنٰی ہیں مالک بنانا۔ زکوٰۃ کی ادائیگی صحیح ہونے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ زکوٰۃ کا مال جس کے حوالے کیا جائے اس کو مالک بنا دیا جائے کہ وہ جیسے چاہے خرچ کرے۔

(۱۶) جنایت

جنایت کے لغوی معنٰی ہیں کوئی ممنوع اور بُرا کام کرنا لیکن اصطلاح میں اس سے مُراد کوئی ایسا کام کرنا جو حرم یا حالتِ احرام میں ہونے کی وجہ سے ممنوع ہو۔

(۱۷) جدال

جدال کے معنٰی ہیں لڑائی جھگڑا کرنا، لڑائی جھگڑا تو بہر حال ناپسندیدہ ہے، لیکن چونکہ حج کے دَوران بڑا اژدحام ہوتا ہے اس لئے قدم قدم پر اس سے بچنے کا خصوصی اہتمام ہونا چاہئے۔

(۱۸) حرام

جس بُرے کام سے بچنا قرآن نے ہر مسلمان پر فرض کر دیا ہے، اس کو حرام کہتے ہیں۔

(۱۹) درہم

ایک سکہ ہے جس کا وزن دو ماشے اور ڈیڑھ رتی کے برابر ہوتا ہے۔

(۲۰) دمِ احصار

کوئی شخص نیت کر لینے کے بعد حج یا عمرہ سے روک دیا جائے تو اس کو حسب مقدور قربانی دینا ہوتی ہے اس قربانی کو ''دمِ احصار،، کہتے ہیں۔

(۲۱) رفث

اس سے مُراد جنسی فعل یا اس سے متعلق گفتگو کرنا ہے۔

(۲۲) رکاز

اس سے مُراد وہ چیزیں ہیں جو زمین کے اندر ہوں خواہ کسی کی دفن کردہ ہوں یا قدرتی طور پر ہوں۔

(۲۳) رُکن

ایسی چیز کو کہتے ہیں جس پر کسی چیز کے قائم ہونے کا دارومدار ہو، مثلاً عرفات میں ٹھہرنا حج کا رُکن ہے اگر یہ نہ ہو تو حج بھی نہ ہوگا۔

(۲۴) رَمل

طواف کے پہلے تین چکروں میں شانہ ہلاتے ہوئے تیز تیز چلنے کو رَمل کہتے ہیں۔

(۲۵) رَمی

لغت میں رمی پھینکنے اور نشانہ لگانے کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں وہ عمل ہے جس میں حاجی

منیٰ میں کچھ کچھ فاصلے سے بنے ہوئے تین ستونوں پر کنکریاں مارتے ہیں، ان ستونوں کو جمرات کہتے ہیں۔

(۲۶) زکوٰۃ

زکوٰۃ کے لغوی معنٰی ہیں پاک کرنا بڑھانا اور نشو ونما دینا، اصطلاح میں سال گزرنے پر اپنے ال و دولت میں سے شریعت کے مقرر کیے ہوئے حصے کو نکالنا زکوٰۃ کہلاتا ہے۔

(۲۷) سائمہ

اس سے مُراد وہ جانور ہیں جن کا گزارہ جنگل اور میدان کی گھاس پر ہو، ان کے لئے چارہ مہیا نہ کیا جاتا ہو اور وہ دودھ اور افزائش نسل کی غرض سے پالے گئے ہوں۔

(۲۸) سعی

سعی کے معنٰی ہیں اہتمام سے چلنا اور کوشش کرنا، اصطلاح میں صفا اور مروہ نامی دو پہاڑوں کے درمیان دوڑنے کو سعی کہتے ہیں۔

(۲۹) سُنّت

وہ فعل ہے جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ نے دینی عمل سمجھ کر اکثر کیا ہو۔

(۳۰) شرط

کسی کام کے صحیح ہونے کا مدار جس چیز پر ہوتا ہے اس کو شرط کہتے ہیں۔

(۳۱) شوط

شوط کے معنٰی ہیں چکر لگانا اور اصطلاح میں بیت اللہ کے گرد ایک چکر کو شوط کہتے ہیں۔

(۳۲) صاع

ایک پیمانہ ہے جو اسّی ۸۰ روپے والے سیر کے حساب سے دو سیر اور تقریباً چھ چھٹانک ہوتا ہے یعنی دو کلو اور دو سو بیس گرام۔

(۳۳) صوم یا صیام

ان کے معنٰی ہیں کسی چیز سے رُک جانا اور اس کو ترک کر دینا، اصطلاح میں آدمی کے صبحِ صادق سے غروبِ آفتاب تک کھانے پینے اور جنسی ضرورت پوری کرنے سے باز رہنے کو صوم کہتے ہیں۔

(۳۴) ضرورتِ اصلیہ

اس سے مُراد وہ بنیادی ضرورتیں ہیں جن پر انسانی زندگی کی بقا اور عزت و آبرو کی حفاظت کا دارومدار ہے۔

(۳۵) طوافِ قدوم

مکے میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے جو طواف کیا جاتا ہے اُس کو طوافِ قدوم کہتے ہیں اور اسی کو طواف تحیّۃ اور طوافِ لقاء بھی کہتے ہیں اور یہ صرف میقات سے باہر والوں پر واجب ہے جن کو اصطلاح میں آفاقی کہتے ہیں۔

(۳۶) طوافِ زیارت

وقوفِ عرفات کے بعد دس ذوالحجہ کو کیا جاتا ہے اس کو "طوافِ افاضہ" بھی کہتے ہیں۔ طوافِ زیارت فرض ہے اور اس کا حکم قرآن میں ہے۔

(۳۷) طوافِ وداع

بیت اللہ سے رُخصت ہوتے وقت جو آخری طواف کیا جاتا ہے اس کو طوافِ وداع یا طوافِ صدر کہتے ہیں یہ طواف بھی آفاقی پر واجب ہے۔

(۳۸) عاملینِ زکوٰۃ

اِن سے مُراد وہ لوگ ہیں جو زکوٰۃ کی تحصیل، تقسیم اور حساب کتاب نیز مالِ زکوٰۃ کی حفاظت کے کام پر معمور ہوں۔

(۳۹) عُشر

زمین کی پیداوار میں جو دسواں یا بیسواں حصہ نکالنا واجب ہے اس کو عشر کہتے ہیں، بارانی زمینوں میں دسواں حصہ دینا ہوتا ہے اور اُن زمینوں میں بیسواں حصہ دینا ہوتا ہے جو مصنوعی ذرائع سے سیراب کی جاتی ہیں۔

(۴۰) عمرہ

عمرہ کے معنٰی ہیں آباد مکان کا ارادہ کرنا، زیارت کرنا اور اصطلاح میں اس سے مراد وہ چھوٹا حج ہے جو ہر وقت ہوسکتا ہے، اس کے لئے کسی خاص مہینے اور دن کی قید نہیں ہے۔ جس وقت موقع ہو احرام باندھ کر بیت اللہ کا طواف کریں، سعی کریں اور تحلیق یا تقصیر کرکے احرام کھول دیں، عمرہ حج کے ساتھ بھی کیا جاسکتا ہے اور حج سے علیٰحدہ بھی — عمرہ کرنے والے کو ''معتمر'' کہتے ہیں۔

(۴۱) فدیہ

روزہ نہ رکھ سکنے کی صورت میں شریعت نے معذور کو یہ سہولت دی ہے کہ وہ اس کے بدلے

صدقۂ فطر کے بقدر کسی محتاج کو غلہ وغیرہ دے دے یا صبح وشام دونوں وقت کھانا کھلا دے اس کو اصطلاح میں فدیہ کہتے ہیں، فدیہ میں غلہ دینا اور کھانا کھلانا بھی دُرست ہے اور غلے کی قیمت دینا بھی جائز ہے۔

(۴۲) فرض

وہ فعل جس کا کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے اس کا انکار کرنے والا کافر ہے اور جو شخص کسی عُذر کے بغیر ترک کرے وہ فاسق اور مستحق عذاب ہے۔

(۴۳) قِران

قران کے لغوی معنٰی ہیں دو چیزوں کو باہم ملانا، اور شریعت کی اصطلاح میں قران یہ ہے کہ آدمی حج اور عمرے کا احرام ایک ساتھ باندھ کر دونوں کے ارکان ادا کرے حجِ قران کرنے والے کو "قارن" کہتے ہیں حجِ قران، حج تمتع اور حج اِفراد دونوں سے افضل ہے۔

(۴۴) قیراط

ایک قیراط پانچ جو کے برابر ہوتا ہے اور بیس قیراط کا ایک مثقال ہوتا ہے۔

(۴۵) کفارہ

کسی شرعی کوتاہی کی تلافی کے لئے شریعت نے جو عمل بتایا ہے اس کو کفارہ کہتے ہیں۔

(۴۶) لیلۃ القدر

رمضان المبارک کی اس مبارک رات کو کہتے ہیں جس میں قرآنِ پاک نازل ہونا شروع

ہوا، رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے کوئی ایک رات ہے جس کو لیلۃ القدر کہتے ہیں، لیلۃ القدر کو قرآن میں لیلۃ مبارکہ بھی کہا گیا ہے، یہ ایک رات ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔

(۴۷) متمتّع

حج تمتع کرنے والے شخص کو متمتع کہتے ہیں، یعنی وہ شخص جو عمرہ کر کے احرام کھول دے اور پھر حج کا احرام باندھ کر حج کے ارکان ادا کرے۔

(۴۸) مثقال

ایک وزن کا نام ہے جو تین ماشے اور ایک رتی کے برابر ہوتا ہے۔

(۴۹) محرم

جو شخص میقات سے حج یا عمرے کا احرام باندھ لیتا ہے اس کو محرم کہتے ہیں۔

(۵۰) محصر

جو شخص حج یا عمرے کا ارادہ کر لے اور پھر کسی وجہ سے وہ حج یا عمرے سے روک دیا جائے۔ ایسے شخص کو ''محصر'' یعنی روکا ہوا کہتے ہیں۔

(۵۱) مفرد

جو شخص صرف حج کا احرام باندھے اس کو ''مفرد'' کہتے ہیں اور ایسے حج کو حج اِفراد کہتے ہیں۔

(۵۲) مکروہ تنزیہی

وہ فعل ہے جس سے بچنے میں اجر وثواب تو ہے لیکن جو شخص نہ بچے وہ گنہگار بھی نہیں ہے۔

(۵۳) مکروہ تحریمی

ہر وہ فعل جس سے بچنا مسلمان کے لئے واجب ہے جو شخص کسی واقعی عذر کے بغیر اس کو اختیار کرے وہ سخت گنہگار ہے البتہ اس کے منکر کو کافر نہیں کہا جاسکتا۔

(۵۴) میقات

میقات سے مُراد وہ خاص اور متعین مقام ہے جس پر احرام باندھے بغیر مکہ مکرمہ جانا جائز نہیں، کسی بھی غرض سے کوئی مکہ مکرمہ جانا چاہتا ہو اس پر لازم ہے کہ وہ میقات پر پہنچ کر احرام باندھ لے احرام باندھے بغیر میقات سے آگے بڑھنا مکروہ تحریمی ہے، مختلف ممالک کے رہنے والوں اور ان ممالک کی طرف سے آنے والوں کے لئے پانچ میقات مقرر ہیں۔

(۵۵) واجب

واجب سے مُراد وہ عمل ہے جس کا کرنا ہر مسلمان کے لئے فرض کی طرح لازمی ہے جو شخص اس کو غیر اہم اور معمولی سمجھ کر چھوڑ دے یا کسی عذر کے بغیر ترک کرے وہ فاسق، گمراہ اور مستحق عذاب ہے، یہ سنتِ مؤکدہ سے زیادہ اہم اور ضروری ہے البتہ واجب کے منکر کو کافر نہیں کہا جاسکتا۔

(۵۶) وسق

وسق سے مراد ایک اونٹ کا وزن ہے جو ساٹھ (۶۰) صاع کا ہوتا ہے۔

(۵۷) وقوف

وقوف کے معنٰی ہیں کھڑا ہونا اور ٹھہرنا، حج کے دوران تین مقامات پر وقوف کرنا ہوتا ہے، ان تین مقامات پر مقررہ وقت میں پہنچنے کو وقوف کہتے ہیں۔وقوف کی نیت کرنا اور کھڑا ہونا ضروری نہیں۔البتہ اہلِ حدیث کے نزدیک وقوف کی نیت کرنا بھی شرط ہے۔

(۵۸) ہدی

ہدی کے لغوی معنٰی ہیں تحفہ اور ہدیہ اور شریعت کی اصطلاح میں ''ہدی'' سے مراد وہ جانور ہے جو زائرِ حرم قربانی کے لئے اپنے ہمراہ لے جاتا ہے یا کسی ذریعے وہاں بھیج دیتا ہے۔

(۵۹) یومِ ترویہ

ماہِ ذوالحجہ کی آٹھویں تاریخ کو یومِ ترویہ کہتے ہیں، یوم ترویہ کہنے کی حکمت یہ ہے کہ اس دن سے حج کے اعمال شروع ہوتے ہیں اور جانوروں کو اچھی طرح سیراب کر کے سفر کے لائق بنا دیا جاتا ہے۔

(۶۰) یومِ عرفہ

ماہِ ذوالحجہ کی ۹ رتاریخ یعنی حج کے دن کو یومِ عرفہ کہتے ہیں اور یومِ عرفہ کہنے کی حکمت یہ ہے کہ اس دن زائرینِ حرم میدانِ عرفات میں جمع ہوتے ہیں۔

(۶۱) یومِ نحر

ماہِ ذوالحجہ کی دسویں تاریخ کو ''یومِ نحر'' کہتے ہیں، یومِ نحر کہنے کی حکمت یہ ہے کہ اس دن سے نحر یعنی قربانی شروع ہوتی ہے۔

مآخذ

احکام کی حکمت وفضیلت کے مباحث میں ان کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے

۱۔تفسیر النسفی ،۲۔تفسیر الخازن ،۳۔تفسیر بیضاوی ،۴۔ترجمان القرآن از مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم ،۵۔تفہیم القرآن از مولانا سید ابوالاعلی مودودیؒ ،۶۔ترجمہ وتفسیر مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم ، ۷۔صحاح ستہ ، ۸۔موطا ، ۹۔ریاض الصالحین ، ۱۰۔الادب المفرد ، ۱۱۔حصن حصین ،۱۲۔مشکوٰۃ ، ۱۳۔احیاءعلوم الدین ،۱۴۔کشف المحجوب وغیرہ

اور مسائل واحکام کسی اجتہادی کاوش اور محاکے کے بغیر سادہ انداز میں ذیل کی کتابوں سے نقل کئے گئے ہیں۔اور صرف وہی متفق علیہ مسائل منتخب کئے گئے ہیں جن کی عام طور پر ضرورت پیش آتی ہے۔

الہدایہ ،۲۔عین الہدایہ ، شرح ہدایہ ،۳۔فتح القدیر ،۴۔قدوری ، ۵۔شرح وقایہ ، ۶۔نور الایضاح ، ۷۔فقہ السنہ تالیف السید سابق ، ۸۔علم الفقہ ، ۹۔تعلیم الاسلام ،۱۰۔نماز محمدی از مولانا محمد جونا گڑھی ،۱۱۔اسلامی تعلیم از مولانا عبد السلام بستوی مدظلہ ،۱۲۔آلات جدیدہ کے شرعی احکام از مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ ،۱۳۔رسائل ومسائل از مولانا مودودیؒ ،۱۴۔بہشتی زیور ، ۱۵۔بحر الرائق ، کفایۃ المفتی از مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ وغیرہ۔